https://famousurdunovels.blogspot.com/

حیا

فاخرہ وحید

http://primenovels.blogspot.com/

"حیا"

از: "فاخرہ وحید"

(مکمل ناول)

چھوڑو مجھے..

چھوڑو...

"وہ چیخ رہی تھی"

"وہ شدید تھکن کی حالت میں تھا"

ارے صاحب..

کیسے مزاج ہیں

بڑے دن بعد آنا ہوا..

"ببلی مسکراتے ہوئے"

"حمزہ گہری سانس لیتے ہوئے"

مصروف تھا..

"ببلی ہسنتے ہوئے" آج ساری تھکن اتار دوں گی آپ حکم کریں صاحب,

طنزیہ مسکرائی "کیسا مال دکھاؤں صاحب..

"بیزاری سے نظر ادھر ادھر گھماتے..

نظر ٹھہر گئی "ابرو بھینچ کر"

یہ کون ہے..

"ببلی برا سا منہ بناتے ہوئے

"نیا مال ہے آج ہی اٹھایا ہے.. بہت چڑ چڑ کر رہی ہے..

"ماتے پر بل پڑے" چلا کر کہا" اے تم سے ایک لڑکی نہیں قابو ہو رہی.

"وہ مسلسل چیخ رھی تھی "خود کو چھڑوانے کی ناکام کوشش"

چھوڑو.. چھوڑو مجھے درد ہو رہا ہے..

"دو موٹی بدھی عورتیں سختی سے اسے جکڑے ہوئے تھی

"پر وہ ہار نہیں مان رہی تھی..

"سخت ہاتھوں کی پکر میں نازک سی حیا بھرپور مزاحمت کر رہی تھی"

"حمزہ قدم اٹھاتا.. نظر ہٹائے بغیر اس کی طرف بڑھ رہا تھا

"ببلی بڑبڑاتے ہوئے پیچھے آئی"

ارے صاحب چھوڑو اسکو اوپر چلو چکنا مال دکھاتی ہو...

"لیکن وہ کچھ سن ہی نہیں رہا تھا"

"اسے قریب آتا دیکھ کر وہ اور زور سے چیخنے لگی تھی"

"غصے سے"

مجھے ہاتھ مت لگانا.. میں جان سے مار دوں گی__ میرے قریب بھی آئے تو"

"وہ رکا"

"وہ اب بھی دو سخت ہاتھوں کی گرفت میں تھی"

ببلی تیوری چڑھاتے ہوئے "اس کے تو پر کترنے پڑیں گے..

پاس کھڑی سنوالی رنگ کی لڑکی__ سینہ بڑھا ہوا اور کھولے چھلیے ہوئے "بلاؤز اور ٹراؤزر میں ملبوس تھی

"اسے گھورتے ہوئے"

"منہ کیا دیکھ رہی ہے انجکشن لگا اس منحوس کو "جب سے آئی ہے دماغ خراب کیا ہوا ہے..

"حمزہ مسلسل اسے ہی دیکھ رہا تھا"

کم عمر.. نازک سی لڑکی..

"چڑیا کی طرح پھڑ پھڑا رہی تھی"

لیکن وہ ہمت نہیں ہار رہی تھی..

"اب وہ دانتوں سے عورتوں کہ ہاتھوں کو کاٹنے کی کوشش کر رہی تھی"

"سانولی لڑکی انجکشن لے آئی

"یہ لیں ببلی باجی"

"ببلی غصے سے حیا کی طرف بڑھنے لگی"

"حمزہ سخت لہجے میں"

"رکو..

ببلی منہ بناتے ہوئے

"ارے صاحب کیوں وقت ضائع کرتے ہو" اسے تیار کرنے میں وقت لگے گا... صاحب تم اوپر چلو میرے ساتھ

.."

"حمزہ ابرو اٹھاتے ہوئے"

مجھے یہ لڑکی چاہئے.. قیمت بتاؤ..

حیا چیختے ہوئے "کوئی چیز نہیں ہوں جو میری قیمت لگا رہے ہو..

چھوڑو.. میں جان لے لوں گی تمہاری... میں کہیں نہیں جاؤں گی سنا تم نے..

"پھر سے خود کو چھڑوانے کی کوشش"

"حمزہ سخت لہجے میں

"چھوڑ دو اسے"

"عورتوں کے ہاتھ ڈھیلے ہوئے"

پر صاحب.. "ببلی منہ بناتے ہوئے بولی"

"میں نے کہا.. قیمت بتاؤ__ اور اسے میرے حوالے کر دو

حیا کو دیکھتے ہوئے"

میں خود قابو کر لوں گا.."

"ببلی حیا کو گھورتے ہوئے جو خود کو چھڑوا کر کمرے کے کونے میں کھڑی تھی دوپٹا اتر چکا تھا"

ٹھیک ہے صاحب "ایک رات کے تیس ہزار لوں گی..

"حیا کی سانسیں اب رک رہی تھی"

"حمزہ دانت چباتے ہوئے"

یہ میرے ساتھ جائے گی__ منہ مانگی قیمت دوں گا"

ماتے پر بل آئے "ایسے کیسے صاحب آج ہی تو اٹھا کر لائے..

پانچ لاکھ"

"حیا پر سے نظر ہٹائے بغیر بولا"

ببلی کی آنکھوں میں چمک اتر آئی"

مسکراتے ہوئے

"جو حکم صاحب..

حمزہ چیک نکالتا ہے "حیا موقع دیکھ کر بھاگنے کی کوشش کرتی ہے"

حمزہ بازو دبوچ لیتا ہے"

آہ___ چھوڑو مجھے... جانے دو..

"غصے سے آنکھوں میں دیکھتے ہوئے"

تم مجھے چھو نہیں سکتے.. سمجھے تم

حمزہ کھینچ کر قریب کرتے ہوئے

"اگر تم چپ نہی ہوئی تو..

حیا غصے سے "

"تو کیا..

"وہ مزید قریب آیا"

حیا کی دھڑکن تیز چل رہی تھی__لب خاموش ہو گئے "آنکھیں بھیچ لیں"

حمزہ قریب تھا اور اس پر حیا کی خوشبو اثر کر رہی تھی "وہ جلدی سے پیچھے ہٹا" وہ اس کے اثر میں نہیں آنا چاہتا تھا"

حمزہ اسکا ہاتھ کھنچتا ہوا باہر کی طرف لے جاتا ہے"

ببلی مسکراتے ہوئے

"صاحب دل بھر جائے تو واپس کر دینا بہت کام کی چیز ہے..

"پھر حیا کو دیکھتے ہوئے تیکھا سا مسکرائی "ہمارے گراہکوں کو پسند آئے گی یہ دودھیا رنگ کی لڑکی"

حمزہ دانت چباتے ہوئے"

قیمت دے چکا ہوں___اب جو کرنا ہو گا میں خود کر لوں گا"

زبردستی کھینچتے ہوئے گیٹ تک لایا"__کار کا دروازہ کھول کر اندر دھکیلا"

وہ اب بھی چیخ رہی تھی"

فرنٹ سیٹ پر آ کر کار سٹارٹ کی"

حیا کار کے دروازے کو کھولنے کی کوشش کر رہی تھی"

"پر ناکام... دروازہ لاک تھا"

اب وہ مڑ کر حمزہ پر چیخنے لگی..

میں مر جاؤں گی___ پر تم مجھے ہاتھ نہیں لگا سکتے

کبھی نہیں__ سمجھے تم

ایک دم کار رکی"

حمزہ نے حیا کا بازو کھینچ کر پاس کیا" اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا"

مجھے کوئی شوق نہیں__ تمیں چھونے کا..

"وہ آنکھوں کی تپش محسوس کر سکتی تھی"

اب چپ چاپ__ میری بات سنو...

"حیا سانس روکے اس کی جلا دینے والی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی"

"میں آفیسر ہوں_ حمزہ فیاض بیگ"

اور پاس کیا"

اور میں نے__ تمہیں__ بچایا ہے"

لفظ چبا کر کہا..

خوشبو کا اثر پھر ہونے لگا تھا__ وہ بازو چھوڑ کر پیچھے ہٹا"

"حیا حیران تھی" وہ کچھ کہنے کو تھی کہ

"موبائل بجا"

حمزہ فون اٹھاتے ہوئے"

بولو علی..

ہاں ٹھیک ہے.. ہم اور انتظار نہیں کر سکتے___ چاروں طرف سے گھیر لو...

"آفیسر حمزہ فیاض بیگ بہت عرصے سے اس گینگ کے پیچھے تھا..جو لڑکیوں کو اٹھواتے اور بیچتے تھے.."

"وہ بھیس بدل کر اس گینگ میں شامل تھا__وہ اسکی جڑ تک پہنچنا چاہتا تھا.."

حیا اب بھی حیران تھی"معصومیت سے

"تو تم مجھے نقصان نہیں پہچاؤ گے ناں"

حمزہ اگنور کرتے ہوئے کار سٹارٹ"

وہ کان میں لگے آلے پر بات کر رہا تھا"

کار رکی"

اترو....

حیا باہر جھانکتے ہوتے

"یہ میرا گھر تو نہیں ہے..

میرا ہے..

"کار کا دروازہ کھولتے ہوئے بولا"

کیا..

غصے سے

"مجھے گھر جانا ہے___اپنے گھر

"لفظ چبا کر کہا"

حمزہ جھنجھلاتے ہوئے کار کا دروازہ کھولا"

تم کبھی چپ نہیں ہوتی..

بازو کھنچتے ہوئے کار سے باہر نکالا اور بولا "

چپ چاپ چلو...

ورنہ واپس وہیں چھوڑ آؤں گا..

وہ چلتا ہو گھر میں داخل ہوا"

حیا حیرانی سے دیکھ رہی" وہ ایک بڑا اور شاندار بنگلہ تھا"

واؤ ایسے گھر تو فلموں میں ہوتے ہیں ناں" وہ حیران تھی"

حمزہ نے اسے غور سے دیکھا..

گہری آنکھیں__نازک لب___لمبے خوبصورت بال

وہ پری سے کم نہیں تھی

"گہری سانس کے ساتھ ہاتھ چھوڑا"

"وہ اب بھی محل کو دیکھنے میں مصروف تھی"

تمہیں مجھ سے نکاح کرنا ہو گا"

وہ چونکی"

کیا..

ابرو اٹھاتے ہوئے قریب آیا" ہمارا نکاح ہو گا آج___

"لفظ چبا کر کہا"

حیا ششدرہ تھی"

وہ چلائی"_____کبھی نہیں..

سارے مرد ایک جیسے ہوتے ہیں نا"____ جھوٹ بول رہے تھے ناں تم____ کہ تم نے بچایا ہے مجھے_

غصے میں سانسیں تیز ہونے لگی"

__میں تم سے کبھی نکاح نہیں کروں گی_پہلے میری قیمت لگائی__اب چھونے کا جائز طریقہ اختیار کرنا چاہتے ہو

___

پر سن لو____

میں اایسا کبھی نہیں کروں گی__

میں مار ڈالوں گی خود.....

حمزہ اب غصے سے لال تھا"

چپ..

وہ آگے بڑھا"

حیا دیوار سے لگ گئی تھی"وہ بولنے کی کوشش کرتی ہے"

وہ مزید قریب آگیا

"ایک لفظ بھی اور نہیں..

دل کی دھڑکن بڑھ گئی"_____

کان کے قریب لفظ چبا کر کہا

"میں تمہیں نہیں چھوؤں گا__مگر نکاح تمہیں کرنا ہی ہوگا...چاہے مرضی سے کرو____یا ذبردستی...

وہ پیچھے ہٹا"

میں نہیں کروں گی"وہ چیخی"

ماتے پر بل پڑے "گہری سانس لی

"تو ٹھیک ہے__میں تمہیں واپس چھوڑ آتا ہوں وہیں "" نکاح کے بغیر تمہیں یہاں نہیں رکھ سکتا"

"وہ سنجیدگی سے باہر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا"

حیا کی سانس رکی

"مجھے گھر جانا ہے.. اپنے

وہ تھکا ہوا تھا آنکھیں لال تھی"

تم گھر نہیں جاسکتی.__کوئی تمہیں قبول نہیں..

آنکھوں میں درد اترا"

نہیں !سب مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں__میں انھیں بتاؤں گی مجھے کالج سے...

"کوئی تمہارا یقین نہیں کرے گا...

وہ ششدر رہ تھی "اس نے ایسا نہیں سوچا تھا....

نکاح کے بعد__تم جاسکتی ہو گھر__میں تمہیں یہاں رہنے پر فورس نہیں کروں..

ہاتھ باندھے وہ بولا رہا تھا"

پھر___آپ مجھے ہاتھ بھی نہیں لگایں گے ناں "معصومیت سے پوچھا" آنکھوں میں آنسو تھے "

وہ قریب آیا "اور ایک ہاتھ دیوار پر رکھا"

سر غوشی کی "

"میں تمیں ذرا سا بھی نہیں چھوؤں گا"

اب وہ پیچھے ہٹا تھا"

حیاششدرہ کھڑی رہی"

بی اماں" آواز دیتے ہوئے" کچن کی جانب بڑھا"

جی صاحب..

میں کام سے جارہاہوں

"اشارہ کرتے ہوئے"

جب تک میں نہیں آتا اس کا دھیان رکھیں"

بھاگنے کی کوشش نہ کرے..

جی ٹھیک ہے صاحب"

"وہ موبائل پر نمبر ڈائل کرتا ہوا باہر کی جانب روانہ ہوا"

حیاگم سم کھڑی تھی"

بی بی.. آپ کچھ کھائیں گی..

وہ چونکی"بے اختیار منہ سے نکلا"

پانی...

اسے پیاس لگی تھی"

"اتنا چیخنے چلانے سے گلے میں اب درد تھا"

بی بی جی" آپ میرے ساتھ آئیں.."کچن کی جانب اشارہ کرتے ہوئے"

"بی اماں کچن کی طرف بڑھی""وہ جھجھکتے ہوئے پیچھے آئی"

ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھنے کا اشارہ کیا"اور گلاس میں پانی ڈالا"

حیانے بغیر سانس لئے پورا گلاس اندر اتار لیا"

لبوں سے چند قطرے ٹپک رہے تھے "

گہری سانس لی"

پھر معصومیت سے بی اماں کو دیکھتے ہوئے"

ایک گلاس اور مل سکتا ہے پلیز...

ضرور بی بی جی.. مسکراتے ہوئے کہا"

کتنی پیاری بچی ہے' پتا نہیں کب سے پیاسی ہے" وہ دل میں افسوس کر رہی تھی"

وہ نکاح کا تمام بندوبست کر چکا تھا"

گھر میں داخل ہوا" اپنے روم کی جانب جاتے ہوئے اچانک رکا"

نظر کچن میں گئی" وہ مسلسل کھا رہی تھی" بنا رکے "

وہ اسے دیکھے گیا.. "کتنا بچپنا ہے اس میں"

وہ سر جھٹکتا واپس روم کی جانب بڑھا..

وہ تھکا ہوا تھا"

الماری کھولی__کپڑے نکالے_باتھ روم میں گھس گیا"

گرم پانی سے شاور لینے کے بعد" وہ بہتر محسوس کر رہا تھا"

واپس نیچے آیا کچن تک" وہ اب چائے کے سپ لے رہی تھی..

اسے دیکھ کر فورا سیدھی ہوئی"

حمزہ دیکھے بنا شرٹ کی آستین چڑھاتے ہوئے"" تمہیں کچھ لینا ہے تو بی اماں کو بتا دو...

تھوڑی دیر میں نکاح ہے..

وہ چونکی" پھر سر جھکاتے ہوئے" نہیں مجھے کچھ نہیں چاہئے..وہ اداس تھی

"بے بسی محسوس کر رہی تھی"

ترچھی نظر سے حیا کو دیکھا"

ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی..

وہ پرواہ کئے بغیر کندھے اچکاتا باہر نکل گیا"

کھروس سمجھتا کیا ہے خود کو..

"وہ بڑبڑائی"

میں یہاں کبھی نہیں رہوں گی..

میں بھاگ جاؤں گی یہاں سے"وہ دل میں ارادہ کر رہی تھی"

""

کچھ دیر بعد"

یہاں سائن کرو..اشارہ کرتے ہوئے

وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا"وہ دوپٹہ سر پر لئے ہوئے تھی

میں سائن نہیں کروں گی"وہ بڑبڑائی

وہ قریب ہوا" مجھے کروانے آتے ہیں"

دھڑکن تیز ہوئی"

اچھا کر رہی ہوں نا_وہ جلدی سے پین اٹھائے سائن کرنے لگی"..

نکاح ہو چکا تھا"

اب حیا کا نام حمزہ فیاض بیگ کے نام کے ساتھ جڑ چکا تھا"

وہ تھک گئی تھی" آنکھیں جھپکتے کھولے رکھنے کی کوشش کر رہی"..

وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا" نزدیک آتے ہوئے" اوپر روم میں جا کر سو جاؤ..

حیا فورا__"پوری آنکھیں کھول کر کھڑی ہوئی" میں تمہارے روم میں نہیں رہوں__..

وہ قریب آیا"

وہ پیچھے ہٹی تھی" میں نے کہا نا میں تمہارے روم میں نہیں رہوں گی"

وہ مزید قریب آیا'

یہاں ملازم بھی ہیں"" تمہیں میرے روم میں ہی رہنا پڑے گا__چاہے صوفے پر سو یا فرش پر "لاپروائی سے کہا تھا "

وہ دل میں اسے برا بھلا کہہ رہی تھی"

آنکھوں میں دیکھتے ہوئے غصے سے بولی "نہیں! میں تمہارے روم میں___ کبھی نہیں...

وہ مزید قریب ہوا..

سانس رکی__آہستہ سے لب ہلے"

تم نے پرومس کیا تھا نا تم نہیں چھوؤ گے.. آنکھیں بھینچ لی...

میں نے نہیں چھوا"..

اس نے انکھیں کھولی__اس نے واقعی اسے نہیں چھوا تھا___بس قریب تھا_وہ اس کی سانسیں محسوس کر سکتی تھی...

اگر تم نے مزید ضد کی تو میں تمہیں اٹھا کر روم میں لے جاؤں گا___اور بھول جاؤں کہ میں نے ایسا کچھ کہا تھا..

لفظ چبا کر کہا"

وہ اسے ڈرانا چاہتا تھا وہ جانتا تھا یہ لڑکی بھاگنے کی کوشش ضرور کرے گی وہ اتنی جلدی کسی کے سامنے ہار ماننے والی نہیں تھی"

اور وہ واقعی ڈر گئی تھی__سانسیں تیز چل رہی تھی..

اچھا__اچھا__میں جا رہی__اور فوراً اوپر کی جانب بڑھی..

وہ اطمنان کا سانس لئے لاؤنج میں پڑے صوفے پہ بیٹھ گیا"__

وہ موبائل پر نمبر ڈائل کر رہا تھا__

علی__کام ہو گیا"??

یس سر ہم نے پورا علاقہ کلئیر کر لیا ہے

_مسکراتے ہوئے" گڈ جاب...

اچھا علی__

یس سر..

"ایک کام ہے..

جی حکم سر..

مجھے اس لڑکی کا فیملی ڈیٹا چاہئے"

اور یہ بھی پتا کرو فیملی میں سے کسی نے اغواء کی رپورٹ درج کروائی تھی..

اوکے سر... میں کچھ دیر میں انفارم کرتا ہو...

فون رکھتے ہوئے وہ باہر کی جانب بڑھ گیا____

کچھ دیر بعد"

وہ گھر آیا تھا__بی اماں سے بات کرکے اوپر کی طرف بڑھا"

روم کا دروازہ کھولا"لائٹ آن کی..

وہ شاکڈ رہ گیا"

حیا نے صوفے کے چاروں طرف چیئرز رکھی تھیں"

اور اپنا دوپٹہ گرد باندھ کر اس پر__جو بھی چیزیں روم میں اسے ملیں تھی پرفیوم__باڈی سپرے وہ سب اس پر

اس طرح اٹکایا تھا کہ__ذرا بھی ہلے تو سب گر جائے"

"اور اگر وہ پاس آنے کی کوشش کرے گا تو"_چیزیں گرنے سے وہ ضرور جاگ جائے گی"

تھوڑا آگے واٹر بولز جو روم کے جار میں رکھی گئی تھی وہ اب فرش پر بکھری تھیں

صوفے پر سر سے پاؤں تک چادر لپیٹے ہوئے سو چکی تھی"

ریڈ چلی سپرے اسکے پاس تھا"

"جو کچن سے موقع دیکھ کر چرایا تھا"بی اماں حمزہ کو اس بات سے آگاہ کر چکی تھی"

وہ ابرو بھینچ کر"اپنے کمرے کی حالت دیکھ رہا تھا"

پر اسے غصہ نہیں آیا تھا"

تو یہ رکاوٹیں اسلئے بنائی گئی ہیں کہ__میں قریب نہ آسکوں..

اسے سوچ کر ہنسی آئی تھی"

وہ سر جھٹکتا الماری کی طرف بڑھا"ٹروزر ٹی شرٹ نکال کر باتھ روم چلا گیا"

"وہ ہمیشہ اکیلا رہا تھا..

اور آج کمرے میں کسی کی موجودگی.. عجیب سا احساس تھا"

شاور لے کر باہر نکلا" نظر اس طرف گئی..

چہرے سے چادر ہٹی تھی..

وہ سوتی ہوئی پیاری لگ رہی تھی"

سر جھٹکا" وہ ڈریسنگ ٹیبل تک آیا.. بالوں میں برش کیا___ لیپ ٹاپ نکال کر بیڈ کی سائیڈ سے ٹیک لگائی__ اور کام میں مصروف ہو گیا"

نظر پھر اٹھی تھی" حیا کا رخ اب اس کی جانب تھا"

میں نے غلط تو نہیں کیا"._ خود سے سوال کیا"

_وہ ابھی کم عمر تھی"

وہ اسے دیکھے سوچ رہا تھا

اگر میں نہیں کرتا تو پاک دامن ہونے کے باواجود اسکی عزت پر کیچڑ اچھالا جاتا__ جو اس کیلئے زیادہ تکلیف دہ ہوتا ".

خود کو تسلی دیتے ہوئے"

گہری سانس لی"

لیپ ٹاپ آف کیا اور لیٹ گیا"

اس کی خوشبو وہ پورے روم میں محسوس کر رہا تھا"..

فجر کی آذان پر حیا کی آنکھ کھلی. آنکھیں مسلتی وہ صوفہ پر اٹھ بیٹھی. اس نے ایک نظر گھما کر بیڈ پر لیٹے حمزہ کو دیکھا. جس کی آنکھوں کے نیچے مسلسل کام اور تھکن سے سیاہ حلقے عیاں تھے. پھر حیا نے ایک نظر اپنے آس پاس لگی باؤنڈری کو دیکھا. اتنا سب کچھ ہو جانے کے بعد بھی اس کا دماغ اس برق رفتاری سے کام کر رہا تھا اسے حیرت ہوئی. اس نے تکیے کے نیچے چلی اسپرے کو ٹٹولہ. اور مل جانے پر سکھ کا. سانس لیتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی.

یہاں سے بھاگنے کا اچھا موقع ہے. اس نے حمزہ کو ایک نظر دیکھا. وہ چپکے سے دروازے کے پاس گئی لیکن وہ لاکڈ تھا. اس نے ہر طرح سے دروازہ چیک کر لیا. لیکن وہاں نہ. کوئی ہینڈل تھا اور نہ ہی لاک. اسے ٹھنڈے پسینے آرہے تھے. وہ پھنس گئی تھی. ایک اجنبی آدمی کے ساتھ ایک. کمرے میں رہنا. اسے اب گھٹن ہو رہی تھی. اپنے گرد اتنی چیزوں کی باؤنڈری بنا کر وہ سمجھ رہی تھی وہ محفوظ ہے. لیکن اب اسے خود پر غصہ آرہا تھا. کسی کے گھر میں وہ یوں گھوڑے بیچ کر کیسے سو سکتی تھی.

"حیا اپنی آزادی کی جنگ تمہیں خود لڑنی پڑے گی. موقع ہے بھاگ جاؤ."

اس نے دل میں خود کو ہمت دی. اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی حمزہ کے بیڈ تک پہنچ گئی.

ایک نظر دروازے کو دیکھا. جس میں کہیں کوئی ہینڈل یا کی ہول نہیں تھا. تو یہ دروازہ کیسے کھلے گا. اس کا دماغ کسی ڈیٹیکٹو کی طرح چل رہا تھا.

کسی ریموٹ سے کھلتا ہوگا یا فنگر پرنٹ سے.. یا پھر آنکھ سے.. سی آئی ڈی کی تمام قسطیں ایک ساتھ اس کے دماغ میں گھومنے لگی.

ریموٹ سے اگر کھلتا ہے تو ریموٹ یہیں کہیں ہو گا. اس نے سائڈ ٹیبل کا دراز کھولنے کے لیے ہاتھ بڑھایا. اس میں دو چار پیپرز پڑھے تھے. ڈریسنگ ٹیبل پر رکھی ہر چیز وہ پہلے ہی اپنے گرد باؤنڈری بنانے میں استعمال کر چکی تھی اب وہاں ایک ہیئر برش کے علاوہ کچھ نہ تھا. وہ سیف کی طرف بڑھی. ہر لاکر میں ایک چند چیز پڑھی تھی لیکن چابی

یا کسی قسم کا ریموٹ نہیں ملا. حیا کو اب حیرت ہو رہی تھی. روم میں کہیں بھی کوئی کی ہول نہیں تھا. سارے لاکرز یوں ہی کھلے پڑے تھے. جس میں سے ایک لاکر میں پیسے بھی پڑے تھے. لیکن سب کچھ بغیر لاک کے تھا. تو دروازہ کیوں نہیں کھل رہا؟

یقیناً یہ آدمی بہت تیز ہے. اس نے دروازے پر کوئی ایسا لاک لگایا ہے کہ اندر کسی چیز پر لاک لگانے کی ضرورت نہیں. اگر کوئی ریموٹ ہے تو اس نے اپنے تکیہ کے نیچے یا ڈراوزر میں رکھا ہو گا. اس نے سانس روک کر ایک قدم آگے بڑھایا. اس کا ہاتھ اب حمزہ کے تکیے کی طرف تھا. اس سے پہلے کے ہاتھ تکیے کو چھوتا. سائڈ ٹیبل پر رکھا الارم اپنے فل والیم پر بجنے لگا. ہڑبڑاہٹ میں وہ پیچھے ہٹی. الارم کی آواز پر حمزہ نے کروٹ بدلی اور بند آنکھوں سے ٹیبل پر ہاتھ مارا اور ہاتھ کسی نرم چیز پر جا ٹکرایا. اس نے فوراً آنکھیں کھولی. اس کا ہاتھ ایک اور ہاتھ پر تھا. یہ سب اتنا اچانک ہوا کہ حیا کو سنبھلنے کا موقع نہیں ملا. جس سائڈ ٹیبل پر ایک ہاتھ رکھ کر وہ جھکی تھی تکیہ اٹھانے وہ ہاتھ اب حمزہ کے ہاتھ کے نیچے تھا.

"تم یہاں کیا کر رہی ہو." اس نے غصے سے حیا کو گھورا. جو اب تک اپنا ہاتھ کھینچ چکی تھی.

"وہ... میں.. وہ.." حیا کو الفاظ نہیں مل رہے تھے.

"کہیں تم بھاگنے کا تو نہیں سوچ رہی تھی." حمزہ نے آنکھیں سکیڑی.

"نن نن. نہیں."

حمزہ بیڈ سے نیچے اترا. حیا ایک قدم پیچھے ہٹی.

"تم بھاگنے کا سوچ رہی تھی." وہ اب حیا کی طرف بڑھ رہا تھا.

"خبردار جو میرے پاس آئے تم. میں چلاؤں گی." وہ پیچھے ہوتی ہوئی ڈریسنگ ٹیبل سے جا لگی.

"میں نے تمہیں آرام سے سمجھایا تھا کہ بھاگنے کی کوشش مت کرنا. میں ایک بار کہتا ہوں بار بار نہیں." وہ چلایا.

جب کہ چلانے کی ضرورت نہیں تھی لیکن وہ اسے ڈرانا چاہتا تھا.

وہ سہم گئی تھی. ایک آنسو اس کی آنکھ سے گال پر پھسلا. اب حمزہ اس کے سامنے کھڑا تھا.

"مجھے ہاتھ مت لگانا." آنکھیں زور سے بند کیے اس نے اور پیچھے ہونا چاہا لیکن پیچھ جگہ نہیں تھی. اس کا پاؤں پھسلا.

حمزہ نے فوراً اس کا ہاتھ تھام کر اوپر کھینچا.

وہ اس کے بہت قریب تھی. اس کی خوشبو اس پر پھر اثر کر رہی تھی. اس کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا.

"میرا ہاتھ."نسوانی آواز پر وہ ہوش میں آیا.

"ہاں؟"

"میرا ہاتھ. درد کر رہا ہے." حیا اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی.

ہاں. حمزہ نے فوراً ہاتھ چھوڑا.

"دوبارہ اگر تم نے بھاگنے کی کوشش کی تو خود تمہیں دوبارہ وہیں چھوڑ آؤں گا."

جا کر نماز پڑھو. اور اللہ کا شکر ادا کرو. اس نے تمہیں ان ظالموں کے چنگل سے بچایا. "لہجہ سخت تھا.

وہ اب خود اس سے دور جانا چاہتا تھا. اور وہ چلا گیا.

حیا وہیں ڈریسنگ ٹیبل کے پاس کھڑی کھلا دروازہ دیکھتی رہی. کچھ بھی تو نہیں کیا تھا اس نے. نہ ریموٹ کا بٹن دبایا. نہ کہیں فنگر پرنٹ لگایا. دروازہ آسانی سے کھل گیا تھا. پر کیسے. وہ حیران تھی.

"بی بی جی. ناشتہ کر لیں."

حیا کو دیکھتے ہی بی اماں نے اسے کھانے کی دعوت دی.

"ہمم.."وہ بس اتنا کہہ سکی.

اس کی نظریں چاروں طرف گھوم رہی تھیں.

"بی بی جی آپ کو کچھ چاہیئے ؟"بی اماں اس کی بے چینے دیکھ کر بولی.

"نن. نہیں. نہیں تو." وہ سر نیچے کیے نارمل بی ہیو کرنے لگی.

" آپ گھر پر اکیلی رہتی ہیں ؟" حیا نے ان ڈائریکٹلی اس گھر اور گھر والوں کے بارے میں جاننا چاہا.

"جی بی بی جی. میں اور حمزہ صاحب. وہ زیادہ تر باہر ہی ہوتے ہیں. کبھی کبھار ان کے دوست آجاتے ہیں. تو رونق لگ جاتی ہے"

"تو اب یہ کب آئے گا."

"کون ؟"

"یہ.. میرا مطلب.. حمزہ.. حمزہ صاحب." حیا نے اٹکتے ہوئے پوچھا.

"وہ.. وہ تو اب رات گئے آئیں تو آئیں. ورنہ ہفتے بھر تک نہیں آتے."

"اوہ بہت کام ہوتا ہو گا نا.." حیا خوش ہوئی لیکن اس نے منہ بنا کر بی اماں کو دیکھا.

"جی بی بی جی. صاحب کی نوکری ہی کچھ ایسی ہے."

حیا نے کوئی جواب نہیں دیا. اس کا دماغ اب شالیمار ایکسپریس کی سی رفتار سے چل رہا تھا. اچھا موقع تھا بھاگ جانے کا.

لیکن وہ اب فوراً ایسا قدم نہیں اٹھانا چاہتی تھی. آج وہ انتظار کرے گی. اگر حمزہ آج نہیں آیا. تو وہ کل رات یہاں سے بھاگ نکلے گی.

اس بار اگر وہ پکڑی گئی. تو حمزہ اسے کسی صورت نہیں بخشے گا.

بی اماں دیکھنے میں تو سیدھی تھیں. لیکن وہ حیا پر پوری نظر رکھے ہوئے تھیں. حیا نے ناشتہ کیا. اور تھکاوٹ کا کہہ کر اوپر چلی گئی. دروازہ اس نے احتیاطاًذرا کھلا رہنے دیا. اسے اب تک دروازہ کھولنے کی تکنیک معلوم نہیں تھی. وہ رسک نہیں لینا چاہتی تھی.

کمرہ یوں ہی بے ترتیب پڑا تھا. حیا نے ایک رات میں ہی کمرے کا حشر بگاڑ دیا تھا. کمرے کو دیکھ کر اسے ایک لمحے کو برا لگا.

"اس نے میرے ساتھ جو کیا ہے. اس کے بعد یہ دھوکے بعض یہ ہی ڈیزرو کرتا ہے." اسے اپنا اور حمزہ کا نکاح یاد آگیا تھا.

"میرے بابا میرا انتظار کر رہے ہوں گے." اس نے خود سے سرگوشی کی.

"بابا." وہ رو دی.

جب وہ اٹھی تو شام کے چار بج رہے تھے. یہ شاید ان دنوں کی تھکاوٹ کا نتیجہ تھا کہ وہ سونے کو لیٹتی تو گھنٹوں بے خبر پڑی سوتی رہتی.

فریش ہو کر وہ نیچے گئی. ابھی اس نے لاؤنج میں قدم رکھا ہی تھا کہ سامنے حمزہ کو ٹی وی ریموٹ پر چینل بدلتے دیکھ کر وہ پہلے حیران ہوئی اور پھر حیرانگی غصے میں بدل گئی.

"ایک دن نہ آتا تو کیا تھا. میری زندگی عذاب کر کے خود آرام سے ٹی وی دیکھ رہا ہے. کیا اب میں یہاں سے کبھی آزاد نہیں ہو پاؤں گی." وہ اس عالیشان بنگلے کو قید خانہ کہہ رہی تھی.

"رکو." وہ جانے کے لیے واپس مڑی تو حمزہ کی آواز نے اس کے قدم روک لیے. وہ رکی لیکن مڑی نہیں.

"تمہیں ہی بلا رہا ہوں." انداز تحکمانہ تھا.

حیامنہ بناتے ہوئے پیچھے مڑی. آنکھوں میں ناگواری تھی.

"تمہارے لیے کچھ کپڑے لینے جانا ہے. تیار ہو جاؤ. "اس نے چینل بدلتے ہوئے کہا.

" تمہیں مجھ پر مہربان ہونے کی ضرورت نہیں. میں ان کپڑوں میں ہی ٹھیک ہوں. "اس نے حمزہ کو دیکھے بغیر کہا.

حمزہ اپنی جگہ سے اٹھا. حیا کے پاس آکر کھڑا ہوا.

"میں نے تمہاری رائے نہیں مانگی. تیار ہو جاؤ ہم جارہے ہیں" وہ کہہ کر مڑا.

"میں کسی کے ساتھ بھی منہ اٹھا کر نہیں جاؤں گی."

"نکاح کے نام پر یہاں قید کر کے رکھا ہوا ہے مجھے. میرے بابا کتنا پریشان ہوں گے. تم میں اور ان میں کوئی فرق نہیں. وہ بغیر نکاح کے مجھے نوچنا چاہتے تھے اور تم نکاح کا سہارا لے کر میرا فائدہ اٹھانا چاہتے ہو. "جب حمزہ کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا تو وہ پیچھے سے چلائی.

حمزہ پیچھے مڑا.

"حیا! میں فریش ہو کر آتا ہوں. تم ریڈی ہو جاؤ. کل ہمارا ریسیپشن ہے. بہت سی تیاریاں کرنی ہیں. "لہجہ نرم تھا.

"کس چیز کا ریسیپشن؟" وہ اس کے پر سکون لہجے پر تلملا اٹھی.

"ہماری شادی کا. " دونوں ہاتھ سینے پر باندھے وہ پر سکون لہجے میں بولا.

"یہ نکاح میری مرضی سے نہیں ہوا. تم زبردستی مجھے یہاں نہیں رکھ سکتے.. "وہ یہاں سے فرار کی راہ ڈھونڈ رہی تھی. اور یہ شخص ان کے نکاح کا ڈھول پیٹنا چاہتا تھا. حیا کو اپنے کانوں سے دھواں نکلتا محسوس ہوا.

حمزہ حیا کی طرف بڑھا. اس نے داہنے ہاتھ سے حیا کا بازو پکڑا. گرفت سخت تھی. حیا کو اس کی انگلیاں اپنے بازو میں دھنستی محسوس ہوئی.

"تمہارے لیے یہ ہی بہتر ہے کہ جب میں ایک بار کچھ کہوں تو تم بغیر کسی چوں چراں مان لو. مجھے بار بار کہنا بالکل پسند نہیں. "تھکاوٹ سے سرخ آنکھوں میں اب غصہ تھا.

"تم اگر یہ سمجھتے ہو کہ یہاں اپنے گھر میں رکھ کر مجھ پر احسان کر رہے ہو تو بھول ہے تمہاری. مجھے یہاں نہیں رہنا. مجھے میرے گھر جانا ہے. "وہ مسلسل اپنا بازو چھڑوانے کی کوشش کر رہی تھی.

"تمہارے گھر والے کسی ایسی لڑکی کو کبھی قبول نہیں کریں گے جو ہفتہ گھر سے غائب رہی ہو. تمہاری گمشدگی کی کوئی رپورٹ تک درج نہیں کروائی گئی. یقیناً بدنامی کے خوف سے. تم اب یہیں رہو گی ہمیشہ. "آواز دھیمی مگر لہجہ سخت تھا.

"میں بھاگ جاؤں گی. میرے بابا مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں. وہ مجھے سمجھیں گے.. "وہ رو دینے کو تھی.

"اب کوشش بھی مت کرنا یہاں سے بھاگنے کی. اور مارکیٹ میں اگر تم نے کوئی ہوشیاری کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا. "اس نے انگلی اٹھا کر حیا کو وارن کیا.

"پانچ منٹ میں باہر آ جاؤ. بس پانچ منٹ. "اس نے ہاتھ دکھایا. اور جھٹکے سے حیا کا بازو چھوڑ کر باہر نکل گیا.

حیا بہت کچھ کہنا چاہتی تھی. رونا چاہتی تھی. چلانا چاہتی تھی. لیکن اسے حمزہ پر بھروسہ نہیں تھا. وہ شیر کی کچھار میں رہ کر اسے چھیڑنا نہیں چاہتی تھی. وہ اس کے ساتھ اس گھر میں خود کو غیر محفوظ سمجھتی تھی.

علی کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا یہ شادی کن حالات میں ہوئی. علی اور حمزہ کیڈٹ کالج کے زمانے سے دوست تھے. دونوں نے ایک ساتھ بہت سے مشنز پر کام کیا تھا. اور کامیاب رہے تھے. وہ زیادہ تر حمزہ کے ساتھ اسی گھر میں رہتا تھا. علی حمزہ کی زندگی کے ہر اتار چڑھاؤ سے واقف تھا. حمزہ نے اسے دوست سے زیادہ بھائی سمجھا تھا. اور ایسے ہی حمزہ علی کے لیے تھا.

ریسیپشن کے تمام تر ارینجمینٹ علی ہی کے سپرد تھے.

لان کو رنگ برنگے قمقموں سے سجایا گیا تھا. ایک طرف میز اور کرسیاں لگی تھیں. اور اسٹیج کو گلابی اور کالے رنگ کے بڑے بڑے مصنوعی پھولوں سے سجایا گیا تھا.

"سر! ایک بات پوچھوں؟" اسٹیج پر دلہا دلہن کے لیے قد آور کرسیاں لگاتے ہوئے شیری نے علی کو مخاطب کیا.

"تم کب سے پوچھ کر بات کرنے لگے. تمہیں تو عادت ہے کہیں بھی کچھ بھی بولنے کی." فوٹو بوتھ پر فریم سیٹ کرتے شیروان نے اس پر آواز کسی. سب کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی. ان کی نوک جھونک معمول تھا اور ان سب کے انٹرٹینمنٹ کا سبب بھی.

"تم چپ رہو." شیری نے شیروان کو مصنوعی غصے سے ڈانٹا.

"سر آپکو کیا لگتا ہے. حمزہ سر کی یہ ارینج میرج ہے یا لو میرج؟"

ہلکے قہقہے ابھرے. علی نے شیری کو یوں دیکھا جیسے وہ کوئی عجوبہ ہو. سب کے کان کھڑے ہو گئے تھے.

علی نے ایک نظر آس پاس مختلف کام نمٹاتے لڑکوں کو دیکھا.

"ارینج.." علی کو معلوم تھا سب یہ جاننا چاہتے ہیں. تبھی اس نے قدرے اونچا کہا.

"ویسے سر سوچیں اگر یہ لو میرج ہوتی تو حمزہ سر کو بھابھی نے کہاں دیکھا ہوتا؟ کسی فٹ پاتھ پر بھیک مانگتے ہوئے. یا پھر کچرہ کنڈی سے کچرہ چنتے. یا کھسروں کے ساتھ ناچتے ہوئے.؟" شیری نے معصومیت سے گیسٹ لسٹ چیک کرتے علی کو دیکھا.

قہقہے بلند ہوئے. لیکن شیری ہمیشہ کی طرح معصوم شکل لیے کھڑا رہا.

"ہو گیا؟" علی نے اپنی مسکراہٹ چھپاتے مصنوعی خفگی دکھائی. بات شیری کی سو فیصد سچ ہی تھی. زیادہ تر وہ اپنے اصل حلیہ کے بجائے دوسروں کا روپ ہی دھارے ہوتے تھے.

"سر جو بھی ہے. ہم سب حمزہ سر کے لیے بہت خوش ہیں."

تقریباً سب کام نمٹ چکا تھا. سارے لڑکے وہیں علی کے گرد جمع ہو گئے تھے.

"ہاں یار. بات تو خوشی کی ہی ہے. بس دعا کرنا اللہ اس فیصلے کو حمزہ کے حق میں بہتر کرے."

آمین. سب نے یکے بعد دیگرے کہا.

علی کو حمزہ کا یہ فیصلہ بھایا نہیں تھا. لیکن وہ خاموش تھا. حمزہ پہلے ہی اس فیصلے کو لیکر کنفیوز تھا اور اب علی اسے اور اپ سیٹ نہیں کرنا چاہتا تھا.

فادی, ہمایوں, سعد اور تراب نے علی سے اجازت چاہی. ان کو آج کچھ کام نمٹانے تھے.

"اندر چلتے ہیں. حمزہ اور حیا بھی آتے ہی ہوں گے."

علی نے شیر وان, زویان اور شیر ی کو آج کے لیے کام روک دینے کا عندیہ دیا.

رات کے سات بج رہے تھے. جب حمزہ کی کار کا ہارن سنائی دیا. سب لوگ لاؤنج میں بیٹھے گپیں لگا رہے تھا.

"جا دیکھ. نیولی ویڈ کپل آیا ہے باہر." شیر ی نے زویان کو اشارہ کیا.

"یار میرا پاؤں سویا ہوا ہے. تو کھول آ پلیز.."

"مجھے بھابھی سے شرم آتی ہے." شیر ی نے ناقابل یقین بہانہ پیش کیا.

"چلا جا بھائی نہیں ہے." زویان نے منت کی.

"نہیں. میں اپنے ماں باپ کا اکلوتا ہوں." شیر ی دوبارہ اپنے سیل پر مصروف ہو گیا.

دوبارہ ہارن بجا. بی اماں کچن سے نمودار ہوئیں. وہ سب کے لیے ڈنر کا انتظام کر رہی تھیں.

"رکیں بی اماں. میں ہی دیکھتا ہوں. پورے گھر کی ذمہ داری شیر ی کے کندھوں پر ہے یہاں." اپنے کندھے جھاڑتا سب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ چھوڑتا شیر ی مین گیٹ کی طرف لپکا.

"جی آیانوں۔ "حمزہ کے لاؤنج میں قدم رکھتے ہی سب نے کھڑے ہو کر بھابھی کو خوش آمدید کہا۔

حمزہ اندر آیا۔ لیکن حیا ساتھ نہیں تھی۔

"کیا بات ہے باس۔ بھابھی کو مارکیٹ ہی چھوڑ آئے ہیں کیا۔ "شیری نے اپنے مخصوص سنجیدہ انداز میں غیر سنجیدہ بات کی۔

"تھوڑی دیر تک آ رہی ہے۔۔ "حمزہ نے اطمینان سے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ علی اس کے ساتھ آ کر بیٹھ گیا۔

"حیا کہاں ہے۔ "علی نے سرگوشی کی۔

"جہاں اسے ہونا چاہئے۔ "

"کہاں ؟اس کے گھر ؟" علی نے اندازہ لگایا۔

"نہیں۔ اپنے سسرال۔ "حمزہ کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔

"اور زویان کیسا چل رہا ہے سب۔ "علی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ حمزہ زویان سے مخاطب ہوا۔

"الحمدللہ سر۔ آل ویل۔ "

"بی اماں۔ بھوک لگی ہے۔ کھانا لگا دیں پلیز۔ "حمزہ نے لاؤنج سے ہی آواز لگائی۔

تینوں کی نظریں حمزہ پر تھی۔ وہ کبھی یوں سب کے ساتھ نہں بیٹھتا تھا۔ لیکن آج اس کا رویہ کچھ مختلف تھا۔

کھانا لگ گیا تو سب اٹھ کر ڈائنگ ٹیبل پر بیٹھ گئے۔ علی مسلسل حمزہ کی حرکتیں نوٹ کر رہا تھا۔ حمزہ کچھ زیادہ ہی فرینڈلی بی ہیو کر رہا تھا۔ اس نے حمزہ کے ساتھ والی کرسی سنبھالی۔ وہ اس سے حیا کے بارے میں جاننا چاہتا تھا۔

"بی اماں۔ کھانا بہت اچھا ہے۔ "حمزہ نے پہلی بار کھانے کی تعریف کی۔۔ آواز کچن میں کھڑی بی اماں تک نہیں پہنچی تھی۔

"اب آپ زیادہ ہی کہہ رہے ہیں حمزہ سر. یہ پھیکا کھانا آپ کو کیسے اچھا لگ سکتا ہے. "شیری نے منہ بنایا. اور یہ سچ بھی تھا. بی اماں کا تعلق پشاور کے ایک قصبے سے تھے. وہ ہلکا مصالحہ استعمال کرتی تھیں. تبھی کھانا باہر سے ہی آتا تھا.

حمزہ نے کندھے اچکائے اور دوبارہ پلیٹ پر جھک گیا.

"حیا کہاں ہے؟" علی نے چبا کر کہا.

"بتایا تو سسرال. "حمزہ نے لاپرواہی سے کہا.

"سسرال مطلب ہمارے والا سسرال تو نہیں سر؟" شیری کہاں چپ رہتا. سب ہنس دیے. لیکن علی کے چہرہ بے تاثر تھا.

"ہاں. یو آر انٹیلیجینٹ شیری.. "حمزہ نے ہائی فائیو کے لیے ہاتھ بلند کیا. اور دور سے ہی شیری نے ہاتھ مارا.

"ایک منٹ. "میز پر سکتا چھا گیا.

"وہ جیل میں ہے؟" علی کی آنکھوں میں بے یقینی تھی. زویان اور شیری خاموش رہے.

"نہیں بس پولیس اسٹیشن. "وہ ہی اطمینان.

"حمزہ تیرا دماغ تو خراب نہیں ہے. "علی نے بے یقینی سے اسے دیکھا.

"مجھے نیند آ رہی ہے. "وہ کھانا چھوڑ کر کھڑا ہو گیا.

"حمزہ. "علی نے کچھ کہنا چاہا. مگر جب وہ نہیں رکا. تو علی خاموش ہو گیا.

رات کے گیارہ بج رہے تھے.. حمزہ جاگ رہا تھا. وہ حیا کو یوں چھوڑ کر آنا نہیں چاہتا تھا. لیکن اس کے لاکھ سمجھانے پر بھی حیا نے ہوشیاری دکھانے کی کوشش کی تھی.

حمزہ علی سے فون پر مہمانوں کے نام فائنل کر رہا تھا جب اچانک وہاں پولیس آگئی.

حمزہ کے خلاف شکایت تھی کہ اس نے حیا کو زبردستی حبس بے جا میں رکھا ہوا ہے. اور اس سے زبردستی نکاح کیا ہے.

حمزہ کو حیا سے یہ ہی امید تھی. تبھی وہ خود اس کے ساتھ آیا تھا. اور جس شاپ میں وہ کھڑے تھے یہ زویان کے بہنوئی کی تھی. یہاں سب سیلزمین حمزہ کو نہ صرف پہچانتے تھے بلکہ اس کی شخصیت اور اچیومنٹس سے کافی متاثر بھی تھے.

حیا نے جب سیلزمین کو بتایا کہ حمزہ نے اسے زبردستی اپنے گھر رکھا ہوا ہے تو وہ قدرے حیران ہوا. لیکن اس نے کسی قسم کاری ایکشن نہیں دیا بلکہ حیا کے کہنے پر پولیس کو کال بھی کر دی.

تھوڑی دیر میں پولیس وہاں موجود تھی. حیا نے وہاں شور ڈال دیا.

انسپکٹر شجاع نے جب حمزہ کو وہاں دیکھا تو فوراً ہاتھ ماتھے پر رکھ کر سلیوٹ کیا. اور حال احوال دریافت کرنے لگا. حیا کے لیے یہ ناقابل یقین تھا.

حیا نے پولیس کو سارا ماجرا سنایا. تو حمزہ نے حیا کو پہچاننے سے بھی انکار کر دیا.

"آپ اس کو تھانے لیکر جائیں. اور پوچھیں کس کے کہنے پر اس نے یہ کہانی گھڑی ہے."

حمزہ نے دونوں بازو سینے پر باندھتے ہوئے لاپرواہی سے کہا.

حیا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی. اس سے پہلے وہ کچھ کہتی. فی میل کانسٹیبل نے حیا کا بازو پکڑا اور اسے لے گئی.

"سنو! حیا آرہی ہے. ذرا خیال رکھنا." اس نے کسی کو کال ملا کر ہدایت دی.

سات بجے تک حمزہ یوں ہی سڑکوں پر گاڑی دوڑاتا رہا. وہ حیا کو یوں چھوڑ کر نہیں آنا چاہتا تھا. لیکن وہ چاہتا تھا ایک بار حیا کو اندازہ ہو کہ وہ اسے کس دلدل سے بچا کر لایا تھا.

اسے اب گھٹن ہو رہی تھی. وہ بالکونی میں جا کھڑا ہوا.

"حمزہ.." وہ چونکا.

یہ علی تھا.

"سویا نہیں تو ابھی تک." حمزہ نے باہر آسمان پر دیکھتے ہوئے کہا.

"حمزہ کیوں کر رہا ہے تو یوں. اگر پولیس اسٹیشن ہی اسے بھجوانا تھا تو اسی دن بھجوا دیتا. یوں گھر میں رکھنا. نکاح کرنا اور اب ریسیپشن یہ سب کیا ہے." وہ واقعی جاننا چاہتا تھا کہ حمزہ کے دماغ میں کیا چل رہا تھا.

"تجھے بھی لگتا ہے میں اس پر ظلم کر رہا ہوں؟" وہ اب تک جو لاپرواہ بنا ہوا تھا اب ہرٹ تھا.

"یار دیکھ میں پہلے ہی اس نکاح کے حق میں نہیں تھا. تو نے نکاح کرنے میں جلدی کی. تجھے اگر پہلے اس کی فیملی کا پتا کرنا تھا تو یوں ہی رہنے دیتا اسے. نکاح کرنے کی کیا ضرورت تھی." علی کو ابھی بھی یہ نکاح والی بات ہضم نہیں ہو رہی تھی.

"نکاح کے بغیر اسے گھر میں نہیں رکھ سکتا تھا یار. سو بات نکلتی."

"تو ہم اسے کسی شیلٹر ہوم بھیج دیتے."

حمزہ خاموش رہا. یہ ممکن تھا کہ اسے کسی شیلٹر ہوم بھیج دیا جاتا. لیکن وہ ڈرتا تھا. ڈرتا تھا کسی لڑکی کے پھر دھتکارے جانے سے.

"جب میں نے حیا کو وہاں چیختے چلاتے دیکھا مجھے میری رانیہ کی چیخیں سنائی دے رہی تھی. کیسے وہ اپنی پاک دامنی کا یقین دلاتی رہی تھی. کسی نے اس کی بات نہیں سنی تھی. سب نے ہی تو آنکھیں پھیر لی تھیں. میں اس کا خیال نہیں رکھ سکا." حمزہ نے بالکونی پر کہنیاں ٹکائی اور اپنا سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا.

"میں نے. میں نے اسے مار دیا میں نے اپنی رانیہ کو مار دیا."

وہ مضبوط اعصاب کا مالک تھا لیکن اس وقت وہ ہارا ہوا شخص تھا. ماضی سے ہارا ہوا. خود کے فیصلوں سے ہارا ہوا.

"نہ کر یار. بہت ٹائم لگا ہے تجھے اس سب سے نکلنے میں. دوبارہ وہ سب کیوں یاد کر رہا ہے. " علی نے حمزہ کے کندھے پر ہاتھ رکھا. وہ ہانپ رہا تھا. اس کا سانس اٹک رہا تھا.

علی حمزہ کو اندر کمرے میں لے آیا.

"حیا کی فیملی کے بارے میں کچھ پتا چلا ہے. " علی نے توقف سے کہا. حمزہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا.

"حیا کی والدہ کا دو سال پہلے انتقال ہو گیا تھا. اب اس کی فیملی میں اس کے والد اور دو بھائی ہیں. بھائی دونوں باہر ہوتے ہیں. اور.. "

"اور. " علی کی خاموشی پر حمزہ نے آخری لفظ دوہرایا..

"اور یہ کہ حیا کے یوں اچانک غائب ہونے کا صدمہ اس کے والد برداشت نہیں کر سکے اور ہارٹ اٹیک سے ان کا اگلے دن انتقال ہو گیا. "

آخری خبر واقعی تکلیف دہ تھی. حمزہ حیا کے لیے بہت برا محسوس کر رہا تھا.

"میں حیا کو لے کر آتا ہوں. تم خیال کرنا اس کے والد کے انتقال کا اسے ابھی پتا نہ چلے. "اس نے علی کو ہدایت کی اور گاڑی کی چابی اٹھا کر باہر نکل گیا.

جیل میں اسے چار گھنٹے ہونے کو تھے. ان چار گھنٹوں میں کوئی لمحہ ایسا نہیں تھا جس میں اس نے حمزہ کو بددعا نہ دی ہو. وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اسے کوئی دن یوں جیل میں گزارنا ہو گا. اس کے علاوہ جیل میں دو عورتیں اور تھیں. جو شکل سے ہی خرانٹ لگ رہی تھیں. ان کی نظریں برابر حیا کا جائزہ لے رہی تھیں.

"لڑکی مست ہے. پتا نہیں کس کے ہتھے چڑھے گی. "دونوں عورتوں میں سے جس نے بھی یہ الفاظ کہے حیا کے کانوں میں وہ سیسے کی طرح اترے تھے.

حمزہ کے لیے اس کی نفرت اور بڑھ گئی تھی.

جیل میں گھٹن تھی اور ہر سانس سولی پر تھا..اس نے ٹی وی پر بہت پروگرام دیکھ رکھے تھے جن میں جیل میں لڑکیوں پر ڈھائے جانے والے مظالم سے وہ بخوبی واقف تھی. مسلسل اس کی جان سولی پر لٹکی تھی. ہر آہٹ پر وہ اور سمٹ کر بیٹھ جاتی.

"مجھے جس نے یہ اذیت دی اللہ کرے وہ خود ایسی اذیت سے گزرے. اپنی آنکھوں کے سامنے اسے تڑپتا دیکھوں. "حیا نے سسکیوں میں حمزہ کو بد دعا دی. الفاظ بہت سخت تھے. لیکن اس وقت جس اذیت سے وہ گزر رہی تھی. اسے دعاؤں اور بد دعاؤں کے علاوہ کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا.

ہیلو. تمہیں لینے آئے ہیں. "وہ حمزہ کو کوسنے میں گم تھی. جب لیڈی افسر کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی. اسے لگا اس کا دل رک جائے گا. اسے کون لینے آ سکتا ہے. سارے ڈراؤنے خیال ایک ساتھ اس کے دماغ میں آ دھمکے تھے.

"میں کسی کے ساتھ نہیں جاؤں گی. "اس نے اپنے پاؤں سختی سے زمین پر جمائے.

"تو کیا ساری زندگی جیل میں گزارے گی؟ "وہ ہی سخت لہجہ.

"کون لینے آیا ہے. "اس کی آنکھوں میں خوف واضح تھا. آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا. اگر وہ دیوار سے ٹیک لگا کر نہ بیٹھی ہوتی تو اب تک گر چکی ہوتی.

" خصم آیا ہے تیرا. "فریحہ نے لاک کھولتے ہوئے کہا. شکل سے وہ اچھی خاصی تھی لیکن لہجہ اس کا ایسا ہی تھا بے ہودہ.

جیل کی سلاخوں کے پیچھے حیا کو ایک ہیولہ دکھائی دیا. اس کے حواس بحال ہو رہے تھے. اس نے آنکھیں سکیڑی. ٹراؤزر شرٹ میں ملبوس دونوں ہاتھ سینے پر باندھے چہرے پر مخصوص سنجیدگی لیے وہ حمزہ تھا.

حیا کو اپنے حواس پر سکون ہوتے محسوس ہوئے. وہ پتا نہیں کیا کیا سوچ چکی تھی. لیکن وہ حمزہ تھا اسے تسلی ہوئی.
ابھی کچھ لمحوں پہلے جو وہ اسے بد دعائیں دے رہی تھی اب خدا کا شکر ادا کر رہی تھی کہ وہ حمزہ ہی تھا.
حمزہ کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں جو نا گواری تھی وہ حمزہ سے چھپی نہیں تھی.
دونوں کچھ فاصلے سے چلتے گاڑی میں جا کر بیٹھ گئے. حیا بیک سیٹ پر بیٹھی تھی.
"کچھ کھاؤ گی. "ایک ریسٹورینٹ کے سامنے گاڑی روکتے ہوئے حمزہ نے پچھلی سیٹ پر بیٹھی حیا کو مڑ کر دیکھا.
حیا نے منہ پھیر لیا.
"اوکے. "حمزہ نے لمبا سانس بھرا. وہ گاڑی سے اترا. اور حیا کی سیٹ کا دروازہ کھولا.
"باہر آؤ. "یہ حکم تھا. جب وہ باہر نہیں آئی تو حمزہ نے اس کا بازو پکڑ کر اسے باہر کی طرف کھینچا. اب یہ بد تمیزی تھی. حیا بادل نخواستہ نیچے اتری.
"حیا دیکھو. "حمزہ نے اس کا بازو نہیں چھوڑا تھا. سانسیں بے ترتیب ہوئی تھیں. وہ اس سے چند انچ کے فاصلے پر تھی. رو رو کر اس کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں. حمزہ کو سمجھ نہیں آ رہا تھا وہ کیا کہے. اسے جیل بھیجنے کے لیے معافی مانگے یا اس کے والد کی وفات کا بتا کر افسوس کرے. حمزہ کو اس وقت وہ ایک کمزور لڑکی لگ رہی تھی. جو اپنے باپ کی موت کا سن کر چیخ چیخ کر رو دے گی. اس ایک لمحے سے وہ ڈرتا تھا.. اپنوں کے یوں چلے جانے کا دکھ حمزہ بخوبی سمجھتا تھا. وہ بھی ٹوٹ جائے گی جیسے وہ سات سال پہلے ٹوٹ گیا تھا. اسے سمیٹنے والے تھے لیکن جو خود اپنے آپ کو بمشکل سنبھالے ہوئے تھا وہ حیا کو نہ سمیٹ پاتا.
"تمہیں بھوک لگی ہو گی. آؤ کھانا کھاتے ہیں. "اس نے بات بدل دی تھی. حیا کا ہاتھ اب حمزہ کے ہاتھ میں تھا. وہ ہاتھ چھڑوانے کی کوشش کر رہی تھی. لیکن گرفت مضبوط تھی. وہ یوں ہی اس کا ہاتھ پکڑے ریسٹورنٹ میں داخل ہوا. ڈور پر کھڑے سیکیورٹی گارڈ نے آگے بڑھ کر کانچ کا دروازہ کھولا.

مینیجر حمزہ کو دیکھ کر اس کی طرف بڑھا.

"حمزہ سر!" اس نے دور سے ہی آواز لگائی.

اور نہایت گرمجوشی سے حمزہ کو ہاتھ ملایا.

"کیسے ہیں آپ. بڑے عرصے بعد چکر لگایا. اور علی صاحب نہیں آئے." مینیجر نے حیا کو دیکھتے ہوئے کہا.

"ہاں یار! کب تک علی کے ساتھ ہی پھرتا رہتا. اب میری بیوی آ گئی ہے." وہ ہنسا. حیا نے پہلی بار حمزہ کو ہنستے دیکھا تھا. مسکراتے ہوئے اس کی آنکھیں چھوٹی ہو جاتی تھیں. جس سے وہ اور پرکشش لگتا تھا. وہ ہینڈسم تھا.

"اوہ. از شی یور وائف؟" مینیجر کی آنکھوں میں خوشگوار حیرت تھی.

"یپ. مائی وائف. حیا حمزہ فیاض بیگ." حمزہ نے حیا کے گرد بازو پھیلایا. حیا نے سختی سے آنکھیں بھینچی. اور گھور کر حمزہ کو دیکھا. آنکھوں میں احتجاج تھا.

"ہیلو میم. ویلکم ٹو دس پلیس." مینجر ادباً جھکا.

حیا زبردستی مسکرائی. حمزہ نے گرفت اور مضبوط کر دی. حیا کا دل چاہا وہ بھاگ جائے یہاں سے. لیکن وہ صرف حمزہ کو دیکھ کر رہ گئی.

"سر! پلیز کم. ہیو آ سیٹ." مینیجر دونوں کو کارنر پر پڑے میز کی طرف لے گیا. حمزہ حیا کا ہاتھ پکڑے اسے ٹیبل تک لے آیا. حیا کو اپنے کان کی لوئیں گرم ہوتی محسوس ہوئی.

"سر. بہت خوشی ہو رہی ہے آپ کو اتنے عرصے بعد دیکھ کر." جب حیا اور حمزہ اپنی کرسیاں سنبھال چکے تو مینیجر نے کہا. حمزہ جواباً مسکرایا.

"حد ہے ایسے بھی کیا موتی جڑیں ہیں اس کو." حیا نے خفگی سے حمزہ کو دیکھتے ہوئے سوچا.

"میں ویٹر کو بھیجتا ہوں." مینیجر نے حمزہ سے ہاتھ ملایا. اور کاؤنٹر کے پیچھے غائب ہو گیا.

منیجر کے جاتے ہی حیا کی نظروں کا زاویہ بدلا. وہ مسلسل حمزہ کو گھور رہی تھی. ہر گزرتے لمحے کے ساتھ حیا کا دل باہر نکلنے کو تھا. اس کے پاس یقیناً کشش ثقل تھی. جو اس کا دل کھینچ رہی تھی.

حمزہ اس کی نظروں سے بے خبر نہیں تھا. حمزہ کا چہرہ اس کی نظروں کی تپش محسوس کر رہا تھا.

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟" جب حمزہ کی برداشت جواب دے گئی تو اس نے حیا کو دیکھتے ہوئے پوچھا.

"یہ سب کیا تھا." حیا بگڑی.

"کیا تھا." وہ انجان بنا رہا.

"یہ یوں مجھے پکڑنا. چھونا." حیا نے نہ صرف منہ بنایا بلکہ باقاعدہ ہاتھ سے اپنا کندھا جھاڑا.

"پبلک میں لوگوں کو دکھانے کے لیے یوں کرنا پڑتا ہے." اس نے دونوں ہاتھ ہوا میں بلند کرتے ہوئے انگڑائی لی.

وہ اپنے اور حیا کے بیچ خفگی کم کرنا چاہتا تھا.

"آئندہ مجھ سے پوچھے بغیر مجھے ہاتھ مت لگانا." حیا اس کی لاپرواہی پر آگ بگولا ہوئی.

"پوچھ کر لگا سکتا ہوں؟" حمزہ نے اجازت چاہی. کوئی اور لڑکی ہوتی تو وہ حمزہ کی اس ادا پر فدا ہو جاتی. لیکن وہ حیا تھی. جسے حمزہ سے نفرت تھی. اس کے ساتھ رہنا مجبوری. وہ حمزہ کے گھر کے علاوہ کہیں اور محفوظ نہیں تھی.

"سر ہاؤ آئی کین اسسٹ یو؟" حیا کے کچھ کہنے سے پہلے ہی ویٹر کی آواز سنائی دی. حمزہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا.

"کیا کھاؤ گی." حمزہ نے مینیو کارڈ پر نظر گھماتے حیا سے پوچھا.

"مجھے بھوک نہیں ہے." گو کہ حیا کو بہت بھوک لگ رہی تھی. اور یہاں کھانے کی خوشبو اس کی بھوک اور بڑھا رہی تھی. لیکن وہ حمزہ کے کہنے پر کچھ نہیں کرنا چاہتی تھی.

حمزہ نے پاس کھڑے ویٹر کو دیکھا. اور زبردستی مسکراتے ہوئے حیا کو دیکھا.

"جانا! ہم کھانا کھانے آئے ہیں تو بھوک کیسے نہیں لگی. "حمزہ نے کمال اداکاری سے پیار جتایا. حیا بس منہ کھولے اسے دیکھتی رہی.

"تو بتاؤ. تم کیا کھاؤ گی. "حمزہ نے مینیو کارڈ حیا کی طرف پھیرا.

حیا "جانا" لفظ کے استعمال پر دوبارہ احتجاج کرنا چاہتی تھی. لیکن حمزہ کے انداز سے اسے لگا یہ بات ابھی دبا دینی چاہیئے. اور اس نے فرمانبردار بیوی کی طرح حمزہ کے ہاتھ سے مینیو کارڈ لیا. اور دو فوڈ آئٹمز پر انگلی رکھ کر ہاتھ پیچھے کھینچ لیا.

حمزہ نے کارڈ اٹھایا. اور ایک دو اور ڈشز کا نام نوٹ کروایا. حیا کو حمزہ کا یوں اس کے ساتھ بے تکلف ہونا کھٹک رہا تھا. وہ اتنا سویٹ تھا نہیں جتنا بن رہا تھا.

کھانا کھاتے اور گھر واپس آنے تک چار بج چکے تھے.

گیٹ علی نے کھولا تھا. وہ حیا سے پہلی بار مل رہا تھا.

"اسلام علیکم بھابھی. "علی نے اپنائیت سے کہا. حیا نے بس مسکرانے پر اکتفا کیا.

"مجھے شاید آپ نہیں جانتی. میں حمزہ کا دوست ہوں. "

"تو نے بھابھی کو میرا تو نہیں بتایا ہوگا. "اپنا تعارف کروانے کے بعد علی نے حمزہ سے شکوہ کیا.

"بھول گیا. "حمزہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے معذرت چاہی.

"نائس ٹو میٹ یو علی. "حیا کو نیند آرہی تھی. وہ دونوں کو وہیں چھوڑ کر اندر چلی گئ.

"کیا بات ہے باس. ڈنر ونر. ہاں" علی نے حمزہ کو چھیڑا.

"ہاں تو. بھوک لگی تھی اسے. فریحہ نے جو اسے ڈرا کر وہاں رکھا ہوا تھا. بے چاری. "حمزہ نے بات کور کرنے کے لیے فریحہ کو بیچ میں گھسیٹا.

"بتایا اس نے مجھے تو نے کیا کروایا اس سے. شرم تو نہیں آتی تجھے. میری معصوم بیوی کو ولن بنا دیا. "علی نے اس کے سینے پر مکا مارا.

"جاہل انسان. درد ہوتا ہے. "حمزہ نے اپنے سینے کو سہلایا.

"میرے یار. "علی نے حمزہ کو اپنے بازوؤں میں بھینچا. وہ تھوڑی دیر پہلے تک اس نکاح کو لے کر پریشان تھا. اب حیا سے مل کر قدرے مطمئن اور حمزہ کے لیے خوش تھا.

"کیا ہو گیا ہے تجھے. "حمزہ نے جواباً اپنے بازو اس کے گرد باندھے.

"خوش ہے تیرا بھائی. اور کیا ہونا ہے. "وہ پیچھے ہوا.

"تجھے کس نے بتایا ہم ڈنر کے لیے گئے تھے. تو نے میرے پیچھے بندے لگائے ہوئے ہیں؟ "حمزہ نے مشکوک انداز میں علی کو دیکھا.

"اوئے نہیں یار! تجھے کیا لگا. تو مجھے چھوڑ کر اب بھابھی کو لے کر جائے گا تو مجھے پتا نہیں چلے گا؟ ہماری بھی کوئی پہنچ ہے بھئی. "علی نے اپنا کالر پکڑا.

حمزہ نے اس کے انداز پر بے ساختہ قہقہہ لگایا. اور دونوں اندر کی طرف بڑھ گئے.

علی حمزہ کے ساتھ اس کے روم میں تھا. جبکہ حیا کو نیچے الگ کمرہ دے دیا گیا تھا. حمزہ کے کہنے پر کمرے میں حیا کی ضرورت کے مطابق سب کچھ بی اماں نے رکھ دیا تھا. حیا کو تو رہنے سے غرض تھی. پھر چاہے کمرہ جیسا بھی ہو. حمزہ

حیا کو لے کر کافی پریشان تھا. وہ جلد از جلد حیا کو اس کے والد کے انتقال کا بتا دینا چاہتا تھا. لیکن اسے مناسب الفاظ نہیں مل رہے تھے.

"یہ موت بھی زندگی کی عجیب حقیقت ہے. جن کے بغیر ہم جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتے. وہ ہمیں چھوڑ کر منوں مٹی تلے سو جاتے ہیں. ہمیں چھوڑ کر چلے جاتے ہیں."

بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے وہ علی سے کہہ رہا تھا.

"اب تو کیوں پریشان ہے." علی پچھلے آدھے گھنٹے سے اس کی ایسی ہی باتیں سن رہا تھا.

"یار. میں حیا کو کیسے بتاؤں. مجھے اس کے ری ایکشن سے ڈر لگتا ہے."

"حمزہ تو ڈرپوک تو نہیں تھا. اب تجھے کیا ہو گیا ہے."

"مجھ سے یہ موت کی خبریں نہیں سنائی جاتی." حمزہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا.

"میں بتا دوں؟" علی نے اجازت طلب نظروں سے حمزہ کو دیکھا.

"یا فریحہ سے کہہ دوں؟" جب حمزہ کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا تو اسنے دوسری رائے دی.

"نہیں. میں خود اسے بتاؤں گا."

"یہ ہی بہتر رہے گا." علی نے اثبات میں سر ہلایا.

صبح کا ا بج رہا تھا. حیا اب تک سو رہی تھی. حمزہ ابھی باہر سے آیا تھا. علی فریحہ کو لینے گھر گیا تھا.

لڑکے مختلف کام نمٹاتے خوش گپیوں میں مصروف تھے. شیری سب کو. اپنے سنجیدہ انداز میں چٹکلے سنا کر داد وصول کر رہا تھا.

"سر اب تو بھابھی سے ملوا دیں." شیری نے حمزہ کو دیکھتے ہی ساتویں بار فرمائش کی.

"بتایا تو سو رہی ہے۔ "حمزہ نے اب کے شیری کی ڈھٹائی پر اسے گھورا۔ وہ جب سے آیا تھا یہ ہی رٹ لگائے بیٹھا تھا۔ شیری سب کا لاڈلا ہونے کے ساتھ حمزہ کا چہیتا بھی تھا۔ شیری کا اس دنیا میں کوئی نہیں تھا۔ ماں باپ تھے جو ایک حادثے میں وفات پا گئے تھے۔ وہ اکلوتا تھا۔ در بدر کی ٹھوکریں کھاتا ایک خطرناک گینگ کے ہتھے چڑھ گیا تھا۔ ابھی اسے وہاں دو دن بمشکل ہوئے تھے کہ حمزہ اسکواڈ نے ائیریا پر ریڈ کروا دیا۔ تفتیش میں واضح ہوا کہ شیری کو وہاں آئے محض دو دن ہوئے تھے۔ حمزہ نے آئی جی سے ریکویسٹ کر کے شیری کو اپنے زیر سایہ لیا۔ بقول شیری کے حمزہ نے سترہ سالہ شیری کو اڈاپٹ کر لیا۔ اسے شیری میں ایک قابل شخصیت دکھتی تھی۔ یہ بھی شیری کا ہی کہنا تھا۔ حمزہ کی شیری پر تمام تر عنایتوں کی وجہ سے سب اسے سن آف حمزہ بلاتے تھے۔ گو کہ حمزہ اور شیری کی عمر میں چھ سات سال سے زیادہ کا فرق نہیں تھا۔ لیکن ذاتی اور پروفیشنل زندگی کے تجربے نے حمزہ کو واقعی وقت سے پہلے بڑا کر دیا تھا۔

اس کی شخصیت میں سنجیدگی اور ٹھہراؤ آ گیا تھا۔

فریحہ آ چکی تھی۔ گھر میں اب شادی کا سماں لگ رہا تھا۔ ہال میں سب محفل جمائے بیٹھے تھے۔

حیا کمرے سے باہر نکلی۔ مگر اتنے لوگوں کو دیکھ کر وہ دوبارہ اندر چلی گئی۔

حمزہ نے اسے دروازے سے واپس جاتے دیکھ لیا تھا۔ وہ اس کے پیچھے کمرے میں آیا۔

"سات بجے ریسیپشن ہے۔ اسی سلسلے میں سب آئے ہوئے ہیں۔ تم فریش ہو جاؤ۔ وہ سب تم سے ملنا چاہتے ہیں۔ صبح سے تمہارا پوچھ رہے ہیں۔"

"میں ان کو نہیں جانتی۔ "حیا پہلی بار میں حمزہ کی بات مان جائے ایسا کیسے ہو سکتا تھا۔ حمزہ چل کر اس کے سامنے آ گیا۔

"تو جان جاؤ گی۔ یہ ہی میری فیملی ہے حیا۔ اور اب تمہاری بھی۔ میں دو دن یہاں ہوتا ہوں چھ دن نہیں ہوتا۔ میرے بعد یہ ہی تمہارا خیال رکھیں گے۔ "حمزہ نے باہر بیٹھے لوگوں کا بہترین تعارف کروایا تھا۔

"کیوں مجھے ہر چیز کے لیے فورس کرتے ہو تم. تمہاری فیملی ہے تو تم ملو. میں کسی سے نہیں ملوں گی. کوئی شو پیس نہیں ہوں میں. "وہ بات غلط سمت لے کر جا رہی تھی.

حمزہ کو پہلے ہی سمجھ جانا چاہئیے تھا. وہ ایک بار کہنے سے کہاں ماننے والی تھی..

"کھڑی ہو. کھڑی ہو. "وہ چلایا.

باہر شور اتنا تھا کہ آواز کمرے سے باہر نہیں گئی.

حیا نہ چاہتے ہوئے بھی کھڑی ہو گئی. اسے حمزہ کے غصے سے ڈر لگتا تھا. وہ ایک منٹ میں آپے سے باہر ہو جاتا تھا..

اس نے حیا کا ہاتھ پکڑا اور اسے لاؤنج میں لے آیا.

"اسلام م م م م علیکم م مم مم بھاااا بھی ی ی ی ی. "

دونوں کو دیکھ کر ایک منٹ مودبانہ خاموشی چھائی رہی. اور پھر بیک وقت سکول کے بچوں کی طرح سب نے با آواز بلند سلام کیا. حیا کو عجیب لگا وہ نرسری کلاس کی ٹیچر نہیں تھی.

"ماشااللہ. ماشااللہ. "حیا نے آواز کا تعاقب کیا. یہ انیس بیس سال کا لڑکا تھا. جو صوفہ پھلانگتا ان دونوں کے سامنے آ کھڑا ہوا. آتے ہی لڑکے نے اپنا سر آگے کر دیا.

حیا ایک قدم پیچھے ہٹی.

"ارے پیار دیں. چھوٹے ہیں ہم. "وہ اور جھکا. حیا نے سوالیہ نظروں سے حمزہ کو دیکھا. وہ ابھی اتنی بڑھی تو نہیں ہوئی تھی کہ اپنے سے دو تین سال چھوٹے لڑکوں کے سر پر ہاتھ رکھتی.

"یہ شیری ہے. "حمزہ نے حیا کا ہاتھ شیری کے سر پر رکھتے ہوئے اس کا تعارف کروایا.

"شیری ی ی ی. شیری. شیری ی ی ی. شیری. "سب نے ردھم میں سر لگایا.

حیا کو ان کی دماغی حالت پر شک ہوا. تبھی فریحہ ہنستے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھی.

"برا مت ماننا. سب سے چھوٹا ہے تو نا سمجھ ہے۔" فریحہ نے شیری کے سر پر چپت رسید کی.

"اور بد تمیز بھی." یہ شیروان تھا.

شیری نے محض شیروان کو گھورنے پر اکتفا کیا. جبکہ باقی لوگ شیری کی شامت پر چہک رہے تھے.

"ہائی. آئی ایم فریحہ. نام تو سنا ہو گا" فریحہ نے آگے بڑھ کر حیا کو گلے لگایا. اسے کیسے وہ بھول سکتی تھی. جیل میں جس طرح ہر دو منٹ بعد آکر فریحہ اسے ڈرا دھمکا رہی تھی. اسے یاد تھا. حیا نے حمزہ کی طرف دیکھا.

"اپنے علی کی وائف ہے." حمزہ نے حیا کا ہاتھ اب تک پکڑا ہوا تھا.

"جی اور آپ کے کھسم کی دوست. میرا مطلب آپکے شوہر نامدار کی." ہلکے قہقہے بلند ہوئے. حیا اور حمزہ کے نکاح کی حقیقت اب سب جان چکے تھے. حمزہ نے کون سا پردہ رکھا تھا. حیا کے رات جیل میں رہنے اور وہاں ہوئے واقعات فریحہ نے چہک چہک کر سب کو بتائے تھے.

"تم مجھ سے ناراض ہو گی. پر کیا کریں مجبوری ہے. باس کا حکم ہم ٹال نہیں سکتے." فریحہ کو دیکھ کر حیا کو بالکل اچھا نہیں لگا تھا.

"پہلی ملاقات اچھے حالات میں نہیں ہوئی لیکن میں اتنی خوفناک نہیں جیسی جیل میں تم سے ملی." فریحہ تلخی کم کرنے کی کوشش کر رہی تھی. واقعی اب جس فریحہ سے وہ مل رہی تھی وہ جیل والی فریحہ سے بالکل مختلف تھی. خوش مزاج اور بالکل مختلف لب ولہجہ.

"مائی نیم از زویان." فریحہ مل کر پیچھے ہوئی تو صوفے کے بازو پر بیٹھے زویان نے ہاتھ بلند کیا.

"اینڈ آئی ایم ناٹ آ ٹیررسٹ." شیری نے بیچ میں ٹانگ اڑائی.

سب کے چہروں پر مسکراہٹ پھیل گئی.

"دس از شیروان." شیروان نے آخر میں اپنے تعارف کے لیے ہاتھ اٹھایا.

"عمر چوبیس سال. رنگ گورا. دماغی حالت ٹھیک نہیں. دو دن سے لاپتہ. جسے ملے خود ہی رکھ لے. ہمیں ضرورت نہیں. "سیل فون پر جھکے شیری نے انتہائی سنجیدہ انداز میں شیروان کو لاپتہ قرار دے دیا.

"گدھا ہے تو. "شیروان بھڑکا. لاؤنج قہقہوں سے گونجا.

حیا اب ان کی نوک جھونک انجوائے کر رہی تھی.

"تھوڑی دیر تک ہم پارلر جا رہے ہیں. تمہیں چھوڑ کر میں آ جاؤں گا. کچھ چیزیں ہیں جو مجھے یہاں دیکھنی ہیں. تم تیار ہو جانا پھر میں تمہیں لے آؤں گا. "جب سب اپنا تعارف کروا چکے تو حمزہ نے حیا کو اگلے دو گھنٹوں کا لائحہ عمل بتایا.

حمزہ حیا کو پارلر ڈراپ کر کے گھر آ گیا تھا. فریحہ نے پارلر کی اونر کو پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا. جب تک حیا کو گھر سے کوئی لینے نہ آئے وہ اسے جانے نہ دیں.

گھر میں بھی سب تیاریاں مکمل تھی. فریحہ نے سب کام لڑکوں میں بانٹ دیا تھا. کیٹرنگ کے لیے عنایا سے کہا گیا تھا.. عنایا اور سمایا دونوں بہنیں حمزہ کی ہی بارہ رکنی ٹیم کا حصہ تھی. عنایا نے چھ ماہ قبل کیٹرنگ کا بزنس شروع کیا تھا جبکہ سمایا سائیکالوجسٹ تھی. کئی اہم خفیہ مشنز میں وہ حمزہ کے ساتھ کام کر چکی تھیں.

شیری اور تراب کو مہمانوں کے استقبال اور ان کی نشستوں تک لے جانے کی ذمہ داری سونپی گئی تھی. زویان کو فوٹو گرافر کے فرائض سر انجام دینے تھے.

ٹھیک سات بجے مہمانوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا. آدھے گھنٹے پہلے فریحہ حیا کو پارلر سے لے آئی تھی. حمزہ مہمانوں سے ملنے ملانے میں مصروف تھا جب علی اسے پکڑ کر اسٹیج پر لے گیا.

"کیا کر رہا ہے تو. "حمزہ اس اچانک آفت سے کنفیوز تھا. "حیا آ رہی ہے. "علی نے سرگوشی کی.

"ہاں تو مجھے کیوں یہاں لے آیا ہے"

"مجرا کروانے۔" علی کو اندازہ نہیں تھا کہ حمزہ شادی کے معاملات میں اتنا اناڑی ہو گا۔

"یار تو حیا کو اسٹیج پر رسیو کرے گا۔" علی نے وضاحت کی۔

حمزہ نے آنکھیں سکیڑی۔

"ایک دن میں بدل گئے ہو تم سب۔ مجھے تو کسی نے رسیو نہیں کیا تھا۔"

"دیکھ یار۔ تو جان ہے اپنی۔ اور حیا ہماری جان کی جان ہے۔ تو اس کا اتنا بنتا۔" علی نے حمزہ کو چھیڑا۔

"خدا کا خوف کرو تم۔" حمزہ نے اسے جواباً گھورا۔

"اچھا چل موڈ نہ خراب کر۔ کسی وقت تو خوش ہو جایا کر۔" علی نے مصنوعی خفگی دکھائی۔ تبھی حمزہ کی نظر اینٹر ینس سے آتی فریحہ اور اس کے ساتھ سر جھکائے چلتی حیا پر پڑی۔ سلور کرتی اور رائیل بلیو لہنگے میں وہ گریس فل لگ رہی تھی۔ حمزہ کو ایک منٹ کے لیے اپنا دل تھمتا محسوس ہوا۔

"شی از پریٹی۔" کسی نے حمزہ کے کان میں سر گوشی کی تھی۔

"یس شی از" بے دھیانی میں حمزہ کے منہ سے نکلا۔ جب اسے زرا ہوش آیا تو اس نے مڑ کر کہنے والے کو دیکھا۔ وہ شیری تھا۔ جو اپنی ہنسی روکنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔

"ہولڈ دی ہینڈ آف دی برائڈ۔" اس سے پہلے کہ حمزہ کچھ کہتا فریحہ کی آواز پر وہ پیچھے مڑا۔

حیا نے بے تاثر چہرے سے حمزہ کو دیکھا۔ بلیو پینٹ کوٹ پہنے وہ جینٹل مین لگ رہا تھا۔ حمزہ نے اپنے ہونٹوں کو کھینچ کر خوبصورت مسکراہٹ حیا کی طرف اچھالی۔ اور ہاتھ آگے بڑھایا۔ حیا کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ وہ پھر اپنا دل باہر کھنچتا محسوس کر رہی تھی۔

"کم آن بھابھی۔" پیچھے سے شور سنائی دیا۔ اور حیا نے اپنا ہاتھ اپنی مرضی سے حمزہ کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"یاہووو۔۔" ہر طرف ہوٹنگ اور تالیوں کی آواز تھی۔

حیااب حمزہ کے برابر کرسی پر بیٹھی تھی. دونوں کو اسٹیج پر چھوڑ کر سب لوگ اپنی اپنی نشستوں کی جانب بڑھے.

مہمانوں سے ملنے ملانے کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوا. اب کہ وہ حیا کو اپنے مہمانوں سے متعارف کروا رہا تھا.

وہ اس کے کالج میں اس کے ساتھ پڑھتی تھی. اور اب انہوں نے اس دوستی کو خوبصورت رشتے میں بدل دیا تھا. یہ ہی کہانی وہ ہر مہمان کو سنا رہا تھا.

حیا کا دایاں ہاتھ اب بھی حمزہ کے ہاتھ میں تھا.

"اچھی لگ رہی ہو. "حمزہ نے حیا کی طرف دیکھے بغیر سرگوشی کی.

حیا اس تعریف کی توقع نہیں کر رہی تھی. وہ اب پہلے کی طرح اسے اذیت دینے کی کوشش نہیں کرتا تھا. وہ بدل رہا تھا. اور یہ ہی بات حیا کو کھٹک رہی تھی.

"ایسا علی کہہ رہا تھا. "حمزہ نے حیا کو دیکھتے ہوئے بات مکمل کی. حیا نے آنکھیں گھمائی.

"ایسی زبردست تصویریں کلک کر کے لایا ہوں. کہ بھائی کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکو گے. "زویان نے اپنی کرسی سنبھالتے ہوئے اپنی تعریف کی.

"دکھا. "شیری جو اس کے برابر والی نشست پر بیٹھا تھا آگے ہوا.

یہ حمزہ اور حیا کی تصویریں تھی. جس میں حمزہ حیا کا ہاتھ تھامے اس کی طرف دیکھ رہا تھا. یہ تصویریں ابھی رینڈملی زویان نے لی تھیں.

"استغفر اللہ!"شیری نے کانوں کو ہاتھ لگایا.

"ایسی تصویریں دکھانے سے پہلے یہ بھی نہیں سوچا کہ بچے کے دماغ پر کیا اثر پڑے گا. "شیری نے خود کو بچہ کہا تھا.

"ہاں ابھی تھوڑی دیر تک فریحہ باجی تیرے لیے فیڈر بنا کر لائیں گی۔"شیروان نے فریحہ کی طرف اشارہ کیا۔فریحہ مسکرائی۔

"فریحہ باجی اس سے پوچھیں زرا۔سارادن یہ سیل میں سر جھکائے کون سے بیان سنتا رہتا ہے۔"شیروان اب کہاں رکنے والا تھا۔

"ہاں اور یہ بھی پوچھیں کہ وہ لڑکی کون ہے جس کا نمبر اس نے چوہدری بشیر کے نام سے سیو کیا ہوا ہے۔"زویان نے جلتی پر تیل ڈالا۔

شیری کا پول کھل گیا تھا۔فریحہ اپنے سیل پر مصروف ان کی باتوں سے محفوظ ہو رہی تھی۔

"استغفر اللہ۔استغفر اللہ۔اللہ معاف کرے۔"شیری نے باقاعدہ افسوس کیا۔

"وہ میری بہنوں جیسی گرل فرینڈ ہے۔"شیری نے انتہائی بے ہودہ رشتہ بتایا۔سب لوگ ہنس کے لوٹ پوٹ ہو رہے تھے۔

"شیری باز آجاؤ۔"فریحہ نے فون سائڈ پر رکھتے ہوئے اسے تنبیہ کی۔شیری نے معصوم شکل بنائی۔

"جس سے شادی کرنی ہو۔اس کو بہن نہیں کہتے گدھے۔"شیروان نے شیری کی کھنچائی کی۔

"تو آپکو کس نے کہا میں اس سے شادی کر رہا ہوں۔"شیری نے نہایت مہذب طریقے سے شیروان کو تاڑا۔

"شادی تو میں حمزہ سر کی پسند کی لڑکی سے کروں گا۔"شیری نے اسٹیج پر بیٹھے حمزہ کو دیکھا۔وہ کسی مہمان سے باتیں کر رہا تھا۔

"آآآآ..سوسویٹ۔"زویان اور شیروان نے ایک ساتھ کہا۔شیری نے منہ بنایا۔

"فریحہ بات سنو زرا۔" تبھی وہاں علی نمودار ہوا۔اس کے ساتھ عنایا اور سمایا بھی تھی۔وہ دونوں وہیں میز کے گرد بیٹھ گئیں۔فریحہ اٹھ کر چلی گئی تھی۔

"بڑے بڑے لوگ آئے ہیں." شیر وان نے سمایا کو دیکھ کر ہاتھ ہوا میں بلند کیا.

"یہ بندی تو جا کر بھول ہی گئی." زویان نے بھی شیر وان کی حمایت کی.

"اتنے ماہ بعد تم لوگوں سے مل کر بہت اچھا لگ رہا ہے." سمایا ایموشنل ہو رہی تھی.

"شیری تو نے بتایا نہیں سمایا آگئی ہے." زویان نے شیری سے اس کی بیسٹ فرینڈ کے بارے میں پوچھا.

"میں اس کا پی اے ہوں؟" شیری کا لہجہ سخت تھا.

"بائی دی وے عنایا کہاں تھی تم. زویان تمہیں کب سے میسج کر رہا تھا." شیری نے سب کا دھیان سمایا سے ہٹایا.

عنایا کے گال سرخ ہوئے.

"تجھے کس نے کہا میں اسے میسج کر رہا تھا." زویان بگڑا.

"ابھی جب تو بیٹھا واٹس ایپ پر اسے میسج کر رہا تھا میں نے دیکھا. وہ جانو والا نمبر عنایا کا نہیں ہے؟ مجھے لگا." شیری نے کندھے اچکائے.

زویان کا دل چاہا زمین پھٹے اور وہ اس میں گڑ جائے.. عنایا کا حال بھی اس سے اچھا نہیں تھا. سب کی نظریں دونوں پر تھیں.

"شیری ی ی. وہ جانو نہیں جہانزیب تھا." زویان نے چبا کر کہا.

"اچھا تصویر تو مجھے عنایا کی لگ رہی تھی. خیر انسان ہوں. ہو سکتا ہے میں نے غلط دیکھا ہو." وہ اب بھی بضد تھا.

زویان نے سوچا نہیں تھا. ٹیبل سے اٹھنے سے پہلے ہی شیری اس سے اپنا بدلہ لے لے گا.

"خیر یو ر پرسنل میٹر." شیری آگ لگا چکا تھا. اس نے پاس سے گزرتے ویٹر کو جوس ری فل کا اشارہ کیا.

تبھی سمایا کا فون بجا. وہ فون رسیو کرنے کے لیے کھڑی ہوئی بے دھیانی میں اس کا بازو ویٹر کے ہاتھ سے ٹکرایا اور جوس شیری کے ڈریس پر گر گیا.

"سوری. ایم سوری.. "وہ شرمندہ تھی.

"واٹ سوری. "شیری غصے سے کھڑا ہو گیا.

"اگر نظر نہیں آتا تو آنکھیں دکھاؤ کہیں. "شیری اپنے مزاج کے بر خلاف بی ہیو کر رہا تھا. اسے ایسے چیختے پہلے کسی نے نہیں دیکھا تھا.

"کیا ہو گیا ہے شیری. اس نے جان بوجھ کر نہیں گرایا. "زویان اور شیروان بھی کھڑے ہو گئے تھے.

"لوگوں کو عادت ہے. سب کچھ کر کے انجان بن جانے کی "شیری نے سمایا کو دیکھتے ہوئے چبا کر کہا.

"شیری بس کر اب "شیروان آگے بڑھا.

"آئی ڈونٹ وانٹ ٹو ڈسکس دس شٹ. "وہ کپڑے جھاڑتا لان کراس کر کے اندر چلا گیا تھا.

شیری کے اس رویے پر سب حیران تھے. سمایا وہاں سے ہٹ کر اسٹیج پر چلی گئی.

"اسلام علیکم!"سمایا نے حیا سے ہاتھ ملایا. اور بیٹھتے ہوئے حیا کا ہاتھ اپنے ہونٹوں سے لگایا. حیا کے لیے یہ عجیب لیکن سویٹ جیسچر تھا.

اس چھوٹی سی لڑکی نے اپنی اس حرکت سے حیا کا دل موہ لیا تھا. گہری مسکراہٹ حیا کے چہرے پر پھیلی.

حمزہ کچھ دیر پہلے وہاں سے اٹھ کر گیا تھا. وہ وہاں پر سکون نہیں تھا..

"میں سمایا. حمزہ سر کے ساتھ ہی کام کرتی ہوں. پچھلے چار ماہ سے میں ایک ورکشاپ کے سلسلے میں ترکی تھی. ابھی چند دن پہلے ہی واپس آئی ہوں. "وہ اپنا تعارف کروا رہی تھی.

تھوڑی دیر میں ہی حیا اور سمایا میں اچھی خاصی دوستی ہو گئی تھی.

"ارے سمایا. واٹ آ پلیزنٹ سرپرائز. "حمزہ کو دیکھ کر سمایا کھڑی ہو گئی. حمزہ نے بڑے بھائی کی طرح اس کے سر پر ہاتھ رکھا.

"چلو کھانا کھالو تم بھی۔ وہ تھرڈ ٹیبل پر شیری لوگ کھڑے ہیں۔ "حمزہ نے ایک طرف اشارہ کیا۔

"حمزہ بھائی میں یہیں ٹھیک ہوں۔ "شیری کے نام پر سمایا نے وہیں رک جانا مناسب سمجھا۔

"اچھا یوں کرو۔ یہیں منگوالو۔ حیا بھی تمہارے ساتھ کھالے گی۔ "حمزہ نے مشورہ دیا جو حیا اور سمایا دونوں کو پسند آیا تھا۔ حمزہ نے ویٹر سے کہہ کر دولوگوں کا کھانا اسٹیج پر منگوا دیا تھا۔ وہ خود جا کر علی کے ساتھ بیٹھ گیا۔ اسی ٹیبل پر فریحہ، شیری اور شیروان بیٹھے تھے۔

"کیا بات ہے۔ اتنی خاموشی کیوں ہے۔ "حمزہ نے پلیٹ میں چاول ڈالتے ہوئے پوچھا۔

علی نے شیری کی طرف اشارہ کیا۔ جو سر جھکائے خاموشی سے کھانا کھا رہا تھا۔

حمزہ کچھ دیر پہلے ہوئے ہنگامے کے بارے میں جان چکا تھا۔ تبھی اس نے سمایا کو بھی فورس نہیں کیا تھا۔

"شیری تم رات یہیں رکو گے؟ "حمزہ نے اسے مخاطب کیا۔

"نہیں سر۔ شیروان اور زویان کے ساتھ جاؤں گا۔ "اس کا موڈ خراب تھا۔

"اچھا جانے سے پہلے مجھے مل کر جانا۔ "حمزہ نے اسے حکم دیا۔ وہ خاموش رہا۔

گیارہ بج رہے تھے۔ جب لوگوں کے جانے کا سلسلہ شروع ہوا۔

"ماشااللہ یو گائز لک بیوٹیفل ٹوگیدر۔ "

"میڈ فار ایچ ادھر۔ "

"اللہ بری نظر سے بچائے۔ "

"پرفیکٹ کپل "

اور ایسے بہت سے الفاظ مہمانوں نے حمزہ اور حیا کی نظر کیے تھے۔

سب مہمان جا چکے تھے. فریحہ کی نائٹ ڈیوٹی تھی. علی اسے لے کر گھر گیا تھا. زویان اور شیر وان بھی نکلنے کا سوچ رہے تھے.

سمایا اور عنایا حمزہ کے کمرے میں حیا کے ساتھ بیٹھی گپیں لگا رہی تھیں. حیا اب کسی حد تک اس گھر کو لے کر مطمئن تھی. یہ کوئی جال نہیں تھا. گھر تھا. جہاں اس کو چاہنے والے لوگ تھے. اور ایک فیملی تھی. حمزہ کی فیملی.

وہ خوش گپیوں میں مصروف تھے جب عنایا کا فون بجا. دوسری طرف زویان تھا.

"بھابھی ہم چلتے ہیں زویان جاتا ہوا ہمیں چھوڑ دے گا." عنایا نے فون بند کرتے ہوئے اجازت چاہی.

"پھر کب آؤ گی." حیا کو ان کے ساتھ اچھا لگ رہا تھا.

"دوستی کی ہے تو نبھانی تو پڑے گی." سمایا نے حیا کو گلے لگایا.

تھوڑی دیر بعد وہ کمرے میں اکیلی تھی.

"حیا تمھیں ایک بات بتانی ہے." حمزہ کمرے میں آیا. وہ اپنے اوپر سے یہ بوجھ جلد از جلد اتار دینا چاہتا تھا.

"زندگی اسی کا نام ہے حیا. ہمارے اپنے ہمیں چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور ہم کچھ نہیں کر پاتے." وہ مناسب الفاظ ڈھونڈ رہا تھا. وہ سوالیہ نظروں سے حمزہ کو دیکھ رہی تھی.

"مجھے سمجھ نہیں آ رہا کیسے تمھیں بتاؤں. تم سٹرونگ ہو. لیکن خبر جان لیوا ہے. علی نے بتایا کہ تمھارے بابا تمھارے یوں غائب ہو جانے کا صدمہ برداشت نہیں کر سکے اور وہ اب اس دنیا میں نہیں رہے." آخری الفاظ اس نے دھیرے سے ادا کیے.

وہ تھوڑی دیر یوں ہی بت بنے کھڑی رہی. پھر حمزہ کو صرف اس کی چیخیں سنائی دی. وہ رو رہی تھی. چلا رہی تھی. اپنے آپ کو نوچ رہی تھی. حمزہ چاہ کر بھی آگے قدم نہیں بڑھا پا رہا تھا. وہ اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لینا چاہتا تھا.

لیکن اس کا جسم ساتھ نہیں دے رہا تھا. وہ اسے تسلی دینا چاہتا تھا. زبان سے الفاظ ادا نہیں ہو رہے تھے. کئی لمحے وہ یوں ہی کھڑا اسے چیختے چلاتے سنتا رہا. یہ اعصاب کی جنگ تھی.

"حیا." حمزہ نے پوری قوت سے اس کا نام پکارا. وہ سیڑھیوں پر کھڑی تھی جب اس نے حمزہ کو اس کا نام پکارتے سنا.

حمزہ صوفے پر پسینے میں شرابور بیٹھا تھا. وہ محض خواب تھا. حمزہ نے اپنا سر ہاتھوں میں گرایا.

"پانی." حیا کی آواز پر حمزہ نے سر اٹھایا.

"بیٹھو مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے." حیا کے ہاتھ سے گلاس لیتے ہوئے حمزہ نے کہا.

ایک سانس میں پانی اندر انڈیلتے حمزہ نے گلاس میں سے حیا کو دیکھا. اس کے چہرے پر تھکاوٹ تھی. حمزہ نے گلاس سامنے ٹیبل پر رکھا اور حیا کی طرف متوجہ ہوا.

"حیا! میں جانتا ہوں تمہارے لیے مشکل ہو گا. لیکن بہتری اسی میں ہے کہ تمہیں سچ پتا ہو. تمہارے بابا اب اس دنیا میں نہیں ہیں." حمزہ اس کے چہرے کے تاثرات دیکھنے کے لیے رکا. وہاں کچھ بھی نہیں تھا. وہ خاموش بیٹھی رہی.

"حیا کچھ تو کہو." جب اس نے کوئی ری ایکشن نہیں دیا تو حمزہ نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا.

"مجھے پتا ہے ایک بیٹی کے لیے یہ تکلیف دہ ہے. پر موت کہاں دیکھ کر آتی ہے."

حیا بس بت بنے بیٹھی رہی.

"حیا کچھ تو بولو." حمزہ جو اس کے رونے سے چیخنے چلانے سے ڈر رہا تھا. اب حیا کی خاموشی اسے چبھ رہی تھی. وہ بغیر کچھ کہے اٹھ کر سیڑھیاں چڑھتے حمزہ کے روم میں چلی گئی. حمزہ اسے جاتا دیکھتا رہا. دروازہ بند ہو گیا تھا. لیکن حمزہ نے نظریں نہیں ہٹائی تھیں.

رات کے دو بج رہے تھے جب وہ کمرے میں داخل ہوا. حیا صوفے سے ٹیک لگائے دونوں ٹانگوں کے گرد اپنے بازو باندھے فرش پر کسی ان دیکھی چیز کو گھور رہی تھی.

حمزہ اس کے ساتھ ہی فرش پر بیٹھ گیا. اس کے پاس تسلی دینے کو الفاظ نہیں تھے. وہ تو آج تک خود اپنے لوگوں کے چلے جانے کی جنگ لڑ رہا تھا.

کافی دیر دونوں یوں ہی خاموش بیٹھے رہے.

"حیا یوں چپ مت رہو." حمزہ کو حیا کی خاموشی تکلیف دے رہی تھی.

حیا کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا. ماں کے جانے کے بعد اس کا باپ ہی تو تھا. وہ بھی نہیں رہا تھا. بھائیوں نے تو کبھی مڑ کر پوچھا بھی نہیں تھا. اب وہ اکیلی تھی. اس کا کوئی بھی نہیں تھا. وہ رونا چاہتی تھی. چیخنا چاہتی تھی. کوئی کندھا میسر نہیں تھا. کوئی نہیں تھا جس کے گلے لگ کر وہ روتی.

جب کافی دیر حیا کچھ نہیں بولی. تو حمزہ نے اپنا بازو اس کے گرد لپیٹا. حیا سوچوں سے باہر نکل آئی. کوئی تھا اس کے پاس. اسے احساس ہوا.

ایک آنسو اس کی آنکھ سے گرا. اور اس کے بعد آنسوؤں کی لڑی لگ گئی. کمرے میں اب ہلکی سسکیاں سنائی دے رہیں تھی. حمزہ نے اسے چپ نہیں کروایا. وہ چاہتا تھا وہ اپنے دل کا سارا غبار آنسوؤں میں نکال دے. جب وہ رو رو کر تھک گئی تو اپنا سر اس نے حمزہ کے کندھے پر گرا دیا. حمزہ کی آنکھیں بند تھیں اور بند آنکھوں سے ہی اس نے اپنا بازو پھیلاتے ہوئے اسے اپنے اور قریب کر لیا تھا. اسے الفاظ کا چناؤ نہیں آتا تھا. لیکن وہ اپنے ایکشن سے اسے جتا دینا چاہتا تھا کہ وہ اکیلی نہیں ہے.

شیری, عنایا, شیر وان اور سمایا زویان کے ساتھ گھر جا رہے تھے. گاڑی میں انگلش سانگ لگا ہوا تھا.

And promise me this

You will wait for me only

Scared of the lonely arms

زویان کے ساتھ عنایا بیٹھی تھی. زویان کے پچھلی سیٹ پر سمایا شیر وان اور اس کے ساتھ شیر ی بیٹھا تھا.

"یار کوئی مزے کا گانا لگادو."شیر ی بور ہوتے ہوئے سیٹ پر نیچے کو کھسکا.

میرا دل یار کا دیوانہ. دیوانہ پیار کا پروانہ

جب انہوں نے شیر ی کی بات پر دھیان نہیں دیا تو اس نے اپنا سر لگایا. شیر وان فیس بک سکرول کر رہا تھا جب شیر ی سیدھا ہو کر بیٹھا.

آتا ہے مجھکو. پیار میں جل جانا.

شیر ی نے ایک انگلی شیر وان کی کنپٹی پر رکھتے ہوئے لکیر کھینچی.

"کیا کر رہا ہے تو."شیر وان نے اس کا ہاتھ جھٹکا.

"پیار کر رہا ہوں."شیر ی نے اس کو سیر یس نہیں لیا اور دوبارہ گنگناتے ہوئے شیر وان کے منہ پر ہاتھ پھیرا.

"کیا ہے."شیر وان اب ہنستے ہوئے رویا.

سب اس دلچسپ سچویشن سے لطف اندوز ہو رہے تھے.

"رات ہے. تم ہو. اور میں ہوں."شیر ی نے شیر وان کا کالر پکڑ کر کھینچا.. پچھلے چند گھنٹے جو اس کا موڈ خراب رہا تھا وہ اس کی کسر پوری کر رہا تھا.

"زویان گاڑی روک. نیچے اتار مجھے."شیر وان اب زچ آ گیا تھا. سب کا ہنس ہنس کے برا حال تھا.

"تجھے تو نہیں البتہ شیر ی ضرور آج رات یہیں سڑک پر گزارنے والا ہے."زویان نے شیر ی کو اتار دینے کی دھمکی دی.

شیر ی نے منہ بنا کر زویان کو دیکھا.

"ویسے زویان کھانا لگنے کے بعد تم کہاں تھے. نظر نہیں آرہے تھے."کچھ منٹ کی خاموشی کے بعد شیری نے کھڑکی سے باہر اندھیرے میں دیکھتے ہوئے زویان کو سنجیدگی سے پوچھا.

"وہیں تھا میں. پیچھے.. دوسرے.. دوسرے ٹیبل پر اپنے وہ. وہ حیات صاحب ہیں نا. ان کے ساتھ ہی کھڑا تھا بس. "زویان نے اٹکتے ہوئے کہا.

"اوہ اچھا. میں نے کچن میں کسی کے ہنسنے کی آواز سنی. کوئی لڑکی بھی تھی شاید.. ہو سکتا ہے میرا وہم ہو."شیری نے اسے باور کروایا کہ وہ ان دونوں کو کچن میں کھانا کھاتے دیکھ چکا ہے.

زویان نے جھٹکے سے بریک لگائی. اور اپنے سر پر ہاتھ مارا. شیر وان نے سیل جیب میں ڈالا. اب یہ گفتگو اس کے لیے دلچسپ تھی. سمایا خاموش کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی.

"شیری ی ی ی.. میرے بھائی."یہ عنایا تھی.

"جی بھائی کی بہن."اب شیری کے مطلب کی بات ہونے والی تھی. وہ آگے کو جھکا.

"تم حمزہ سر کو کچھ مت بتانا پلیز."اس نے ریکویسٹ کی.

"ارے نہیں یار. کیا ہو گیا ہے."اب گیم شیری کے ہاتھ میں تھی.

"بس اگرر."شیری نے زویان کو ہاتھ ملتے ہوئے دیکھا.

"کیا."زویان نے اسے گھورا.

"اگر زویان میری پسند کا گانا لگا دے. اور میرے اور شیر وان کے بیچ میں نہ آئے تو."شیری نے شیر وان کے بازو پر اپنی انگلیوں سے ٹرین چلائی.

"پیچھے دفع ہو."شیر وان ایک انچ پیچھے ہوا. سمایا نے اپنی ہنسی بمشکل روکی.

"شیری کم از کم لڑکیوں کا خیال کر لو."زویان نے اسے روکنے کی کوشش کی.

"اممم. اچھا ایک منٹ." شیری نے اپنے فون پر حمزہ کا نمبر ملایا اور سیل کان پر لگایا.

"اچھا نہیں کہوں گا کچھ. تم جو مرضی کرو." زویان نے فوراً شیری کا کہا ہوا گانا لگایا.

"کیا مطلب جو مرضی کرو." شیروان نے احتجاج کیا.

یہ میرا دل یار کا دیوانہ. دیوانے پیار کا پروانہ.

شیری شیروان کے گال پر کس کرنے کے لیے آگے ہوا.

"ماما." شیروان تقریباً رو دینے کو تھا.

"کھسروں کے ساتھ ناچ ناچ کے تو خود بھی کھسرا بن گیا ہے. جا جا کر اپنا چیک اپ کروا." شیروان اب ہاتھا پائی پر اتر آیا تھا.

سب ہنسی سے دہرے ہوئے جا رہے تھے.

عنایا اور سمایا کا گھر آ گیا تھا. دونوں زویان کا شکریہ ادا کرتی گاڑی سے نیچے اتری.

"عنایا! گھر جا کر زویان تمہیں کال کرے گا." شیری نے شیشہ نیچے کر کے عنایا کو آواز لگائی. وہ اندر چلی گئی تھی.

زویان نے اس وقت کو کوسا جب اس نے شیری کے ساتھ بیٹھ کر عنایا کو میسج کیا تھا.

شیروان موقع غنیمت پا کر آگے زویان کے ساتھ جا کر بیٹھ گیا تھا. شیری نے بیک سیٹ پر ٹانگیں لمبی کرتے انگڑائی لی. اسے نیند آ رہی تھی.

"شیری. تو حمزہ سر کو مل کر نہیں آیا نا. انہوں نے تجھے کہا تھا." شیروان نے فون پر مصروف شیری سے پوچھا.

"ہاں کل مل لوں گا. یاد نہیں رہا مجھے." شیری نے بہانہ بنایا.

"ویسے تجھے سمایا پر یوں چلانا نہیں چاہیئے تھا.. اسے برا لگا ہو گا. اتنے مہینوں بعد تو وہ آئی تھی." شیروان نے شیری کو اس کے سمایا کے ساتھ رویے پر سمجھانا چاہا.

"میں نے اسے نہیں بلایا تھا. میری طرف سے ساری زندگی وہیں رہتی." شیری نے بازو آنکھوں پر رکھ لیا تھا.

صبح کے سات بج رہے تھے جب حیا کی آنکھ کھلی. وہ کب بیڈ پر آئی اسے یاد نہیں تھا. حیا نے کمرے میں نظر دوڑائی حمزہ وہاں نہیں تھا. لاکھ دماغ پر زور دینے کے بعد بھی آخری چیز جو حیا کو یاد تھی وہ اس کا رونا تھا. کب روتے روتے وہ سو گئی اسے یاد نہیں تھا. اور اب جب وہ اٹھی تو وہ بیڈ پر تھی.

حیا فریش ہو کر نیچے آ گئی. گھر پر کوئی نہیں تھا.

بی اماں دو دن پہلے ہی اپنے گاؤں گئی تھیں. حمزہ بھی کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا. حیا نیچے اپنے کمرے میں گئی جہاں اس کے کپڑے رکھے تھے. اس نے اپنا ایک سوٹ نکال کر بیڈ پر رکھا. یہ سفید رنگ کی شلوار قمیص تھی. قمیص کے گلے اور بارڈر پر زرد رنگ کی کڑھائی تھی. جس کے ساتھ زرد رنگ کا شفون کا دوپٹہ تھا.

حیا تیار ہو کر کچن میں چلی گئی. فریج میں ضرورت کی ہر چیز موجود تھی. حیا نے اپنے لیے ٹوسٹ بنایا. اور لاؤنج میں ٹی وی آن کر کے بیٹھ گئی.

کافی دیر یوں ہی مختلف چینل دیکھتے جب وہ تھک گئی تو اس نے ٹی وی بند کر دیا. اب وہ بیٹھی لاؤنج کا جائزہ لے رہی تھی. سامنے کچن تھا. جو اوپن تھا. اس کی سلیب کے سامنے ہی ڈائننگ ٹیبل لگا ہوا تھا. لاؤنج کے درمیان میں جدید طرز کے صوفہ پڑے تھے. دیواروں کو مختلف پینٹنگز سے سجایا گیا تھا. پہلی بار جب حیا اس گھر میں آئی تو اسے کسی حویلی کا گمان ہوا تھا. اور یہ حویلی ہی تھی جس کا فی الحال ایک مخصوص حصہ حیا نے دیکھا تھا.

کیوں نا گھر کا چکر لگایا جائے. اس نے سوچا. وہ بور ہو رہی تھی. مختلف کمروں کا چکر لگاتے وہ دوبارہ لاؤنج میں آ کر بیٹھ گئی تھی. کچھ کمروں کی حالت سے اندازہ ہو رہا تھا وہ کسی کے استعمال میں تھے. پہلا خیال جو حیا کے دماغ میں آیا وہ حمزہ کے دوست ہی تھے. پھر وہ حمزہ کے کمرے میں گئی. دروازہ کھولتے ہی سامنے قد آور بیڈ پڑا تھا. ایک طرف صوفہ پڑا تھا. دروازے کے ساتھ والی دیوار پر ایل ای ڈی لگی تھی. اسی دیوار میں آگے واش روم کا دروازہ تھا. یہیں

سے ایک حصہ بالکونی میں کھلتا تھا. جہاں نیچے لان تھا. یہ حمزہ کی پسندیدہ جگہ تھی. ابیڈ کے اوپر دیوار پر حمزہ کی بڑی سی تصویر لگی تھی. حیانے پہلی بار حمزہ کو ساکت دیکھا تھا. ہلکے بھورے بال جو اوپر کو اٹھے ہوئے تھے. گندمی رنگت, گہری بھنوؤں کے نیچے بھوری چھوٹی آنکھیں. باریک ہونٹ جو سختی سے بھینچے ہوئے تھے. چہرے پر ہلکے بال تھے جو اس کو مزید پر کشش بنا رہے تھے.

تصویر کے نیچے ایک کونے میں انگریزی میں کچھ لکھا تھا. حیا پڑھنے کے لیے تصویر کے پاس گئی.

.Hate me. Because I hate myself

حیانے عبارت پڑھی.

"مجھ سے نفرت کرو. کیونکہ میں خود سے نفرت کرتا ہوں." حیانے اس کا اردو ترجمہ کیا. کوئی کیوں چاہے گا اس سے نفرت کی جائے. حیانے سوچا.

"ہم اپنے پلان میں کامیاب رہے ہیں. پچھلے ہفتے جہاں ہم نے ریڈ کروایا وہ ائیریا اب کلئیر ہے. بہت سی معصوم لڑکیاں جن کو وہاں زبردستی رکھا گیا تھا ان کو بازیاب کروالیا گیا تھا. حالات کے پیش نظر ان کے گھر والوں سے ہمیں تعاون کی امید نہیں تھی. اس لیے ان لڑکیوں کو پوچھ گچھ کے بعد دارالامان بھجوادیا گیا تھا."

یہ علی تھا. جو کھڑا سب کو بریف کر رہا تھا. حمزہ کانفرنس ٹیبل کے گرد سامنے کرسی پر بیٹھا آنکھیں سکیڑے بغور سن رہا تھا. اس نے کالی ٹی شرٹ اور اس پر سفید بلیزر پہنا ہوا تھا. آنکھیں بتا رہی تھیں وہ ساری رات سویا نہیں تھا.

اس کے ساتھ سمایا اور سمایا کے سامنے تراب بیٹھا تھا.

اسی طرح تراب کے ساتھ شیری اور شیری کے سامنے زویان بیٹھا تھے. ساتھ شیروان اور پھر سامنے عنایا تھی.

"تو تم لوگوں کی کیا لگتا ہے جس لڑکیاں اغوا کرنے والے

گروہ کے ہم پیچھے تھے وہ اپنے انجام کو پہنچ گیا ہے؟"

علی کے خاموش ہونے پر حمزہ نے بیٹھے لوگوں سے سوال کیا.

"لگتا تو یہ ہی ہے."زویان نے اپنے خیالات کا اظہار کیا.

"لیکن حالات و واقعات ایسا دکھا نہیں رہے"حمزہ نے اپنے خدشات کا اظہار کیا.

لڑکیوں کے بتدریج اغوا کے کیس اب بھی سامنے آ رہے ہیں. ایسا معلوم. ہوتا ہے کہ یہ گروہ کہیں اور مختلف لوگوں کے ساتھ دوبارہ فنکشنل ہو گیا ہے"حمزہ نے دلیل دی.

"آئی اگری."کہنے والا شیری تھا.

"میرے پاس کچھ ہے."اس نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا.

شیری نے لیپ ٹاپ پروجیکٹر سے کنیکٹ کیا. اور ڈوائس لے کر سامنے آ گیا.

سامنے بڑے پردے پر فیسبک گروپ کے سکرین شاٹس تھے.

"سر یہ ایک سیکریٹ فیس بک گروپ ہے. جس میں یہ لوگ لڑکیوں کو اغوا کرنے کے بعد ان کی تصویریں اپلوڈ کرتے ہیں. پھر لائیو سیشن میں ان پر بولی لگائی جاتی ہے."

یہ خبر واقعی چونکا دینے والی تھی.

"تم اس گروپ کا حصہ ہو؟"حمزہ نے انگلیوں میں پینسل گھماتے ہوئے شیری سے پوچھا.

"نو سر. میرا ایک دوست اس گروپ کا حصہ ہے."شیری نے کچھ سوچ کر کہا.

"کون دوست.؟"شیری کا ایسا کوئی دوست نہین تھا جسے حمزہ نہ جانتا ہو.

"سر جس تھرڈ جینڈر گروپ کا میں پچھلے کچھ مہینوں سے حصہ ہوں وہاں پر ایک لڑکے سے..."وہ رکا.

"کھسرے سے."شیروان نے دونوں ہاتھوں کو ہوا میں اٹھا کر کالن بنایا.

"ہاں وہ ہی." شیری نے جھینپ کر کہا.

"وہاں ایک اُس سے میری خاصی دوستی ہو گئی ہے. اسی نے بتایا مجھے." شیری نے احتیاطاً شیر وان کا بتایا لفظ استعمال نہیں کیا تھا. سب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی.

"تم اس گروپ کا حصہ کیوں نہیں ہو.؟" سمایا نے واقعی قابل غور سوال کیا تھا.

"کیوں کہ وہ اپنے قابل بھروسہ لوگوں کو ہی اس گروپ میں شامل کرتے ہیں. جب مجھے ان لوگوں کا حصہ بنے تین ماہ ہو جائیں گے تو مجھے بھی ایک خفیہ کوڈ دے کر اس گروپ میں شامل کر دیا جائے گا." شیری نے سمایا کی طرف دیکھے بغیر کہا.

کوئی اور جگہ ہوتی تو شیری اسے جواب نہ دیتا. لیکن اس وقت وہ ایک اہم کیس میں ہوئی جانے والی پیش رفت اور آگے کا پلان ترتیب دینے کے لیے بیٹھے تھے. جس وجہ سے وہ چاہ کر بھی اس کا سوال اگنور نہیں کر سکتا تھا.

"ابھی آپ وہاں کیا کرتے ہیں؟" شیر وان نے اپنی ہنسی دبائے شیری سے سوال کیا.

سب اس کے سوال کا مطلب سمجھ گئے تھے. اور اب شیری کے جواب کا انتظار کر رہے تھے.

"ابھی میں ان کے لیے کھانا بناتا ہوں." شیری نے منہ بناتے شیر وان کو جواب دیا.

"وہ آپکو اپنے ساتھ شادی بیاہ میں کیوں نہیں لے کر جاتے.؟" شیر وان نے نہایت سنجیدگی سے دوبارہ سوال پوچھا.

"کیوں کہ میرا ٹھمکا ٹھیک نہیں ہے." شیری نے وہی جواب دیا جو شیر وان سننا چاہتا تھا.

بیسمنٹ میں قہقہے گونجے.

"سر مجھے لگتا ہے. ابھی ہمیں خاموش رہ کر حالات کا جائزہ لینا چاہیئے. پچھلے ہفتے والی ریڈ سے وہ چوکنا ہو گئے ہوں گے." سمایا نے اپنی رائے دی.

"میرا انہیں خیال یہ کسی طرح سے بھی بہترین آئیڈیا ہے. تب تک وہ اور بہت سی لڑکیوں کو اغوا کر کے اس گھناؤنے عمل کا حصہ بنا چکے ہوں گے. "شیری نے اپنی نشست سنبھالتے ہوئے سمایا کی مخالفت کی.

"ہم فوراً کوئی بھی فیصلہ لینے کے بجائے ایک دن اور لگا کر کیس کو مختلف زاویوں سے دیکھ کر پھر آگے بڑھیں گے. پھر کل پلان ترتیب دیں گے. "حمزہ نے میٹنگ ختم ہونے کا عندیہ دیا.

حیا کافی دیر یوں ہی گھر کے مختلف حصوں کو ایکسپلور کرتی رہی تھی. حمزہ کے کمرے سے نکل کر دو کمرے چھوڑ کر ایک سٹڈی روم تھا. جہاں بہت سو کتابیں پڑی تھیں. میز پر بکھرے کاغذوں سے اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ اس روم کو باقاعدہ استعمال کیا جاتا ہے.

حیا نے حمزہ کے کمرے کو دوبارہ سیٹ کیا تھا. کہتے ہیں گھر میں جگہ ہو تو دل میں جگہ بن ہی جاتی ہے. حیا نے بھی کمرے کی سیٹنگ بدلی تھی.

وہ کافی کا مگ پکڑے کچن سے نکل رہی تھی. سامنے کا منظر دیکھ کر وہ ششدر رہ گئی. اس کے کمرے کے ساتھ والے کمرے سے سب لوگ نکلتے لاؤنج میں آرہے تھے. حیا کو لگا یہ کوئی وہم ہے. اس نے وہ کمرہ دیکھا تھا وہاں کوئی نہیں تھا.

"ہیلو بیوٹیفل لیڈی. "شیری کی آواز پر حیا ہوش میں آئی وہ واقعی وہاں تھے.

"ہائے. "حیا کے منہ سے بس اتنا ہی نکلا تھا.

"کیا ہو گیا آپکو. یوں لگ رہا جیسے بھوت دیکھ لیا ہو" شیری نے اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے کہا.

"اسلام علیکم بھابھی!" آنے والی سمایا تھی. اس نے آگے بڑھ کر حیا کو گلے لگایا. اور پھر اس کے ہاتھ کو ہونٹوں کے قریب لا کر چھوا. حیا اس کو دیکھ کر خوش ہوئی تھی.

"بھابھی. آپکو ایکٹنگ آتی ہے؟" شیری نے فریج سے سیب نکالتے ہوئے حیا سے پوچھا. وہ تینوں اب کچن میں تھے.

"نہیں." سمایا سے بات کرتے حیا نے مڑ کر شیری کو دیکھا.

"سیکھ جائیں گی. کمپنی اچھی مل گئی ہے آپکو." شیری کہہ کر باہر چلا گیا. سمایا نے اسے جاتے ہوئے دیکھا تھا.

حیا کو سمجھ نہیں آیا تھا. لیکن سمایا کے چہرے کی رنگت بدلتے اس نے دیکھی تھی.

علی اپنے گھر چلا گیا تھا. تراب بھی پیچھے ہی نکل گیا تھا. حمزہ ایک طرف سنگل سیٹ صوفہ پر بیٹھا فون استعمال کر رہا تھا.

اس کے ساتھ دوسرے صوفے پر ایک طرف زویان اور دوسری طرف شیروان لیٹے تھے. وہیں نیچے کارپیٹ پر شیری بیٹھا تھا. حمزہ کے سامنے سنگل صوفہ پر عنایا تھی.

"سر آج بھوک ہڑتال ہے.؟" شیری نے پیٹ پر ہاتھ مارتے حمزہ کو مخاطب کیا. یہ شیری ہی تھا جو حمزہ کے ساتھ اس طرح بات کر سکتا تھا.

"ارے ہاں. تم لوگوں کو بھوک لگی ہوگی. ایک منٹ. حمزہ نے فون صوفہ پر رکھا اور کچن کی طرف بڑھا.

بی اماں. کیا بنایا ہے. کچن میں داخل ہوتے حمزہ نے کہا.

سامنے حیا اور سمایا کھڑے تھے.

"ارے ہاں. بی اماں تو نہیں ہیں." حمزہ نے ماتھے پر انگلی پھیری. دوسرے ہاتھ کی دو انگلیاں جینز کی جیب میں تھی.

سمایا حمزہ کو وہاں دیکھ کر نکل آئی تھی.

"تم ٹھیک ہو اب." حمزہ نے کاؤنٹر سے ٹیک لگاتے ہوئے حیا سے پوچھا. حیا نے اثبات میں سر ہلایا.

"چلو.. دیٹس گریٹ." حمزہ نے ٹیک لگائے ہوئے ہی دونوں ہاتھ کاؤنٹر پر جمائے.

"میں کیا کہہ رہا تھا سر." شیری نے کچن میں قدم رکھا.

"اوہ سوری میں نے آپ لوگوں کی پرائیویسی کو ڈسٹرب کر دیا." وہ مڑا. وہ اب ڈرامہ کر رہا تھا.

"رک جاؤ ڈرامے باز." حمزہ بھی اس کی رگ رگ سے واقف تھا.

"شیری میرا خیال اب تمہاری شادی کر دینی چاہئیے." حمزہ نے شیری کو بغور دیکھتے ہوئے کہا.

"میں آپکو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا." شیری آ کر حمزہ کے گلے لگ گیا.

حمزہ نے اس کے سر پر چپت رسید کی.

"سیدھا کھڑا ہو."

وہ کھڑا ہو گیا تھا. شیری کے ساتھ یہ حمزہ کا مختلف روپ تھا.

"کچھ کھانے کھلانے کا پروگرام بنائیں سر." شیری نے حمزہ کو اس کے کچن میں آنے کا مقصد بتایا.

"بی اماں تو ہیں نہیں. تو باہر سے ہی منگوا لو." حمزہ نے مشورہ دیا.

"یہ بھی صحیح ہے" شیری فون پر نمبر ملاتا باہر نکل گیا تھا.

"ویسے بھابھی آپ بھی ہمارے ساتھ آ کر باہر بیٹھیں نا." شیری کچھ سوچ کر واپس آیا.

حیا، حمزہ کے ساتھ باہر آ گئی تھی. کھانا آرڈر کر دیا گیا تھا.

سامنے تین سیٹر صوفہ پر سمایا کے ساتھ حیا بیٹھ گئی اور وہیں کارپیٹ پر شیری بیٹھ گیا تھا.

"بھابھی. آپ کو ڈانس آتا ہے؟" شیروان نے سیدھے ہوتے ہوئے حیا سے پوچھا.

"ہاں؟" حیا سٹپٹائی.

"ہاں وہ ہمارا ایک دوست ہے اس کا ٹھمکا سیٹ کروانا ہے. کمائی کرنے میں بڑی دقت ہے بیچارے کو." شیروان نے شیری کو چھیڑا.

"بچے تمغے یوں ہی نہیں ملتے." شیری نے اپنے سینے پر فخریہ انداز میں ہاتھ مارا.

"ہاں کھسر ابنا پڑتا ہے۔" شیر وان نے اسی جوش سے کہا۔

"تو نہیں سمجھے گا۔" شیری نے اس کی ٹانگ پر ہاتھ مارا۔ شیر وان کراہا۔

حمزہ فون کان پر لگا تا باہر نکل گیا تھا۔

"بس کر دو اب تم لوگ بھی۔ تھکتے نہیں ہو جانو مانو کر کے۔" شیری نے زویان کے ہاتھ سے فون کھینچا۔ جب سے یہ لوگ بیسمنٹ سے واپس آئے۔ عنایا اور زویان اپنا فون لے کر بیٹھے تھے۔

"میرا فون واپس کر۔" زویان اٹھا۔

"یہ کیا لکھا ہے۔ استغفر اللہ.." شیری نے زویان کے فون سے میسج پڑھا۔

"شیری میرا فون دے۔" زویان اس کے پیچھے پیچھے تھا۔

جب وہ شیری کے پاس پہنچا تو اس نے زویان کا فون شیر وان کی طرف اچھالا۔ زویان شیر وان کی طرف مڑا۔

اس سے پہلے کہ وہ شیر وان تک پہنچتا۔ فون دوبارہ شیری کے ہاتھ میں تھا۔

سمایا اور حیا ان کو پورے لاؤنج میں گھومتا دیکھ رہیں تھیں۔

"یار نہیں کرو۔ فون دو میرا۔" زویان تڑپ رہا تھا۔

"بھابھی غور فرمائیں۔" شیری حیا کے پاس جا کر نیچے کارپٹ پر بیٹھ گیا۔

"استغفر اللہ۔ استغفر اللہ۔" شیری نے اسکرین پر دیکھ کر سر پکڑ لیا۔

"کیا لکھا ہے اونچا پڑھ نا.." شیر وان شیری کے ساتھ آ کر بیٹھ گیا تھا۔

"اچھا تو لکھا ہے۔" شیری نے الفاظ کو کھینچ کر ادا کیا۔

سب توجہ سے سن رہے تھے۔

"تجھے قسم ہے شیری اگر تو نے میرے میسج پڑھے۔"

زویان چلایا.

"ہاہاہاہا. شیری مصنوعی ہنسی ہنسا.

"سنو سب سنو. عنایا تم بھی سنو. "شیری نے جان بوجھ کر عنایا کو بلایا. جو دل ہی دل میں اس آفت سے بچ جانے کی دعائیں مانگ رہی تھی.

"لکھا ہے.. "شیری نے سسپینس بڑھایا.

"بتا کیا لکھا ہے. "شیروان نے جھنجلا کر کہا.

"بچوں کے پڑھنے کا نہیں ہے. بھاگ یہاں سے. "شیری نے شیروان کو ذلیل کیا تھا.

"کمینہ ہے تو. "شیروان جو ابھی تک اسے زویان سے بچا رہا تھا وہاں سے اٹھ گیا. شیری زویان کی پہنچ میں تھا.

وہ فرش پر گتھم گتھا تھے. جب حمزہ اندر آیا. دونوں جہاں تھے وہیں رک گئے.

رات کے دس بجے تھے. سب لوگ کھانا کھا چکے تھے. سمایا, عنایا, شیروان اور زویان گھر کے لیے نکل گئے تھے.

شیری یہیں رکا تھا.

حیا کافی دیر پہلے اوپر کمرے میں چلی گئی تھی. حمزہ اسٹڈی روم میں تھا.

ساڑھے بارہ کے قریب حمزہ کمرے میں گیا. حیا صوفے پر بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی. کمرے میں اندھیرا تھا.

سامنے حمزہ کی تصویر کے نیچے اور بہت سی تصاویر نائلون کی تار میں ڈال کر لٹکائی ہوئی تھیں. اور ان پر ایل ای ڈی لائٹس کو لپیٹا گیا تھا. جو مختلف رنگوں میں جل اور بجھ رہی تھیں. یہ پر سکون تھا.

حمزہ کو اچھا لگا تھا.

"ہیو یو ڈن دس؟ "حمزہ نے صوفے پر بیٹھی حیا سے پوچھا.

"م. میں. بور ہو رہی تھی. تو." حیا نے بات ادھوری چھوڑی.

"اٹس نائس." حمزہ بیڈ کی طرف بڑھا. حمزہ نے بلیزر اتار کر بیڈ پر رکھا.

"یہ تصویریں." وہ رکا. وہ پانچ چھ مختلف تصویریں تھیں. حمزہ نے ایک ہاتھ ماتھے پر رکھتے گہرا سانس لیا.

"ہاؤ ڈئیر یو." وہ چلایا تھا. حیا اس کے اچانک چیخنے پر کھڑی ہو گئی تھی.

"ہاؤ ڈیئر یو ڈسپلے دیز پکچرز ہئیر." وہ دوبارہ چلایا.

"و. وہ. م. میں." حیا ایسے ری ایکشن کے لیے تیار نہیں تھی. وہ حیا کی طرف بڑھا. حیا پیچھے ہونا چاہتی تھی لیکن پیچھے صوفہ تھا.

حمزہ نے اس کے گالوں کو اپنی انگلیوں کے بیچ دبایا.

"کیا سوچ کر یہ تصویریں یہاں لگائی تم نے. تم دکھانا چاہتی ہو کہ میں ظالم ہوں. قاتل ہوں. تم مجھے بتانا چاہتی ہو کہ میں نے ان کو مارا." وہ چیخ رہا تھا. اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا.

حیا خود کو چھڑوانے کی کوشش کر رہی تھی. حمزہ نے حیا کو پیچھے دھکا دیا. وہ پاگل ہو رہا تھا. صوفے کے سامنے میز پر رکھا گلدان حمزہ نے ہاتھ مار کر نیچے گرا دیا تھا. رات کے سناٹے میں آواز گونجی تھی.

شیری سونے کی کوشش کر رہا تھا جب وہ آواز سن کر اوپر آیا. شیری نے لائٹ آن کر دی تھی. سامنے کا منظر اس کے لیے شاکنگ تھا. حمزہ کا یہ روپ اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا.

حیا کا بازو حمزہ کی گرفت میں تھا. آنکھیں غصے سے سرخ تھیں.

"میری زندگی جہنم ہو گئی ہے. روز روز ایک ہی چیز. روز یہ ہی تماشہ." وہ چیخے جا رہا تھا. حیا اس کے ہاتھوں میں مچل رہی تھی.

"حمزہ سر کیا ہو گیا ہے آپکو. ؟ شیری نے اسے کندھے سے پکڑ کر پیچھے کھینچنا چاہا.

"پاگل ہوگیا ہوں میں.."حمزہ نے شیری کو پیچھے دھکیلا. اب وہ دیوار پر لگی تصویروں کو کھینچ رہا تھا. شیری ہونقوں کی طرح حمزہ کو کمرے میں ادھر سے ادھر جاتے دیکھ رہا تھا. حمزہ ایسا نہیں تھا.

"دوبارہ اس کمرے میں میں تمہاری شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتا."حمزہ نے حیا کا بازو پکڑ کر باہر کی طرف دھکا دیا.

"سر آپ یہ کیا کر رہے ہیں."شیری چلایا تھا.

"تم بھی جاؤ. سب جاؤ. آئی ڈونٹ وانٹ اینی ون."حمزہ کی آواز بلند تھی. اس کی آنکھوں میں نفرت تھی. ڈریسنگ ٹیبل پر رکھی ہر چیز اب فرش پر پڑی تھی.

"میری بات تو سنو."وہ پچھلے پندرہ منٹ سے اس سے بات کرنے کی کوشش کر رہا تھا.

"مجھے نہیں سننی تمہاری کوئی بھی بات."وہ خفا تھی.

"یار میں مصروف تھا."وہ واقعی مصروف تھا.

"ہاں تو رہو مصروف."وہ اسے پیچھے چھوڑ کر آگے چلی گئی تھی.

"اتنا ہینڈسم لڑکا تمہارے پیچھے پیچھے یوں مال میں پھرے تمہیں اچھا لگے گا؟"اس نے پیچھے سے ہی آواز لگائی. اسے یوں لوگوں میں رانیہ کے پیچھے جانا عجیب لگ رہا تھا. سب ان کو ہی دیکھ رہے تھے.

"تو کس نے کہا اتنے ہینڈسم لڑکے سے کہ وہ میرے پیچھے آئے؟."اس نے مڑے بغیر کہا. وہ کاسمیٹکس کی دکان میں داخل ہوگئی.

"میں کل چلا جاؤں گا."اس نے رانیہ کو منانے کی آخری کوشش کی تھی.

وہ واپس آئی. اس نے سن لیا تھا. خفگی بڑھ گئی تھی.

"اگر تمہیں جانا ہی تھا تو آئے کیوں تھے.؟"وہ اس کے سامنے کھڑی تھی اب.

"تمہاری یاد آرہی تھی."وہ اسے اب بھی منانے کی کوشش کر رہا تھا.

"جھوٹ. اگر یاد آ رہی ہوتی تو تم میرے میسجز کا جواب دیتے. میری کالز پک کرتے. یوں جا کر مجھے بھول نہیں جاتے." وہ رو دینے کو تھی.

"یار نیٹ ورک نہیں تھا اس ایریا میں. جب آیا تو میں نے تمہیں کال کی اور آتے ہی تمہیں ملنے آیا." وہ صفائی دے رہا تھا.

"احسان." وہ بے نیازی سے آگے بڑھ گئی تھی.

"یار تم سمجھتی نہیں ہو. کام ایسا ہے کہ کھانے پینے کا ہوش نہیں ہوتا." وہ اس کے پیچھے باہر آ گیا تھا.

"تو ٹھیک ہے جاؤ کرو کام. وہی ڈیوٹی نبھاؤ." اس کی خفگی بڑھ گئی تھی. وہ گاڑی میں جا کر بیٹھ گئی.

"ایک ڈیوٹی کر آیا ہوں. اب دوسری ڈیوٹی کرنے آیا ہوں. لیکن یہ باس کھڑوس ہی بہت ہے." حمزہ نے سامنے گاڑی کو دیکھتے کہا.

"مجھے پارٹ ٹائم نہیں. فل ٹائم بندہ چاہئیے مسٹر حمزہ." رانیہ نے بھی اترا کر کہا.

"تو کسٹمائز کروالو." وہ اب اسے چھیڑ رہا تھا.

"تم بیٹھے رہو یہاں میں جا رہی ہوں." وہ نکلنے لگی تھی جب حمزہ نے اس کا ہاتھ تھاما.

"اچھا رکو تو."

"چار دن سے میں تمہیں میسج کر رہی ہوں. بغیر بتائے. بغیر ملے چلے جاتے ہو. پھر میسج کرو تو تم کوئی جواب نہیں دیتے, کال کرو تو تمہارا نمبر بند آتا ہے. جا کر کبھی پوچھا نہیں کیسی ہو. کیا کر رہی ہو. ٹھیک ہو. یوں ہی ایک دن میں مر جاؤں گی اور تمہیں وہاں پتا بھی نہیں چلے گا." وہ اب رو رہی تھی.

"میرے خدایا." حمزہ نے سر پکڑ لیا.

"آ تو گیا ہوں اب. جان لو گی."

وہ کچھ نہیں بولی تھی.

"اچھا ادھر دیکھو. بتاؤ کیا ہوا ہے. کیوں اتنے آنسو ضائع کر رہی ہو. "اسنے رانیہ کا منہ اپنی طرف پھیرا.

"حمزہ دو سال ہونے کو ہیں ہماری انگیجمنٹ کو. اب مجھے اپنے ساتھ لے جاؤ. یہاں میری جان اٹکی رہتی ہے. ہر وقت عجیب سا ڈر لگا رہتا ہے. "اس کی آنکھوں میں واقعی خوف تھا.

"کیسا ڈر. "وہ فکر مند ہوا.

"مجھے طرح طرح کے خواب آتے ہیں. ڈر لگتا ہے. لگتا ہے میں تمہیں کھو دوں گی. "اس نے دوبارہ رونا شروع کر دیا تھا.

"اوئے پاگل. "حمزہ نے اپنا بازو اس کے گرد پھیلایا.

"تم سمجھ نہیں رہے ہو. مجھے اب تمہاری ضرورت ہے. "وہ ضد کر رہی تھی.

"رانیہ تم ایک ہو. اس ملک میں کروڑوں ہیں جن کو میری ضرورت ہے. "وہ اسے سمجھا رہا تھا.

"ان کروڑوں کو بچاتے اگر تم نے مجھے کھو دیا تو. ؟"حمزہ کے بازو کو دونوں ہاتھوں سے تھامے رانیہ نے اپنے خدشات کا اظہار کیا.

"رانیہ. "اب اس کا چہرہ حمزہ کے ہاتھوں میں تھا.

"میں اللہ کی راہ میں نکلا ہوں. جب میں اس کے بندوں کے ساتھ کے ساتھ بھلائی کر رہا ہوں. تو وہ میرے ساتھ بھلا کیسے یوں کر سکتا ہے ؟"اس کی آنکھوں میں ایمان کی چمک تھی.

"اب تم پریشان ہونا چھوڑ دو. ابھی تو کل میں جا رہا ہوں. لیکن جب اگلے ہفتے میں آؤں گا تو ہم نکاح کر کے رخصتی کر لیں گے. ٹھیک ہے ؟"وہ اب اس کے بال ماتھے سے پیچھے کر رہا تھا.

"پکا؟"اسے حمزہ کی بات پر یقین نہیں تھا.

"تمہاری قسم۔ "حمزہ نے بھی روایتی طریق پر محبوب کی قسم اٹھائی تھی۔

"میری قسم کا مطلب کہ اگر تم نہیں آئے تو میں مر جاؤں گی۔ "رانیہ نے اپنا سر حمزہ کے بازو پر ٹکا دیا۔

"تم بلا ہو۔ جو مجھ سے چمٹ گئی ہو۔ اب ساری زندگی میرا پیچھا نہیں چھوڑو گی۔ "حمزہ ماحول کو خوشگوار کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

رانیہ نے اس کے بازو پر چٹکی بھری۔

"دیکھا کاٹتی بھی ہو۔ "وہ اپنا بازو سہلا رہا تھا۔

"جی نہیں۔ "رانیہ نے اس کے بازو پر اپنی گرفت مضبوط کر دی تھی۔

"میں شہزادی ہوں جو جلد از جلد اپنے شہزادے کے دیس چلے جانا چاہتی ہے۔ اس سے پہلے کہ کوئی دیو آئے اور مجھے پتھر کا کر دے۔ "

"ظالم بس کر۔ "حمزہ ہنسا۔

"اور یہ اپنی بھانجی کی ٹارزن والی کہانیاں اب پڑھنا بند کر دو۔ بڑی ہو گئی ہو۔ "اس نے مصنوعی خفگی سے اسے گھورا۔

"تمہاری طرح جنگوں کی کہانیاں نہیں پڑھ سکتی۔ "وہ اب بھی اسے طعنہ دے رہی تھی۔

"اچھا نا بس کرو۔ "حمزہ اس کے سر پر جھکا۔ ایک رنگ رانیہ کے چہرے پر آ کر گزرا۔

"اب کیا پلان ہے۔ ؟"رانیہ اب اپنا چہرہ اس کے بازو میں چھپا رہی تھی۔

"ابھی تو میں ایک خوبصورت لڑکی کو ڈیٹ پر لے کر جا رہا ہوں۔ "حمزہ نے آنکھیں گمائیں۔

"اور وہ خوبصورت لڑکی میں ہوں۔ "رانیہ کھکھلائی۔

"ارے یو آر سمارٹ۔ "حمزہ نے گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی۔

کہتے ہیں زندگی حادثہ ہے. پر یہ کیسا حادثہ تھا اس کا تو کچھ بھی نہیں بچا تھا. دو بھائیوں کی اکلوتی بہن. ماں اس کی پیدائش پر ہی انتقال کر گئی تھی. بھائی اپنی اپنی زندگی میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ مگن تھے. رہ سہہ کر باپ ہی تھا جو اس کا کل سرمایہ تھا. وہ بھی اب اسے چھوڑ گیا تھا.

"بابا. آپ کیوں مجھے چھوڑ کر چلے گئے." نیچے کمرے میں لائٹس آف کیے تکیے میں منہ دبائے وہ رو رہی تھی.

"کیسی زندگی ہے یہ. جہاں میرا کوئی نہیں ہے. زبردستی کی شادی جس میں عزت و احترام بھی نہیں ہے.." یہ شکوہ تھا. کس سے. پتا نہیں. شاید اللہ سے. انسان ٹوٹتا ہے تو اسی کی طرف بھاگتا ہے.

"تم یہ مت سمجھنا کہ تمہارا کوئی نہیں ہے." کسی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا.

"میں تو تمہارا انتظار کر رہا تھا. تمہیں پتا ہے نا تمہارے بابا کا تمہارے سوا کوئی نہیں ہے." ہاتھ رکھنے والے کے لہجے میں اطمینان تھا.

"بابا. آپ کہاں چلے گئے تھے. لوگ ظالم ہیں بابا. آپ کی. آپ کی گڑیا کو کھا جائیں گے. اب آپ مجھے چھوڑ کر کہیں مت جایئے گا. میں. میں کبھی آپکو چھوڑ کر نہیں جاؤں گی."

خاموش آنسو اب چیخوں میں بدل گئے تھے.

"بیٹی تمہارا اللہ مالک ہے." آنے والا جا چکا تھا.

وہ چیخ رہی تھی.

"بابا. کہاں ہیں آپ. بابا." آواز بلند ہوتی جا رہی تھی.

"بھابھی. بھابھی. آر یو فائن. ؟" شیری اسے آواز دے رہا تھا. وہ گھبرا کر اٹھ گئی تھی. وہ سچ میں رو رہی تھی. چہرے پر پسینے کے قطرے نمایاں تھے. دل تیز گام کی طرح دوڑ رہا تھا. یہ خواب تھا. نہیں وہ تو جاگ رہی تھی. تو؟ کیا واقعی بابا یہاں آئے تھے. وہ دماغ پر زور دے رہی تھی.

"بیٹی تیرا اللہ مالک ہے" آخری الفاظ حیا نے زیر لب دوہرائے.

شیری نے اسے پانی کا گلاس تھمایا. اس نے دو گھونٹ بھر کر گلاس واپس کر دیا تھا.

"آپ ٹھیک ہیں؟." شیری نے دوبارہ پوچھا. اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا.

دور کہیں فجر کی آذان ہو رہی تھی.

شیری دوبارہ لاؤنج میں آ گیا تھا. وہ اب تک سویا نہیں تھا. وہ حمزہ کو پچھلے تین سال سے جانتا تھا. اس نے حمزہ کو قریب سے جانا تھا. دن رات اس کے ساتھ گزارے تھے. وہ جانتا تھا حمزہ ایکسپریسو نہیں ہے لیکن جس طرح سے وہ پورے اسکواڈ کا خیال رکھتا تھا وہ بھی کسی سے چھپا نہیں تھا.

عنایا کو بزنس سیٹ کرنے میں حمزہ نے ہی مدد کی تھی.

اور شیری. جس کی کوئی پہچان تک نہیں تھی. حمزہ اسے گھر لے کر آیا تھا. یہ گھر ہی اس کی پہچان بنا تھا.

سمایا کو بھی ترکی جانے کے لیے حمزہ نے فورس کیا تھا.

پھر یہ کون سا روپ تھا حمزہ کا. شیری کو وہ اجنبی لگا تھا.

شیری نے اسے کبھی چیختے چلاتے نہیں سنا تھا. اس کی شخصیت میں ٹھہراؤ تھا. وہ ہر کام تحمل سے کرتا تھا.

شیری کا دماغ ماضی کے جھرونکوں میں کھویا ہوا تھا. کوئی ایسا وقت جب حمزہ نے یوں بی ہیو کیا ہو. اسے کچھ یاد نہیں آیا.

"شیری حمزہ سر کو کوئی پریشانی ہے؟" شیری کا دماغ چھ ماہ قبل کہیں رک گیا تھا.

وہ دونوں ریسٹورنٹ میں بیٹھے تھے. سمایا اپنی گریجویشن کی ٹریٹ دے رہی تھی.

"نہیں. تم کیوں پوچھ رہی ہو.؟" اس نے پیزا کا سلائس اٹھاتے سمایا کو دیکھا.

"کبھی کبھی وہ عجیب طرح سے ری ایکٹ کرتے ہیں۔" وہ شیری سے بات کرتے ڈر رہی تھی۔ شیری حمزہ کو لے کر بہت ایموشنل تھا۔ وہ کھانے میں مگن تھا۔

"شیری یار۔" وہ کنفیوز تھی۔

"تم پہلے میرے کھانے کو گھورنا بند کرو۔ دو دن سے پیٹ میں جگہ بنا رہا ہوں اس ٹریٹ کے لیے۔" وہ اب بھی سنجیدہ نہیں تھا۔

"شیری مجھے لگتا ہے حمزہ سر کو کسی سائیکالوجسٹ کے ساتھ سٹنگز لینی چاہئیے۔" وہ کہہ گئی تھی۔ شیری کا ہاتھ رک گیا تھا۔

"واٹ؟ آر یو آؤٹ آف یور مائنڈ؟" شیری تقریباً چیخا تھا۔

ساتھ والے ٹیبل پر بیٹھے زویان، شیر وان اور عنایا نے مڑ کر ان کو دیکھا۔

سمایا خاموش رہی۔ سب دوبارہ اپنی باتوں میں مشغول ہو گئے تھے۔ پیزے کا ادھ کھایا سلائس اس نے پلیٹ میں رکھ دیا تھا۔

"شیری میری بات سمجھو۔" کافی دیر خاموش رہنے کے بعد عنایا دوبارہ بولی۔

"کیا سمجھوں؟ تم کہنا چاہتی ہو کہ حمزہ سر کو کوئی دماغی مسئلہ ہے؟ وہ پاگل ہیں؟" شیری نے دونوں ہاتھ میز پر رکھے۔

"ان کو ضرورت ہے ان سٹنگز کی۔ آئی کین ایکسپلین" سمایا نے وضاحت کرنا چاہی۔

"فی الحال مجھے یہ لگ رہا کہ تمہیں میری ضرورت نہیں ہے۔ جب تمہارا اپنا دماغ سیٹ ہو جائے تو بتا دینا۔" وہ اٹھ کر چلا گیا تھا۔

سمایا کو ایسا کیوں لگا تھا. شیری کا دماغ ماضی سے نکل کر دوبارہ حال میں آ گیا تھا. کوئی جواب نہیں بن پایا. اس نے سمایا کی پوری بات سنی ہوتی تو ہی وہ کوئی فیصلہ کر پاتا. سمایا نے تو اس کے بعد بھی کئی بار اس سلسلے میں اس سے بات کرنے کی کوشش کی تھی. لیکن شیری بگڑ گیا تھا.

"وہ بندہ جس نے تمہارے اور عنایا کے لیے اتنا کچھ کیا تمہیں وہ پاگل لگتا ہے ؟"

"شیری میری بات تو سن لو. پھر تم خود فیصلہ کر لینا."

"مجھے تمہاری یہ فضولیات بالکل نہیں سننی. سائیکالوجی کی دو کتابیں کیا پڑھ لی تمہیں ہم سب پاگل لگنے لگ گئے ہیں. ؟"اس کی آواز اب بلند تھی..

"ان کو پاگل ثابت کر کے تم کیا کرنا چاہتی ہو. ؟اور اگر تمہیں لگتا ہے کہ حمزہ سر کو کوئی دماغی مسئلہ ہے تو جاؤ جا کر اپنا علاج کرواؤ. "شیری آپے سے باہر ہو رہا تھا.

حمزہ کو لے کر دونوں دوستوں میں اختلاف پیدا ہو گیا تھا. اور پھر اس نے کبھی سمایا سے سیدھے منہ بات نہیں کی.

سمایا دو دن بعد چھ ماہ کے لیے ترکی چلی گئی تھی اس بیچ اس نے کافی بار شیری سے کنٹیکٹ کرنے کی کوشش کی لیکن وہ تو جیسے اس کو بھلا ہی بیٹھا تھا.

اللہ اکبر اللہ اکبر.

آذان کی آواز پر وہ چونکا. پاس ہی مسجد میں آذان ہو رہی تھی. آواز بلند تھی.

"سمایا کین وی ٹاک. ؟"شیری نے اسے ٹیکسٹ میسج چھوڑا تھا.

دو سال پہلے حمزہ اور رانیہ کی منگنی ہوئی تھی. دونوں بچپن کے دوست تھے اور ان کے والدین نے ان کی رضامندی سے یہ رشتہ طے کیا تھا. دوستی کو منگنی نے پیار میں بدل دیا تھا. سب جلد از جلد شادی کر دینا چاہتے تھے. لیکن حمزہ ہفتے دو ہفتے بعد بمشکل ایک دن کے لیے آتا. یوں شادی منسوخ ہوتی جا رہی تھی. اور رانیہ کا صبر جواب دے رہا تھا.

اب کے وہ بضد تھی۔

اگلے اتوار دونوں کا نکاح تھا۔ جانے سے پہلے حمزہ نے اس کے لیے ڈنر پلان کیا تھا۔ ڈنر کے بعد حمزہ اسے اپنے گھر لایا تھا جہاں نکاح کے بعد رانیہ کو آنا تھا۔ وہ حمزہ کے والدین کا گھر نہیں تھا۔ حمزہ کا گھر تھا۔

وہ دونوں بالکونی میں بیٹھے تھے۔

"اپنا وعدہ مت بھول جانا۔ قسم اٹھائی ہے تم نے میری۔" رانیہ اسے چوتھی بار یاد دلا رہی تھی۔

"ارے یار۔ تم کیوں اتنا سوچتی ہو۔" حمزہ نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر دبایا۔

"مجھے پتا ہے تم مصروف ہوتے ہو۔ دو منٹ میری کال سن لیا کرو۔ پلیز۔" حمزہ کے ساتھ ٹیک لگاتے اس نے منت کی تھی۔

"او کے سن لوں گا۔" وہ اب اس کا سر تھپتھپا رہا تھا۔

"اور جب میسج کروں تو بس ہاں، نا کر دینا۔۔ مجھے تسلی رہے گی۔" وہ اس سے ساری باتیں منوا رہی تھی۔

"اچھا۔" وہ بس اتنا کہہ سکا۔ پھر کتنی دیر وہ یوں ہی خاموش بیٹھے رہے۔

"کیا سوچ رہی ہو۔" حمزہ نے خاموشی توڑی۔

"جلدی آجانا۔" حمزہ کے بازو میں اپنا بازو ڈالے اور اسکے بازو پر ٹھوڑی ٹکائے وہ حمزہ کو ہی دیکھ رہی تھی۔

"آجاؤں گا۔" رانیہ کے چہرے سے بال ہٹاتے وہ دھیمے سے مسکرایا۔

"دیر مت کر دینا۔" وہ اب بھی ویسی ہی باتیں کر رہی تھی۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں رانیہ۔ پہلے تو تم ایسی کبھی نہیں تھی۔ وہ اب بھی اس کے بالوں سے کھیل رہا تھا۔"

"پہلے تم میرے دل کے اتنے قریب بھی تو نہیں تھے۔"

"کتنا قریب؟" حمزہ نے اپنی مسکراہٹ دبائی۔

"مان لو تمہیں ہمیشہ سے مجھ پر کرش تھا."

رانیہ ہنسی.

"تم مان لو کہ تمہیں مجھ سے سیکریٹ محبت تھی." وہ اسی کی بات اس پر ڈال رہی تھی.

"تم اچھے سے جانتی ہو. مجھے تو وہ کالج میں تھی نا چشمش کیا نام تھا اس کا.. آں س..ہاں نام پتا نہیں کیا تھا بٹ شی واز لو." وہ اسے چھیڑ رہا تھا.

"کون؟" وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی.

"تمہیں نہیں پتا؟ جسے میں ڈیٹ پر لے جایا کرتا تھا."

"نہیں مجھے نہیں پتا. کون تھی وہ نام یاد ڈیپارٹمنٹ بتاؤ." اب وہ جاننا چاہتی تھی.

"تھی کوئی." حمزہ نے گہرا سانس لیا.

"حمزہ سیدھے سے مجھے بتاؤ کون تھی وہ."

"بتادوں؟"

"ہاں."

"کان پاس لاؤ." وہ آگے کو کھسکی. حمزہ اس کی طرف جھکا.

اس ایک لمحے نے اس کے دل کی دھڑکن بڑھا دی تھی. پھر کئی منٹ وہ یوں ہی بیٹھی رہی. اس نے سر اٹھا کر حمزہ کو دیکھا. وہ سنجیدہ تھا.

"تم بدتمیز ہو." رانیہ نے اس کے بازو پر ہاتھ مارا.

ویسے تم چاہو تو بدلہ لے سکتی ہو" وہ اپنا گال آگے کر کے بیٹھ گیا.

"چل اوئے." رانیہ نے ہاتھ سے اس کا گال پیچھے کیا.

"ویسے مجھے نہیں پتا تھا میری منگیتر بن کر تم ایسی ہو جاؤ گی." اس کا اشارہ رانیہ کا اس کو لے کر ہر وقت پریشان رہنا تھا.

"اور ایک بات بتاؤ ذرا تم." حمزہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے خود سے الگ کیا.

"جب میں فورسز جوائن کرنے جا رہا تھا. تب تو تم مجھے بڑا موٹیویٹ کرتی تھی. اب تم مجھے روکتی ہو." حمزہ نے اپنی چھوٹی آنکھیں اور سکیڑی تھیں.

"ہاں کیوں کہ تب مجھے پتا نہیں تھا کہ تم میرے لائف پارٹنر بن جاؤ گے." وہ اسی ردھم سے بولی.

"واہ. مطلب دوست مر مک جائے. اپنے لائف پارٹنر کی پرواہ ہے.. کمال.." حمزہ نے بازو ہوا میں اٹھائے.

"نہیں. لیکن تمہیں خود سے دور جاتا دیکھ کر میرا دل ڈوبتا ہے." وہ سر جھکائے اپنی انگلیاں مروڑ رہی تھی.

"تبھی میں تم سے مل کر نہیں جاتا. تمہارے آنسو مجھے روکتے ہیں." وہ رانیہ کا گاڑی میں مل کر نہ جانے والا شکوہ دور کر رہا تھا.

وہ چلا گیا تھا. پہلی بار وہ رانیہ سے مل کر جا رہا تھا.

"میری قسم اٹھائی ہے تم نے. توڑ مت دینا." وہ اب بھی اسے اس کا وعدہ یاد دلانا نہیں بھولی تھی.

لیکن وہ کسی وعدے کا بار اٹھا کر لے جا ہی کہاں رہا تھا. سارے وعدہ یہیں چھوڑ گیا تھا بس کچھ ساتھ تھا تو اپنے وطن کی مٹی سے کیا گیا وعدہ. مرتے دم تک اس کی حفاظت کا وعدہ.

اس کا فون ڈیڈ تھا. وہ میسجز کا جواب نہیں دے سکا تھا. نہ ہی کال اٹھا سکا تھا. دشمن کے روپ میں دشمن کی ہی صف میں کھڑا تھا وہ. اللہ اکبر کے نعرے کے ساتھ دشمن کا قلع قمع کر دیا گیا تھا. حمزہ کو بحفاظت ہیڈ کوارٹر پہنچا دیا گیا.

وہ واپس جا رہا تھا. رانیہ اس کا انتظار کر رہی تھی. اس نے فون چارج کیا. رانیہ کے 61 وائس میسجز. 124 ٹیکسٹ میسج اور مختلف دنوں میں کی گئی جانے کتنی کالز اس کا انتظار کر رہی تھیں.

اس نے نہ میسج پڑھے نا ہی کال کی. وہ اسے سرپرائز دینا چاہتا تھا. اسے پتا تھا وہ خفا ہو گی. لیکن خود پر یقین تھا کہ وہ ہر بار کی طرح اس بار بھی اسے منا لے گا. لیکن اسے کہاں معلوم تھا کہ وہاں وہ اس کے لیے سرپراز لیے ہوئے تھی ایسا سرپرائز جس کے شاک سے وہ ساری زندگی نہ نکل پاتا.

وہ ساری رات یوں ہی بالکونی میں بیٹھا رہا تھا. اس کے زخم تازہ ہو گئے تھے. کمرے کی حالت یوں تھی جیسے کوئی طوفان آ کر گزر گیا ہو. ہر چیز فرش پر تھی. بیڈ کی چادر سمٹی پڑی تھی. پرفیوم کی شیشیاں ٹوٹی ہوئی تھیں. دیوار پر جہاں وہ تصویریں لٹکی تھیں اب کچھ مدھم نشان تھے.

وہ پھر اپنی سوچوں کے کٹہرے میں آ کھڑا ہوا تھا. وہ اسے کہتی رہی کہ وہ اسے کھو دے گا. وہ نہ آیا تو وہ مر جائے گی. وہ نہیں آیا تھا اور وہ مر گئی تھی.

حمزہ وہاں دشمن کی تباہی کے منصوبے بنا رہا تھا اور یہاں اس کی اپنی تباہی اس کی منتظر تھی. انسان کتنا بھی مضبوط ہو اپنے سے جڑے لوگوں کے لیے وہ موم ہو جاتا ہے. حمزہ تو ٹوٹ گیا تھا.

حمزہ نے چند دن پہلے جس ڈرگ سمگلنگ گروہ کو پکڑا تھا. وہ اپنا بدلہ لینے آ پہنچے تھے.

رانیہ کے جسم میں ڈرگ کی بھاری مقدار انجیکشنز کے ذریعے بھری گئی تھی. اور پھر اسے اپنی حوس کا نشانہ بنایا گیا تھا. حمزہ کی للکار کو رانیہ کی چیخوں میں بدل دیا گیا تھا. اس کے جسم پر جگہ جگہ حمزہ کے لیے نفرت بھرے الفاظ گاڑے گئے تھے. اور غضب یہ اس تکلیف دہ عمل کو کیمرے میں ریکارڈ کر کے حمزہ کو بھیجا گیا تھا.

دیکھنے والوں کی روح کانپ اٹھی تھی. حمزہ تو جیسے بولنا ہی بھول گیا تھا. وڈیو میں رانیہ کی چیخیں رہے سہے حمزہ پر آخری ضربیں لگا رہی تھیں.

"تم نہ آئے تو میں مر جاؤں گی." رانیہ کی آواز اس کے کانوں میں گونجتی رہتی.

میں نے اپنی قسم توڑ دی. وہ اب اپنا سر ہاتھوں میں گرائے خود کو کوس رہا تھا. میں نے ایک میسج کھول کر دیکھا ہوتا. ایک کال سنی ہوتی. وہ پچھتا رہا تھا.

"حمزہ مجھے کچھ اچھا محسوس نہیں ہوتا. مجھے عجیب عجیب خواب آتے ہیں. کوئی مجھے کھینچ رہا ہے. میں چیخ رہی ہوں. تم کھڑے ہو لیکن مجھے بچانے آگے نہیں بڑھ رہے

حمزہ." وہ پریشان تھی.

"تم ہمیشہ میرے ساتھ رہنا پلیز." آخری وائس میسج حمزہ نے سنا.

کئی دن وہ کمرے سے باہر نہیں نکلا تھا. بار بار وہ رانیہ کے میسج پڑھتا. اس کے وائس میسج سنتا. وہ خود کو ذمہ دار سمجھتا تھا.. وہ اپنے ضمیر کے کٹہرے میں خود کو سزا کا حق دار کہہ چکا تھا. وہ خود کو اذیت دینا چاہتا تھا. اور وہ دے رہا تھا. وہ آنکھیں بند کرتا تو رانیہ کا چہرہ اسے سکون نہیں لینے دیتا. وہ آنکھیں کھولتا تو اس کی آواز اسے اپنے کانوں میں گونجتی محسوس ہوتی.

بابا آپ ایسا کیسے کہہ سکتے ہیں. حمزہ کی چھٹی ختم ہو گئی تھی. وہ جانے کی تیاری کر رہا تھا جب فیاض بیگ نے ملازم کے ہاتھ اسے بلاوا بھیجا. وہ اسے واپس بھیجنے کے لیے راضی نہیں تھے. حمزہ ان کے فیصلے پر حیران تھا.

ایسا تمہاری امی چاہتی ہیں. اور اس میں کچھ غلط بھی نہیں. ہم اپنے بچے کو لے کر پریشان ہیں. فیاض وضاحت کر رہا تھا.

تو بجائے اس کے کہ آپ امی کو سمجھائیں آپ خود مجھے روک رہے ہیں؟ اسے یقین نہیں آ رہا تھا.

آج انہوں نے رانیہ کو اذیت دی ہے کل ہمیں نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے تب تم کیا کرو گے؟ بولنے والی صوفیہ تھی.

حمزہ بیٹا ہمیں تمہاری پرواہ ہے. ہم ڈر ڈر کر تو نہیں جی سکتے. فیاض نے صوفیہ کی حمایت کی.

ابھی مجھے چار سال مشکل سے ہوئے ہیں. آپ ابھی سے مجھے پیچھے ہٹ جانے کا کہہ رہے ہیں؟ انداز استہزائیہ تھا.

ابھی چار سال ہوئے ہیں تو اتنا کچھ ہو گیا. اگر چار سال اور ہو گئے تو کیا ہو گا؟ تمہیں اور کیا انتظار ہے حمزہ؟

جب ہماری لاشیں اٹھاؤ گے تب تمہیں چین آئے گا؟

صوفیہ برہم تھی.

امی. ماں کی ایسی دل دہلا دینے والی بات پر وہ بس دیکھ کر رہ گیا.

میرا ایک ہی بیٹا ہے. اسے بھی آپ نے نکال دیا گھر سے. اب کے فیاض سے شکایت کرتے وہ باقاعدہ رونے لگ گئی تھیں.

حمزہ تم تو سمجھو. مجھ میں ہمت نہیں ہے تمہیں کھونے کی. سفیان اور زلے کو میں پہلے یوں ہی مرتے دیکھ چکی ہوں.

وہ بدستور رو رہی تھی.

سفیان صوفیہ کا بھائی تھا جو دہشتگروں کے خلاف ایک مشن میں شہید ہو گیا تھا. اور زلے سفیان کا ہی چوبیس سالہ بیٹا تھا جو سفیان کی شہادت کے چار ماہ بعد ہی اسی قسم کے دوسرے مشن میں شہید ہو گیا تھا.

صوفیہ وہ شہید ہیں. ان کا درجہ اللہ کے ہاں اونچا ہے. فیاض نے صوفیہ کے اپنے بھائی اور بھتیجے کے ذکر پر کہا.

امی آپ نے کبھی ٹی وی میں شہیدوں کی ماؤں کو سنا ہے؟ ان کے حوصلے کتنے بلند ہوتے ہیں. ہر لفظ کے ساتھ اللہ کا شکر ادا کرتی ہیں وہ. اگر میں اللہ کی راہ میں جان دے دیتا ہوں تو آپکو مجھ پر فخر ہونا چاہیئے.

حمزہ رانیہ کا جسم. میری آنکھوں کے سامنے سے نہیں جاتا. وہ اٹھ کر حمزہ کے پاس آ کر بیٹھ گئیں.

کتنی پیاری بچی تھی. کیا حال کر دیا ظالموں نے اس کا.

اگر تمہیں کچھ ہو گیا تو میں جیتے جی مر جاؤں گی.

امی رانیہ سے کیا وعدہ توڑنے کا انجام میں بھگت چکا ہوں اور بھگت رہا ہوں. رانیہ کی جتنی تکلیف مجھے ہے اس کا شاید کوئی اندازہ بھی نہیں کر سکتا. اتنی تکلیف ہے کہ لگا تھا مر جاؤں گا. لیکن نہیں مرا. شاید اللہ نے مجھے اس ملک کے لیے زندہ چھوڑ دیا. اب اگر کروڑوں لوگوں سے کیا وعدہ توڑوں گا تو خود بھی جی نہیں سکوں گا. پھر مجھے اپنے پاس رکھ کر آپ کیا کریں گی؟

اس کی آواز میں تکلیف تھی.

صوفیہ نے اس کی تکلیف محسوس کی تھی. وہ رکنے والا نہیں تھا. وہ سمجھ گئی تھی.

بیٹا. جیسے تمہاری مرضی. میں دعا کروں گی اللہ میرے بچے کی حفاظت کرے. وہ اکیلا سینکڑوں پر حاوی آئے.

وہ اب بیٹے کا ماتھا چوم رہی تھی.

جب تک آپکی دعائیں میرے ساتھ ہیں. مجھے کچھ نہیں ہو گا. وہ ماں کے ہاتھ چوم رہا تھا.

ماں بیٹا آپس میں ہی پیار کرتے رہیں گے یا باپ کے سینے کو بھی کوئی ٹھنڈا کرے گا. فیاض نے حمزہ کی طرف اپنے بازو پھیلائے وہ اٹھ کر باپ کے گلے لگ گیا.

صوفیہ تمہارا بیٹا ہمارا نام روشن کرے گا. فیاض نے حمزہ کا کندھا دبایا.

صوفیہ کے ہونٹوں پر غمگین مسکراہٹ تھی.

حمزہ کی گاڑی تیار کھڑی تھی. جب علی کا اسے فون آیا.

کدھر ہے؟

بس نکل رہا ہوں. حمزہ کھڑا ہو گیا.

خود آئے گا؟ علی نے دوبارہ سوال کیا.

ہاں. وہ مختصر جواب دے رہا تھا.

میں ادھر ہی آیا ہوا تھا. تو سوچا تجھے ساتھ لے چلوں.

ہاں ٹھیک ہے. انتظار کر رہا ہوں.

پندرہ منٹ بعد علی دروازے پر تھا.

میں اور تمہاری امی بھی رانیہ کی طرف جا رہے تھے. جاتے ہوئے راستے میں ہمیں بھی چھوڑ دینا. کیا خیال ہے.

فیاض نے علی سے جواب چاہا.

بابا آپ اپنی گاڑی لے جائیں میں وہ لے کر نہیں جا رہا. حمزہ نے مشورہ دیا.

ڈرائیور بھی تو نہیں ہے. فیاض نے پریشانی بتائی.

تو انکل آپ کو کون سا ڈرائیو کرنا نہیں آتا.

ہاں یار بس کافی عرصہ ہو گیا ڈرائیو نہیں کیا. لیکن تم لوگ خیریت سے جاؤ. ہم چلے جائیں گے.

صوفیہ اور فیاض سے مل کر وہ دونوں باہر نکل گئے تھے.

گاڑی میں بیٹھ کر حمزہ نے ایک بار مڑ کر ماں کو دیکھا تھا. اس کی آنکھوں میں آنسو اور حمزہ کو روکنے کی چاہ تھی. لیکن الفاظ زبان تک نہیں آئے تھے.

حمزہ کی ہمت جواب دے رہی تھی. اس کا دل بے چین تھا. اس نے ماں کو ہاتھ ہلایا اور اس کے ہاتھ ہلانے کا انتظار کیے بغیر منہ پھیر لیا تھا.

ابھی وہ لوگ شہر سے باہر بھی نہیں نکلے تھے کہ آنے والے فون نے حمزہ کو ہلا کر رکھ دیا تھا. حمزہ کی گاڑی جس میں فیاض اور صوفیہ رانیہ کی طرف جانے کے لیے نکلے تھے وہ چند میل کا سفر طے کرتے ہی پھٹ گئی تھی. اس میں بم

فٹ تھا جو حمزہ کے لیے لگایا گیا تھا. حمزہ پر تو یہ قیامت کے مصداق تھا. وہ ایسے دوسرے سانحے کے لیے تیار نہیں تھا.

علی کو بھی فون آ گیا تھا. اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا وہ حمزہ کو کیا کہہ کر تسلی دے. وہ کچھ کہہ بھی رہا تھا تو اسے یقین نہیں تھا کہ حمزہ سن بھی رہا ہے یا نہیں.

یکے بعد دیگرے دو سانحوں نے حمزہ کو ختم کر دیا تھا.

اس کا ذمہ دار بھی حمزہ نے خود کو گردان لیا تھا. وہ دوبارہ کبھی اس گھر نہیں گیا تھا.

کس کس کے خون کا حساب دوں. حمزہ نے اپنا سر ہاتھوں میں گرایا. اس کی انگلیوں کی سختی بالوں پر بڑھتی جا رہی تھی. اس کا دماغ پھٹ رہا تھا.

حمزہ دیر مت کر. دینا.

ہماری لاشیں دیکھو گے تب تمہیں چین آئے گا؟

حمزہ میرے ساتھ رہنا ہمیشہ.

باپ کا سینہ بھی کوئی ٹھنڈا کرے گا یا نہیں.

اب تمہیں کس چیز کا انتظار ہے حمزہ.

حمزہ تم نے میری قسم اٹھائی ہے.

اگر تمہیں کچھ ہو گیا تو میں جیتے جی مر جاؤں گی.

ہماری لاشیں دیکھو گے تب تمہیں چین آئے گا.

آوازیں بلند ہوتی جا رہی تھی.

انگلیاں اس کے بال نوچ رہی تھیں.

اندھیرے میں کوئی چہرہ اسے نظر آیا تھا. آنے والے کو وہ دیکھ نہیں پا رہا تھا. اندھیرا کچھ چھٹا. اس نے دیکھا. وہ خود اپنے سامنے کھڑا تھا. وہ خود کو اپنے گلے لگانا چاہتا تھا. وہ آگے بڑھا.

آنے والا دور ہوتا جا رہا تھا..

اب چین ہے تمہیں؟ تمہاری ضد نے سب کی جان لے لی.

دور اندھیرے میں سے آواز آئی تھی.

مار دیا تم نے سب کو.

رانیہ کو.

ماں بابا کو.

قاتل ہو تم.

ظالم ہو.

آواز بلند ہوتی جا رہی تھی.

اور ساتھ ہی حمزہ کی تکلیف اور انگلیوں کی بالوں پر گرفت بھی بڑھتی جا رہی تھی.

رانیہ.. ماں. بابا. وہ چیخ رہا تھا. آواز حلق میں دب گئی تھی. اس نے ایک دم آنکھیں کھولی. سورج سر پر تھا. وہ کہاں تھا. وہ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا.

اس نے آس پاس دیکھا. یہ اس کے کمرے سے ملحق بالکونی تھی. ماضی کی بھول بھلیوں میں کب اس کی آنکھ لگ گئی اسے پتا ہی نہیں چلا تھا.

اس کا سر درد سے پھٹ رہا تھا. آنکھیں گزری اذیت کا پتا دے رہی تھیں. وہ کمرے میں آگیا. فرش پر پڑا کانچ اس کے پیر میں لگ گیا تھا. روح پر لگے گھاؤ اتنے گہرے تھے کہ وجود پر لگے زخم اسے تکلیف نہیں دیتے تھے. وہ نہا کر سیدھا نیچے بیسمنٹ میں چلا گیا تھا. جہاں سب اس کا انتظار کر رہے تھے.

"کہاں جاؤں میں. کس سے مدد مانگوں. مجھے کوئی تو رستہ دکھا میرے مالک. کوئی مسیحا کوئی مدد گار. کوئی تو ہو." وہ جائے نماز پر گڑ گڑا رہی تھی.

بھیڑیوں کی دنیا میں وہ اکیلی تھی. یہاں ہر کوئی اپنے فائدے کے لیے جی رہا تھا. وہ کہاں جائے اسے سمجھ نہیں آرہا تھا. گھر سے باہر نکلتی ہے تو انسان نما بھیڑیے اس پر جھپٹنے کو تیار بیٹھے ہیں. اس گھر میں رہتی ہے تو حمزہ کے احسانوں تلے روندی جارہی تھی.

"میرے بابا کو بھیج دیں اللہ جی پلیز." اس کی التجائیں بڑھتی جارہی تھی.

"مجھے میری پہلے والی زندگی لٹا دیں."

"بابا. آپکی حیا اکیلی ہے. آپ آجائیں." اس کے جسم کی جان نکلتی جارہی تھی. وہ جائے نماز پر نیچے نیچے جاتی جارہی تھی.

"مجھ. مجھے م.. م م. میرے بابا.. بابا.. کے پاس.. پاس.. جانا ہے." سسکیوں میں الفاظ دم توڑ رہے تھے. حواس کھو گئے تھے.

آنکھوں کے سامنے گھپ اندھیرا تھا. اس کے سر پر پھر کسی نے ہاتھ رکھا تھا. اس نے تڑپ کر آنکھیں کھولی.

"بابا.. بابا. آپ آگئے." اس کی دعا اتنی جلدی سن لی گئی تھی. اسے یقین نہیں آرہا تھا.

"آپ کہاں چلے گئے تھے بابا. آپکی حیا اکیلی رہ گئی ہے بابا. آپ واپس آجائیں. مجھے اپنے ساتھ لے جائیں." اس نے آنے والے کے ہاتھ پکڑے ہوئے تھے.

سفید کپڑوں میں کھڑے شخص کے ہونٹوں پر ہلکی مسکراہٹ تھی. وہ رو رہی تھی. وہ مسکرا رہا تھا.

"ماما تو چلی گئی تھیں. آپ بھی مجھے چھوڑ کر چلے گئے. بابا. مجھے.. اپنے. اپنے.. ساتھ لے.. لے.. جائیں." آنسوؤں میں ضبط ٹوٹ رہا تھا.

"بیٹا. وہ جو رب ہے اس نے تیرے لیے بہت بہتر سوچا ہوا ہے." آنے والے نے آسمان کی طرف اشارہ کیا.

"مجھ.. مجھے اپنے ساتھ.. ساتھ لے جائیں." رو رو کر اسکی ہچکی بندھ چکی تھی.

"بیٹی واپس اپنی دنیا میں چلی جا.. تیرا مسیحا تیرا انتظار کر رہا ہے." اندھیرا پھیلتا جا رہا تھا. دوبارہ گھپ اندھیرا تھا. آنے والا جا چکا تھا.

"حیا.. حیا.. "

"حیا.. "

"حیا.. "

کوئی اسے آواز دے رہا تھا.

وہ گھبرا کر اٹھی تھی.

رو رو کر اسکی آنکھیں درد کر رہی تھیں. آنکھوں کی سفیدی پر سرخ لکیریں واضح تھی. اس نے بمشکل آنکھیں کھولیں. جگانے والے کو بغور دیکھا. یہ پینتیس چھتیس سال کی خاتون تھی.

"باہر آؤ." وہ کہہ کر چلی گئی تھی.

حیا نے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے اور باہر آ گئی.

"تو تم ہو. جس سے حمزہ نے نکاح کیا ہے؟" خاتون کا انداز قدرے معیوب تھا.

"جی." اس نے اثبات میں سر ہلایا.

"اتنا سب ہو گیا تم اب بھی ڈھیٹ بنے یہیں پڑی ہو۔؟"

"میں خود یہاں نہیں آئی تھی۔" حیا نے وضاحت کی۔

"لے جانے کو تو تم اس کوٹھے پر بھی لے جائی گئی تھی۔ وہاں کیوں نہیں رہی؟" اب وہ اس کی تذلیل کر رہی تھی۔

حیا کی آنکھوں کی جلن اور بڑھ گئی تھی۔

"اپنا سامان اٹھاؤ اور نکلو یہاں سے۔" خاتون نے اس کے جواب کا انتظار نہیں کیا تھا۔

"م۔ میں کہاں جاؤں گی۔" حیا نے سہمے انداز میں کہا۔

"جہاں سے آئی ہو وہیں چلی جاؤ۔" وہ سخت دلی سے بولی۔

حیا کو اس جہنم میں واپس نہیں جانا تھا۔ وہ یہاں جیسے بھی رہ رہی تھی لیکن باہر کے درندوں سے تو محفوظ تھی۔

"تمہارا مسیحا تمہارا انتظار کر رہا ہے۔" اسے اپنا خواب یاد آیا۔

"مسیحا۔" وہ بڑبڑائی۔

اس نے ادھر ادھر دیکھا شاید وہ مسیحا نظر آ جائے۔ جو اسے روک لے۔ لاؤنج خالی تھا وہاں کوئی نہیں تھا۔

"میں کہاں جاؤں گی۔" اس نے ڈرتے ہوئے سامنے صوفے پر بیٹھی عورت سے کہا۔

"میرے بچے کی زندگی سے باہر۔" اس نے ہر لفظ پر زور دیا تھا۔

"ماسی! حمزہ سر کی آنکھوں میں میرے لیے نفرت تھی۔" شیری ابھی ردابہ کو ائیرپورٹ سے لے کر آیا تھا۔ وہ صوفے پر بیٹھی تھی۔ شیری نیچے کارپیٹ پر اس کے گھٹنے پر سر رکھے بیٹھا تھا۔

"نہیں بچہ! وہ بس ڈسٹرب ہو گا۔ بھلا تم سے وہ کیوں نفرت کرے گا۔" وہ اس کے بال سہلا رہی تھی۔

"وہ مجھ پر چلائے۔" شیری کو یہ ہی دکھ تھا۔ حمزہ اسے بہت لاڈ سے رکھتا تھا۔

"بیٹا. زندگی میں بہت کچھ ہوتا ہے. جس سے انسان ساری عمر بھاگتا ہے. اگر وہ تکلیفیں کسی اور رستے سے سامنے آکر کھڑی ہو جائیں تو اسکاری ایکشن ایسا ہی ہوتا ہے. تمہیں تکلیف ہوئی ہے پر بھائی کتنی تکلیف میں ہوگا یہ بھی تو سوچو. "وہ اس کے بالوں کو سہلاتے اسے سمجھا رہی تھی.

شیری حمزہ کو لے کر بہت پریشان تھا تبھی اس نے رات ہی ردابہ کو ساری صورتحال کا بتا کر اسلام آباد سے بلوالیا تھا.

سب لوگ دو گھنٹے پہلے ہی نکل گئے تھے. حمزہ نے فائنل پلان ترتیب دینا تھا جسے مکمل کر کے وہ ابھی بیسمنٹ سے آیا تھا. ردابہ کو وہاں دیکھ کر وہ چونکا.

"ماسی آپ کب آئیں. "وہ دھیمے قدم اٹھاتا ان کے پاس آیا.

"میرا بچہ. ماسی کی جان. "ردابہ حمزہ کو دیکھتے ہی کھل اٹھی تھی.

شیری سیدھا ہو گیا. ردابہ نے حمزہ کو گلے لگایا. اس کے دونوں گال چومے. وہ سعادت مند بچے کی طرح کھڑا رہا.

وہ اس کے پاس ہی صوفے پر بیٹھ گیا. شیری نے دوبارہ ردابہ کے گھٹنے پر سر رکھ لیا.

"کیسا ہے میرا پیارا بچہ. "ردابہ حمزہ پر واری جا رہی تھی.

"بہتر ہوں. "حمزہ کا سر ردابہ کے کندھے پر تھا. اور وہ ایک ہاتھ اس کے گال پر رکھے ہوئے تھی.

" آپ مجھے بتا دیتی میں. اپ کو پک کر لیتا. "حمزہ ردابہ سے کہہ رہا تھا.

"ارے نہیں. شیری ہے نا. یہ ہی لے آیا تھا مجھے. "ردابہ نے حمزہ کو نہیں بتایا کہ اس کو بلانے والا بھی شیری ہی تھا.

حمزہ کی نظریں کسی کو ڈھونڈ رہی تھیں.

"کچھ چاہئیے ؟"ردابہ نے اس کی بے چینی دیکھتے ہوئے ہو چھا.

"نہیں. "

"صبح سے کہاں تھے تم.؟"حمزہ نے شیری کے بالوں میں ہاتھ مارا. حمزہ کا لہجہ رات کی نسبت کافی بدلہ ہوا تھا.

شیری نے اسکا ہاتھ پیچھے کیا اور منہ دوسری طرف پھیر لیا.

حمزہ نے بے بسی سے ردابہ کی طرف دیکھا. اس نے حمزہ کو ہاتھ سے اشارہ کیا کہ سمجھ جائے گا.

"شیری بھائی کچھ کہہ رہا ہے."ردابہ نے اسے بلایا.

"مجھے بات نہیں کرنی."وہ انگلی سے کارپیٹ پر لکیریں کھینچ رہا تھا.

"شیری ی ی ی.."ردابہ نے اسے تنبیہہ کی.

"ہاں تو ماسی یوں نہیں ہوتا. آپ اس وقت ان کو دیکھتیں. کس طرح سے انہوں نے بھابھی کو جکڑا ہوا تھا. وہ تو ہل بھی نہیں پا رہی تھیں. مجھے ان سے خوف آ رہا تھا."وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا تھا. حمزہ اسے بغور سن رہا تھا لیکن شیری نے اس سے نظریں نہیں ملائی.

وہ واقعی آپے سے باہر تھا اس وقت.

"پہلے کبھی اس نے یوں کیا.؟ نہیں نا؟"ردابہ نے سنجیدگی سے شیری کو دیکھا.

"نہیں پر. اب بھی کیوں؟ ماسی. مجھے بہت ڈر لگا اس وقت. انہوں نے کہا ان کو کسی کی ضرورت نہیں. میری بھی نہیں. میری."شیری نے خود کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آخرے لفظ پر زور دیا.

"بس میں نے بھی فیصلہ کر لیا ہے اگر ان کو میری ضرورت نہیں تو میں بھی یہاں نہیں رہوں گا. آپ مجھے اپنے ساتھ لے جائیں."وہ دوبارہ ردابہ کے گھٹنے پر سر رکھ کر بیٹھ گیا تھا.

حمزہ کو شیری کے اس کے ساتھ نہ رہنے والے فیصلے نے تکلیف دی تھی. لیکن اس نے ظاہر نہیں کیا تھا.

"تم جانا چاہتے ہو تو چلے جاؤ. میں روکوں گا نہیں."اس نے پتھر دلی سے کہا. حمزہ کے الفاظ شیری پر سخت گزرے تھے.

شیر ی نے سر اٹھا کر حمزہ کو دیکھا جیسے وہ یقین کرنا چاہتا ہو کہ یہ الفاظ حمزہ کے ہی تھے. ردابہ نے حمزہ کو قدرے تنبیہی انداز سے دیکھا.

"چلا جاؤں؟" شیر ی نے حمزہ کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا.

"میرے بغیر رہ سکتا ہے؟" حمزہ نے اس کے سوال کے جواب میں سوال کیا. لہجے میں اعتماد اور شیر ی کے لیے محبت تھی.

شیر ی زیادہ دیر حمزہ سے ناراض نہیں رہ سکتا تھا. اس کو چھوڑ کر جانا تو بہت دور کی بات تھی. اور ایسا ہی ہوا تھا. کافی دیر شیر ی یوں ہی خاموش بیٹھا رہا پھر وہ اٹھ کر صوفے پر آ گیا.

"حمزہ سر آج میں جو ہوں آپ کی وجہ سے ہوں. اتنے پیارے رشتے آپ نے ہی مجھے دیے ہیں." وہ ردابہ کی طرف دیکھ رہا تھا. حمزہ نے اس کے گال پر ہاتھ رکھا جو جھٹ سے شیر ی نے اپنے ہاتھوں میں لے لیا تھا.

"آپ یوں چیختے چلاتے کسی کو تکلیف دیتے اچھے نہیں لگتے." اس کی آنکھیں جھلملا رہی تھیں.

"اب تو روئے گا؟ سب کو پتا چلے گا تو وہ ہنسیں گے." حمزہ اس کا دھیان بھٹکا رہا تھا.

"آپ بات نہیں بدلیں. ماسی آپ کہیں ان سے."

وہ دوبارہ نیچے آ کر بیٹھ گیا.

"ہاں کہہ دوں گی اور سمجھا بھی دوں گی. تم فکر نہیں کرو. بس بھائی کا خیال رکھو." ردابہ نے شیر ی کے سر پر پیار دیا.

"اب چلو شاباش اٹھو اور گلے لگاؤ بھائی کو."

"آپ ان سے کہیں پہلے کہ دوبارہ یوں نہیں کریں گے. اور آپ ڈانٹیں بھی تو. آپ نے ان کو کچھ بھی نہیں کہا."

وہ صحیح کہہ رہا تھا. ردابہ جب سے آئی تھی وہ شیر ی کو ہی سمجھائے جا رہی تھی. اس نے ایک بار بھی حمزہ سے اس کے رویے کی وجہ جاننا نہیں چاہی.

"سمجھاؤں گی بھی اور ڈانٹوں گی بھی. لیکن اچھا تھوڑی لگتا چھوٹے بھائی کے سامنے اسے ڈانٹوں. ہاں؟"

"اب شاباش اٹھو." وہ شیری کو پچکار رہی تھیں.

حمزہ باقاعدہ اس کے بدلتے تاثرات کا جائزہ لے رہا تھا. شیری منہ بنائے بیٹھا تھا. اور اب بات کرتے وہ حمزہ کو بھی اپنی خفگی دکھا رہا تھا.

"مجھے پتا ہے آپ ان کی سائڈ پر ہی ہیں." وہ ابھی بھی منہ بنا کر بیٹھا تھا.

"اب تم کھڑے ہوتے ہو کہ نہیں." ردابہ نے اسے ڈانٹا.

"مجھے ڈر لگتا ہے. پہلے آپ ان سے کہیں کہ یہ مسکرائیں." شیری اتنی جلدی کہاں ماننے والا تھا.

"حمزہ بھئی مسکرا دو میرے بچے کے لیے." ردابہ نے حمزہ کو دیکھتے ہوئے کہا.

"کھڑا ہو ڈرامے باز." حمزہ ردابہ سے الگ ہو کر کھڑا ہو گیا تھا اور ہاتھ سے شیری کو بھی کھڑے ہونے کا اشارہ کیا.

"آئندہ آپ نے یوں کیا تو بات نہیں کروں گا آپ سے میں."

وہ بھی کھڑا ہو گیا تھا.

اب وہ ایک دوسرے کے گلے لگے کھڑے تھے.

"آااوو.. لولی پوز." ردابہ کھڑی ہو چکی تھی. اس نے اپنے فون میں دونوں کی اسی طرح تصویر لی.

"ایوری باڈی لوز دس حمزہ." حمزہ سے الگ ہوتے شیری نے اسے بتایا.

لیکن حمزہ جانتا تھا وہ ایسا نہیں تھا. اصل حمزہ وہ ہی تھا جسے وہ رات دیکھ چکا تھا. جس کی تکلیف اتنی تھی کہ وہ کسی سے ملنا نہیں چاہتا تھا. لیکن کام ایسا کہ وہ خود کو کمرے میں بند کر کے نہیں بیٹھ سکتا تھا. لوگوں میں بیٹھا وہ ایک سنجیدہ اور دھیمی طبیعت کا معلوم ہوتا تھا. لیکن اس کے ماضی کا شور اسے رات کی خاموشی میں ہر رات مارتا تھا اور ہر صبح وہ پر سکون حمزہ بن کر کمرے سے باہر نکلتا.

"کیاماسی. ابھی بھی آپ کو اسی طرح فوٹو گرافی کا شوق ہے. "شیری نے اپنی اور حمزہ کی تصویر دیکھتے ہوئے کیا. حمزہ اپنے خیالوں سے باہر آیا.

"اپنے بچوں کو ایسے ایک دوسرے سے محبت کرتے دیکھ کر کون سی ماں خوش نہیں ہوتی. "وہ اب حمزہ کو دوبارہ پیار کر رہی تھی.

"بچوں کو؟ یہ کہیں صرف حمزہ سر کو. "وہ منہ بنا کر کھڑا ہو گیا.

"ادھر آو زرا تم. کتنی بار سمجھایا ہے کہ بھائی کہا کرو. "ردابہ نے شیری کا کان کھینچا.

اچھا اچھا. درد ہو رہا ہے. چھوڑ دیں. وہ درد سے کراہا.

گڈ بوائے. ردابہ ہنسی.

حمزہ کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی.

ردابہ حمزہ کی ماں کی چھوٹی بہن تھی. اس کی عمر لگ بھگ انتالیس چالیس ہو گی. لیکن اپنے پہننے اوڑھنے سے وہ تیس پینتیس کی ہی لگتی تھی. پیشے سے وہ ڈاکٹر تھی. اور شادی بھی انہوں نے ڈاکٹر سے ہی کی تھی.

حمزہ ہمیشہ سے ہی ردابہ کے قریب رہا تھا. تبھی حمزہ کو ایک سوئی بھی چبھ جاتی تو ردابہ سب کچھ چھوڑ کر اس کے پاس آجاتی. وہ اپنی ہر بات حمزہ سے شیئر کرتی. ہر معاملے میں اس سے مشورہ لیتی. اور یہ ہی حال حمزہ کا تھا. ردابہ اس کے لیے خالہ سے زیادہ اچھی دوست تھی. اب بھی وہ سب کچھ چھوڑ کر راتوں رات حمزہ کے پاس آگئی تھی.

ردابہ نے دونوں کے لیے ان کا پسندیدہ کھانا بنایا. وہ تینوں اب ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے لنچ کر رہے تھے. سامنے کرسی پر حمزہ تھا اور اس کے داہنے طرف شیری اور اس کے سامنے ردابہ بیٹھے تھے.

"ماسی آپ یہیں کیوں نہیں رہ جاتیں؟" یہ شیری تھا.. "کیوں تم مجھے مس کرتے ہو.؟" ردابہ کو اس سے کسی الٹی بات کی ہی توقع تھی.

نہیں حمزہ بھائی مس کرتے ہیں آپکو. میں بھی کرتا ہوں. لیکن جب بی اماں کا بنایا پھیکا کھانا کھانا پڑتا ہے تب.

اس نے سنجیدگی سے کہا.

ردابہ مسکرائی.

"اس لڑکی کو بھی بلا لیتے."حمزہ حیا سے اس لڑکی پر آ گیا تھا..

"کس کو؟"ردابہ حیران ہوئی.

حمزہ نے شیری کی طرف دیکھا. وہ اپنی پلیٹ پر جھکا ہوا تھا.

"شیری حیا کو بلا لو."جب اس نے سر نہیں اٹھایا تو حمزہ نے اسے مخاطب کیا.

"وہ نہیں آئیں گی."شیری نے اوپر دیکھے بغیر کہا.

"تو اندر ہی دے آؤ."حمزہ نے بظاہر لاپرواہی دکھائی.

"اندر بھی نہیں کھا سکتیں."شیری بدستور پلیٹ کی طرف دیکھ رہا تھا.

حمزہ نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے پہلے ردابہ پھر شیری کو دیکھا.

"میں نے اسے گھر سے نکال دیا ہے."کہنے والی ردابہ تھی. حمزہ کی آنکھوں میں حیرت تھی. منہ میں جاتی چمچ رک گئی تھی. اس نے ہاتھ نیچے گرایا.

"لیکن کیوں؟"

"جو کوئی میرے بچے کو تکلیف دے گا. وہ یہاں نہیں رہ سکتا."ردابہ نے حمزہ کے گال کو پیار سے چھوا.

ہاہاہا.. اس کے دماغ میں کوئی ہنسا تھا.

ایک اور زندگی تمہاری وجہ سے تباہ ہو گئی. ہنسنے والے کی آواز آئی تھی.

حمزہ کی چمچ پر گرفت مضبوط ہو گئی تھی. اس کے ہاتھ کی رگیں نمایاں ہوتی جا رہی تھیں. اس کے چہرے کی سختی بڑھ گئی تھی.

بھائی. ؟شیری اس کے بدلتے تاثر دیکھ کر پریشان ہو گیا تھا.

"ہاں. "حمزہ کو اپنے حلق میں کچھ اٹکتا محسوس ہوا.

"آئی تھنک آئی ایم ڈن."

وہ کھانا یوں ہی چھوڑ کر چلا گیا تھا.

رات کے گیارہ بج رہے تھے جب حمزہ اپنے کمرے میں آیا.. سب کچھ سلیقے سے اپنی جگہ رکھا تھا. کوئی کہہ نہیں سکتا تھا یہاں کل رات کوئی طوفان آیا تھا. ردابہ نے حمزہ کے بیسمنٹ سے آنے سے پہلے اسے تکلیف دینے والی ہر چیز ہٹا دی تھی. چاہے وہ بے جان تصویریں ہوں یا جیتی جاگتی حیا.

لنچ کے بعد گھر سے نکلا وہ اب واپس آیا تھا. اس نے لائٹس آف کی ہوئی تھیں. روشن کمرے میں اسے کوفت ہوتی تھی.

ابھی اسے آئے پندرہ منٹ گزرے تھے کہ دروازے کے باہر کسی کے قدموں کی آہٹ پر اس نے آنکھیں بند کر کے چہرے پر بازو رکھ لیا.

آنے والے نے دروازہ کھولا.

بھائی. آپ سو رہے ہیں؟

حمزہ کچھ نہیں بولا. وہ دوبارہ آہستہ سے درزازہ بند کر کے واپس چلا گیا.

حمزہ نے منہ سے بازو ہٹایا. اور دروازے کی طرف دیکھا.

دروازہ بند دیکھ کر اس نے ایک گہرا سانس بھرا.

حمزہ کی زندگی میں سب تھا. پیسہ, دولت, نام, پیار کرنے والے رشتے جو مشکل وقت میں اسے تھام سکیں. لیکن وہ سب سے بھاگ رہا تھا. خود سے بھاگ رہا تھا.

"اگر حیا کو کچھ ہو گیا تو" یہ سوچ کر ہی اس کے رونگھٹے کھڑے ہو رہے تھے. وہ کس کس کو مارے گا.

شاید سب کی لاشیں دیکھ کر ہی اسے چین آنا تھا.

کافی دیر وہ یوں ہی لیٹا چھت کو دیکھتا رہا.. اب وہ فون پر کسی کا نمبر ملا رہا تھا.

ہاں کچھ پتا چلا؟ حمزہ نے چھوٹتے ہی پوچھا.

نہیں یار. ابھی ڈھونڈ رہے ہیں.

اس کے گھر دیکھا؟

ہاں سب سے پہلے وہیں پتا کیا. لیکن وہاں تالا لگا تھا.

ہمم..

تو فکر نہ کر. جیسے ہی کچھ پتا چلتا ہے. میں تجھے فون کرتا ہوں. دوسری طرف علی تھا.

حمزہ نے کچھ کہے بغیر فون رکھ دیا.

ہیلو فضول آدمی!

ہیلو. وہ سو رہا تھا جب اس کا فون بجا.

سو رہے تھے؟

ہاں. وہ نیند میں بڑبڑایا.

بتاؤ اوپر کیا ہے. اس نے عجیب سوال کیا.

اوپر چھت ہے رانیہ. اس نے فون یوں ہی کان پر رکھ کر ہاتھ پیچھے کر لیا.

اچھا بتاؤ2+2 کتنے ہوتے ہیں. وہ شاید اسکی میتھ کا ٹیسٹ لے رہی تھی..

مجھے نیند آرہی ہے تم کیلکولیٹر پر دیکھ لو. وہ بھی حمزہ تھا. رانیہ کا کلاس فیلو, دوست اور اب منگیتر.

بتاؤ پلیز.

4وہ اسی طرح نیند میں بڑبڑایا.

چاند پر جائیں. تو زمین نیچے نظر آتی ہے یا اوپر. اب وہ فزیکس کا ٹیسٹ لے رہی تھی.

آپ کا مطلوبہ نمبر سو رہا ہے. دو گھنٹے بعد وہ خود آپکو کال کرلے گا. کہہ کر حمزہ نے فون رکھ دیا.

ابھی چند سیکنڈ گزرے تھے کہ فون دوبارہ بجا.

اس نے فون کان سے لگایا.

رانیہ قسم سے.. اس کی بات ادھوری رہ گئی تھی.

For all those times you stood by me

For all the truth that you made me see

For all the joy you brought to my life

For all the wrong that you made right

For every dream you made come true

For all the love I found in you

I'll be forever thankful baby

ہیپی برتھ ڈے ٹو یو. ہیپی برتھ ڈے ٹو یو.

ہیپی برتھ ڈے پیارے لڑکے. رانیہ اس کے لیے برتھ ڈے سانگ گا رہی تھی.

اس نے وال کلاک پر نگاہ ڈالی. پورے بارہ بجے تھے.

وہ مسکرایا.

You were my strength when I was weak

You were my voice when I couldn't speak

You were my eyes when I couldn't see

You saw the best there was in me

Lifted me up when I couldn't reach

You gave me faith 'cause you believed

I'm everything I am

Because you loved me

تھینک یو پیاری لڑکی. اس نے وہیں سے گانا پکڑا اور پھر رانیہ کے انداز میں ہی اسے شکریہ کہا.

اس کے اس انداز پر رانیہ کا دل پیار سے بھر گیا تھا.

لو یو. ان دو لفظوں میں رانیہ نے اپنی جان رکھ دی تھی. لو یو ٹو. آنکھیں بند کیے وہ اس کے پیار کو محسوس کر رہا تھا.

ان الفاظ کے آگے کہنے کو کچھ تھا ہی نہیں. کافی دیر وہ چپ ایک دوسرے کے بولنے کا انتظار کرتے رہے.

کیمرہ آن کرو. رانیہ بولی تھی.

کیا دیکھو گی. آنکھیں بدستور بند تھی.

تمہیں. لہجے میں پیار تھا.

ویسا ہی ہوں.

ہاں تو میں کون سا کہہ رہی ہوں تمہارے سینگ اگ آئے ہیں. وہ بگڑی.

حمزہ ہنسا.

اچھا رکو. حمزہ نے کیمرہ آن کیا.

حمزہ‌ہہ.. وہ دھیمے سے بولی.

جی جناب. حمزہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا تھا.

میرا دل کر رہا ہے میں اڑ کر تمہارے پاس آ جاؤں.

آ جاؤ. وہ مسکرایا.

اچھا چلو سوچو میں تمہارے پاس ہوں. تکیہ گود میں دبائے وہ بھی سیدھی ہو کر بیٹھ گئی.

سوچ لیا. حمزہ کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی.

اندھیرے میں جگمگ کرتی ایل ای ڈی لائٹس. میز پر کیک اس کے ساتھ کینڈل. اپنی وائٹ ٹی شرٹ اور اس پر بلیو جیکٹ پہنے تم اور ہینڈسم لگ رہے ہو. اس نے ایک سانس میں منظر کشی کی.

اور تم کہاں ہو.

میں. میں نے کہاں ہونا ہے تمہارے پاس ہی ہوں.

نہیں. تم تو نہیں ہو. وہ اسے تنگ کر رہا تھا.

تو میں کہاں ہوں. رانیہ نے منہ بنایا.

تم. تم میرے بازوؤں کی قید میں ہو.

رانیہ نے مسکراہٹ چھپاتے سر جھکایا. وہ شرما رہی تھی.

حمزہ بدستور اسے اپنی آنکھوں کے حصار میں لیے ہوئے تھا.

اب بولو. حمزہ نے اسے چھیڑا.

تم برے ہو. وہ سمجھ گئی تھی.

حمزہ نے قہقہہ لگایا.

اور تم ہمیشہ کی طرح بہت اچھی ہو.

وہ مسکرا رہا تھا.

ہواز دس ہینڈسم بوائے.

وہ چونکا. وہاں ردابہ تھی. اپنے خیال سے وہ باہر نکل آیا تھا. مسکراہٹ ہلکی پڑ گئی تھی.

ماسی ی ی.

یہ سب ضروری ہے؟ آپ کو پتہ ہے مجھے اب یوں برتھ ڈے منانا اچھا نہیں لگتا.

بچے گھر کا ماحول تین دن سے اتنا ٹینس ہے. شیری خوش ہو جائے گا اور تمہیں بھی اچھا لگے گا. ردابہ نے اسے شیشے میں دیکھتے ہوئے کہا.

میں جا رہی ہوں. تم بھی جلدی سے آجاؤ سب انتظار کر رہے ہیں. وہ چلی گئ تھی.

دو دن وہ بے حد مصروف رہا تھا. اور اب جب وہ گھر آیا تو پورا اسکواڈ وہاں موجود تھا. حمزہ کی سالگرہ تھی. لاؤنج کو برتھ ڈے وینیو میں بدل دیا گیا تھا.

اور ردابہ کے اصرار پر حمزہ چینج کرنے اوپر آیا تھا.

شیشے کے سامنے کھڑا رانیہ کی پسند کی ڈریسنگ کیے وہ ماضی میں چلا گیا. دو دن بعد یا دس دن بعد وہ جب گھر جاتا رانیہ اس کا گزرا برتھ ڈے ضرور مناتی تھی. رانیہ کے بعد یہ پہلی بار تھا کہ وہ اپنی سالگرہ منا رہا تھا. یا کہا جائے ردابہ نے یہ ممکن کر دیا تھا.

سیڑھیوں سے نیچے لاؤنج تک مختلف پھولوں سے سجاوٹ کی گئی تھی. اور سیڑھیوں کے ساتھ کالے غبارے لگے ہوئے تھے. لاؤنج کے ایک کارنر میں میز لگا تھا. جس پر کیک, پیسٹریز, مختلف برتھ ڈے پراپس پڑے تھے. میز کے پیچھے دیوار پر گولڈن رنگ کا مصنوعی بیک گراؤنڈ تھا. صوفوں کو گھما کر میز کی طرف کر دیا گیا تھا.

سفید ٹی شرٹ پر بلیو جیکٹ پہنے وہ اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرتا کمرے سے باہر آیا.

سو دی برتھ ڈے بوائے از ہیئر. حمزہ کو دیکھتے ہوئے شیری نے اعلان کیا.

اہاں. ہینڈسم اینڈ دی ڈیشنگ پرسنالٹی آف دی ہاؤس از ہیئر. یہ شیر وان تھا.

کیسا ہے میرا شیر. علی نے حمزہ کو گلے لگایا.

مجھے کیا ہونا ہے. تو سنا.. کام کہا تھا. آخری الفاظ حمزہ نے آہستہ کہے.

ہو جائے گا. علی نے بھی اسی انداز میں جواب دیا.

"کہاں سے آئی ہو."

اس کے سامنے چالیس پینتالیس سالہ آدمی بیٹھا تھا.

یہ جگہ اس کے لیے اجنبی تھی. وہ گھبرائی ہوئی تھی.

"لاہور." اس نے مختصر جواب دیا.

"ہو آر یو؟" آدمی نے میز پر پڑے کاغذوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا.

"حیا." وہ اپنی انگلیاں مسلسل مروڑ رہی تھی.

"آئی سیڈ ہو آر یو. نام نہیں پوچھا. "اب وہ دراز سے کچھ اور فائلز نکال کر میز پر رکھ رہا تھا.

"سٹوڈنٹ. "پھر ایک لفظی جواب آیا تھا.

"میں نے یہ نہیں پوچھا. تم سٹوڈنٹ ہو یا جاب کرتی ہو."

"جسٹ لیٹ می نو تم کون ہو. "آدمی سیدھا ہو کر بیٹھ گیا تھا.

وہ خاموش رہی.

"اگر تم خود یہاں آئی ہوتی تو شاید میں تمہیں اس ٹریننگ کا حصہ بنانے سے پہلے سوچتا لیکن ڈاکٹر ہارون خود تمہیں اپنے سیشنز کا حصہ بنانا چاہتے ہیں تو میرے پاس کوئی چارہ نہیں. "آدمی نے اپنے بازو میز پر رکھتے ہوئے دونوں ہاتھ کی انگلیاں آپس میں ملائی.

وہ اب بھی کچھ نہیں بولی تھی.

"میں امید کروں گا جب تم یہاں سے جاؤ تو اس ایک سوال کا جواب لے کر جاؤ. "کہہ کر آدمی نے رسیور اٹھایا اور ایک نمبر ملا کر دوسری طرف سے رسپانس کا انتظار کرنے لگا.

"ہاں جنت یہ لڑکی ہے. اسے بھیج رہا ہوں. اس کا نام ڈاکٹر ہارون کے سیشنز کے لیے رجسٹر کر دو."

سب سے ملنے کے بعد کیک کاٹا گیا. سب حمزہ کو گھیرے کھڑے تھے. حمزہ نے سب سے پہلے کیک ردابہ کو کھلایا. جس نے جواباً ایک ٹکڑا حمزہ کے منہ میں ڈالا.

"تم جیو ہزاروسال. "شیری نے حمزہ کو کیک کھلایا. اور ہاتھ حمزہ کے گال پر لگا دیا. حمزہ نے منہ بسورتے ہوئے ٹشو سے گال پر لگا کیک اتارا. ردابہ نے یہ لمحہ بھی کیمرے میں قید کر لیا تھا.

کیک کاٹنے کے بعد کھانا سرو کر دیا گیا تھا.

فریحہ, حمزہ اور علی ایک طرف بیٹھے تھے.

"اچھا تم حمزہ سے پوچھ لو." وہ دونوں کسی بات پر بحث کر رہے تھے اور اب فیصلہ حمزہ پر چھوڑ دیا تھا.

"کیوں بچوں کی طرح لڑ رہے ہو." حمزہ کب سے بیٹھا ان کا منہ دیکھ رہا تھا.

"اسے لگتا ہے کہ میں اسے ٹائم نہیں دیتا. تو بتا ایسا ہے؟" علی نے پوچھا.

حمزہ نے ایک نظر اپنے دوست کی معصوم شکل اور پھر اس کی خوبصورت زوجہ کو دیکھا.

"علی ہمیشہ سب سے پہلے نکل جاتا ہے. کیوں کہ یا تو اس نے تمھیں تھانے سے پک کرنا ہوتا ہے یا ڈراپ کرنا ہوتا ہے. تو میرے خیال سے علی اپنا زرا سا بھی فارغ وقت تمہارے ساتھ ہی گزارتا ہے." تھوڑی دیر سوچنے کے بعد اس نے حقیقت بتائی.

علی کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ پھیل گئی تھی.

"بس کرو حمزہ. تم بھی اسی کا ساتھ دو گے." فریحہ کا منہ بن گیا تھا.

دوسری طرف کچھ فاصلے پر ردابہ, شیری اور سمایا بیٹھے تھے.

"تم نے شیری کے بجائے مجھے کیوں نہیں بتایا." ردابہ کی مخاطب سمایا تھی.

"بیٹا. حمزہ مجھے بہت پیارا ہے. اگر وہ تکلیف میں ہو گا تو میں برداشت نہیں کروں گی." ردابہ نے حمزہ کو دیکھا جو اب بھی علی اور فریحہ کا مسئلہ حل کروا رہا تھا.

"میں نے شیری سے بات کی تھی. اس نے مجھے سنا ہی نہیں. مجھے لگا آپ کو بھی شیری کی طرح میرا حمزہ سر کے بارے میں یوں کہنا اچھا نہیں لگے گا." وہ صفائی دے رہی تھی.

"یہ میرا لڑکا تو بدھو ہے." ردابہ نے شیری کے سر پر چپت لگائی.

"ماسی. حمزہ بھائی بہت پیار کرنے والے ہیں. تو میں ان کے بارے میں کیسے یہ سب سنتا. "اس کے انداز سے حمزہ کے لیے پیار چھلک رہا تھا.

سمایا اور شیری اس بارے میں تفصیلی ملاقات کر چکے تھے. اور شیری نے اس کے ساتھ ہونے والی گفتگو ردابہ کو بھی بتائی تھی. تب سے ردابہ حمزہ کو لے کر فکر مند تھی.

ابھی بھی وہ سمایا سے اسی بارے میں سوال جواب کر رہی تھی.

بقول سمایا حمزہ کا ہر وقت ایز میں رہنا. کم ہنسنا. کم بولنا. غصے کا بھی کھل کر اظہار نہ کرنا. اس سب نے اسے مجبور کر دیا کہ وہ شیری سے اس بارے میں بات کرے. وہ نارمل بی ہیو کرنے کے چکر میں کچھ زیادہ ہی پر سکون دکھتا تھا. اس کے علاوہ اس نے ایک دو بار حمزہ کو یوں ہی چیختے چلاتے سنا تھا. اس کی باڈی لینگویج اور اس کے چہرے کے تاثرات مطابقت نہیں رکھتے تھے. وہ نارمل دکھتا تھا لیکن وہ نارمل تھا نہیں.

شیری اٹھ کر چلا گیا تھا. ردابہ اب بھی بیٹھی سمایا سے حمزہ کے بارے میں مختلف پہلو ڈسکس کر رہی تھی.

"میں آپ لوگوں کا مسئلہ حل کروا سکتا ہوں. "شیری نے حمزہ کے ساتھ بیٹھتے ہوئے کہا.

حمزہ جو پچھلے پونے گھنٹے سے ان کے درمیان صلح صفائی کروا رہا تھا. شیری کے اعتماد کو سراہے بغیر نہیں رہ سکا.

"تم ریلیشن شپ ایڈوائزر ہو. ؟حمزہ نے آگے ہوتے ہوئے اسے کہا.

"چاہے میں شادی شدہ نہیں ہوں لیکن ریلیشنشپ کو آپ سب سے زیادہ سمجھتا ہوں. "وہ اب شیخی بکھار رہا تھا.

"مجھے لگتا ہے آپ دونوں کو ہنی مون پر چلے جانا چاہیئے. "نان کو قورمے میں لگا کر اس نے منہ میں رکھا.

علی اور فریحہ جو اب تک بحث کر رہے تھے اب ہونقوں کی طرح کھانے میں مصروف شیری کو دیکھ رہے تھے.

"اور بھی تم لوگوں کا کوئی مسئلہ ہو تو پوچھ لو باباجی سے. "حمزہ اب علی اور فریحہ کی حالت سے لطف اندوز ہو رہا تھا. ان کی حالت دیکھنے والی تھی.

"ماسی مجھے لگتا ہے اب شیری کے لیے کوئی لڑکی ڈھونڈ لینی چاہئیے۔ "حمزہ نے سامنے آتی ردابہ سے کہا۔ اس کے ساتھ سمایا، زویان، شیر وان سب آ گئے تھے۔

"نہیں پہلے حمزہ سر کے ہاتھ پیلے کروائیں۔ بھابھی آئے۔ دو چار بچے ہوں جو مجھے چاچو چاچو بلائیں۔ پھر میں سوچوں گا۔ "شیری نے اگلے پانچ چھ سال کی پلاننگ بتائی۔

حمزہ کے تاثرات بدل گئے تھے۔

"ارے تم۔ میرے بچے کی پرواہ نہیں کرو۔۔ "ردابہ حمزہ کے سر پر کھڑے اسے پیار کر رہی تھی۔

حمزہ تکلفاً مسکرایا۔

"ماسی۔ انیقہ کو بلوا لیں۔ لگے ہاتھوں شیری کی منگنی کر دیتے ہیں۔ "حمزہ نے سب کی توجہ خود سے ہٹائی۔

شیری جو ابھی ریلیشن شپ ایکسپرٹ بنا بیٹھا تھا اب مدد کا طلب گار تھا۔

"نہیں پلیز نہیں۔ "وہ کھانا بھول کر حمزہ سے رحم کی اپیل کر رہا تھا۔

"ابھی تو تو نے کہا تو ریلیشن شپ کو سمجھتا ہے۔ "حمزہ کے ہتھے وہ چڑھ چکا تھا۔

"ہاں تو ریلشن شپ ایڈوائس بندہ تب تک ہی دے سکتا ہے جب تک وہ خود اس جنجال سے دور ہو۔ "شیری نے فلسفیانہ بات کی تھی۔

ماسی۔ آپ بلا لیں انیقہ کو۔ حمزہ نے فیصلہ سنا دیا تھا۔

"اسلام علیکم ماں جی۔ "

"وعلیکم اسلام۔ "عورت نے اپنی عینک ٹھیک کرتے ہوئے اسے جواب دیا۔ وہ ادھیڑ عمر خاتون تھی جس نے دروازہ کھولا تھا۔

"یہ ساتھ والے گھر میں کوئی نہیں رہتا؟"حمزہ نے احتیاطاً گھر والوں کا نام نہیں لیا تھا.

"نہیں."

"تم نے خریدنا ہے. تو انتظار کرنا پڑے گا. ان کے لڑکے سال بعد باہر سے آتے ہیں ان سے بات کر لینا."عورت نے خود ہی مطلب نکالا.

"تو یہاں کوئی نہیں رہتا؟ مطلب ان کا کوئی رشتے دار وغیرہ."

"رہتا بھی ہو تو تم سے مطلب"ادھیڑ عمر عورت نے اسے گھورا.

"نہیں مطلب تو کوئی نہیں."

"تو؟"وہ اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہی تھی.

"ماں جی میں خفیہ ادارے سے ہوں."حمزہ نے آہستہ سے کہا.

"تو میں کیا کروں؟"

حمزہ کو اس جواب کی توقع نہیں تھی.

"میں پولیس والا ہوں.؟حمزہ کو لگا شاید عورت کے سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے تو اس نے آسان الفاظ میں بتایا.

"کیا ہو؟"عورت نے کان پر ہاتھ رکھا.

"پولیس والا."حمزہ نے قدرے اونچا کہا.

"شکل سے تو تم کوئی گنڈے موالی لگتے ہو."عورت نے اب کہ اس کو نیچے سے اوپر تک دیکھتے ہوئے کہا.

کچھ دیر یوں ہی حمزہ کھڑا اس عورت کو دیکھتا رہا.

"یہ کیا چیز ہے؟"حمزہ نے دل میں سوچا.

"گالیاں نکال رہے ہو مجھے."عورت نے اپنی عینک کے اوپر سے اسے دیکھا

"گالیاں؟" حمزہ کو یاد نہیں آیا کبھی اس نے ہوش و حواس میں کوئی گالی دی ہو.

"بی بی ہمارے ساتھ تعاون کریں." وہ کس عذاب میں پھنس گیا تھا.

"میں نہیں کرتی. کرلو جو کرنا ہے."

"ہاں." حمزہ اس عورت کی دیدہ دلیری پر حیران تھا.

"تم جیسے لڑکے یوں ہی آتے ہیں محلے کی عورتوں کو چھیڑنے." حمزہ کو خاموش دیکھ کر اس نے دوبارہ منہ کھولا.

حمزہ کو لگا کسی نے اس کے سر پر کچھ گرا دیا ہو.

.

"کہیں تم فوزیہ کی لڑکی کو نکالنے تو نہیں آئے؟. بہتری بار میں نے اس کو یوں ہی ایسی گاڑی میں آتے جاتے دیکھا ہے." اس نے حمزہ کی گاڑی کی طرف اشارہ کیا.

"اور شکل سے بھی تم مشٹنڈے ہی لگتے ہو." عورت نے منہ بنایا.

حمزہ کو اپنا سر گھومتا محسوس ہوا. ایسا کامپلیمنٹ اسے کبھی کسی نے نہیں دیا تھا.

"اماں کون ہے." حمزہ نے کچھ کہنے کو منہ کھولا تھا کہ پیچھے سے ایک آدمی نمودار ہوا.

"جی؟ کس سے ملنا ہے آپکو؟" آنے والے نے پوچھا.

"ہیلو. آئی ایم فرام انٹیلیجنس." حمزہ نے اسے اپنا کارڈ دکھاتے ہوئے ہاتھ بڑھایا.

"ہاؤ کین آئی ہیلپ یو؟" لڑکے نے اس کا بڑھا ہوا ہاتھ تھاما.

"یہ آپ کے ساتھ والے بنگلے میں کوئی نہیں رہتا؟" حمزہ نے مطلب کا سوال کیا.

"رہتے تھے. لیکن ایک مہینہ پہلے ان کی لڑکی کہیں غائب ہو گئی تھی." آدمی نے کہا.

"بڑھاپے میں باپ کی کمر توڑ دی منحوس ماری نے. بڈھا بھی دو دن بعد چل بسا." ادھیڑ عمر عورت بولی تھی.

"تو وہ لڑکی واپس نہیں آئی؟" اس نے لڑکے سے پوچھا.

"ارے کاہے کو آتی. کوئی واپس آنے کے لیے تھوڑی نا گھر سے بھاگتا ہے." عورت منہ سے خرافات نکال رہی تھی.

حمزہ کا اندازہ غلط نہیں تھا. ایسے کیسز میں پچانوے فیصد لوگ لڑکی کو قصوروار ٹھہرا دیتے ہیں. اور قبول کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا.

"اماں تو اندر جا." آدمی نے عورت سے جو غالباً اس کی ماں تھی کہا.

"ہاں ہاں جا رہی ہوں. پر یاد رکھیو. یہ ہی لڑکا فوزیہ کی لڑکی کو بھگائے گا." حمزہ کا دل چاہا وہ اپنا سر دیوار میں مار دے.

"معاف کیجیے گا ان کا ذہنی توازن تھوڑا ٹھیک نہیں ہے." آدمی شرمندہ تھا.

"اٹس اوکے." وہ بمشکل مسکرایا.

"تھینک یو.: دوبارہ ہاتھ ملاتا وہ واپس گاڑی میں آ کر بیٹھ گیا. اور اب وہ پولیس اسٹیشن جا رہا تھا.

حمزہ پولیس اسٹیشن گیا تھا تاکہ وہ فریحہ سے حیا کی گمشدگی کے بارے میں ہوئی جانے والی پیش رفت پوچھ سکے. فریحہ وہاں نہیں تھی. پھر اس نے سوچا وہ علی سے مل لے لیکن اس کا دل نہیں چاہا اور وہ واپس آ گیا تھا.

وہ لاؤنج میں بیٹھا ٹی وی چینلز بدل رہا تھا جب ردابہ اپنے کمرے سے باہر آئی.

"جلدی آ گئے تم." اپنے بال بن کی شکل میں باندھتے ہوئے وہ حمزہ کے قریب آئی.

"جی." اس نے ٹی وی سے نظر نہیں ہٹائی تھی.

"تم پریشان ہو؟" وہ حمزہ کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئی.

"نہیں تو." اس نے گردن موڑ کر ردابہ کو دیکھا اور پھر دوبارہ سیدھا ہو گیا.

"میرا بچہ مجھ سے ناراض ہے. ؟" ردابہ نے پیار سے اس کے بالوں کو ہاتھ لگایا.

"نہیں. میں کیوں کسی سے ناراض ہوں گا. "اس نے ردابہ کی طرف نہیں دیکھا تھا.

وہ یوں ہی صوفے کی پشت پر کہنی ٹکائے اسے دیکھتی رہی. حمزہ کافی دیر یوں ہی اس کا دیکھنا اگنور کرتا رہا.

"ماسی. آپ ایک بار مجھ سے پوچھ تو لیتی. "جب وہ ردابہ کو اور اگنور نہیں کر سکا تو وہ اس کی طرف مڑا.

"آپ نے حیا کو کیوں گھر سے نکال دیا؟ آپ مجھ سے پوچھتیں.. بات کرتیں. "

"یہ باتیں تم آج کیوں کر رہے ہو؟ اِٹس بین آ ویک ناؤ. "وہ پر سکون تھی.

"تو کیا کروں میں. "وہ بے بس دکھ رہا تھا.

"تمہیں اس کی پرواہ ہے؟ "ردابہ سنجیدہ تھی.

"مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے. لیکن میں اس کو وہاں سے نکال کر لایا تھا. اس سے نکاح کیا تھا میں نے. "اس نے نکاح پر زور دیا تھا.

"ڈز دس نکاح میٹر ٹو یو؟ "ردابہ نے اسی سنجیدگی سے کہا.

"ماسی ی ی.. بات نکاح کی نہیں ہے. بات اس تحفظ کی ہے جو اس گھر نے اسے دیا. "وہ صفائی دے رہا تھا.

نکاح.. ردابہ دو دن پیچھے چلی گئی تھی.

"ایسے کیا گھور رہی ہو؟ "حیا جب اسے کافی دیر یوں ہی دیکھتی رہی تو ردابہ نے اسے کہا تھا.

"دیکھ رہی ہوں. کیسے ہمیشہ بے بس لوگوں کا فائدہ اٹھایا جاتا ہے. مجھے یوں دربدر کے دھکے دلوانے تھے تو وہیں چھوڑ آتا وہ مجھے. یہاں لا کر نکاح کا تماشہ لگانے کی کیا ضرورت تھی. "اس کی آواز اونچی تھی.

"ماسی ی.. آپ سے بات کر رہا ہوں میں.. ؟ حمزہ نے اسے ہلایا..

ہاں. وہ چونکی.

ردابہ کے آنے سے حمزہ خوش تھا. لیکن اس کا یوں حیا کو نکال دینا اسے اچھا نہیں لگا تھا. وہ پریشان تھا.

"ماسی اس کا گھر نہیں ہے کوئی. اور.. اور.. وہ بیوی ہے میری." اس نے آخری الفاظ منہ میں بڑبڑائے. ردابہ نے سن لیا تھا.

"حمزہ. اگر کوئی تمہیں تکلیف دے گا میں اسے کبھی اس گھر میں برداشت نہیں کروں گی. شیری کو جب تم لائے میں نے ہمیشہ اسے تمہاری طرح چاہا. کیونکہ تم اس سے پیار کرتے ہو."

"رہی بات حیا کی. اس نے تمہیں ہرٹ کیا تھا. تم اسے ڈس لائک کر رہے تھے تو میں کیسے اسے اپنا لیتی؟ میرے بچے کو تکلیف دینے والے کو میں کیسے گھر میں رکھوں؟" ردابہ کا لہجہ سخت ہو گیا تھا.

"ماسی. ماسی.. ماسی.." حمزہ کا خود پر کنٹرول ختم ہو رہا تھا.

"ہاں میں. میں ہی ذمہ دار ہوں. میرے رویے نے آپ کو مجبور کیا. وہ میری ذمہ داری تھی. میں لایا تھا اسے." اس کا لہجہ معمول سے مختلف تھا.

ردابہ پہلی بار اسے یوں اپنا آپا کھوتے دیکھ رہی تھی.

وہ اپنا اکھڑتا سانس سنبھال رہا تھا. وہ ردابہ کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا.

"ماسی.. پتا نہیں وہ کہاں ہو گی. وہ گھر نہیں گئی. اگر دوبارہ وہ غلط ہاتھوں میں لگ گئی تو؟"

"میرا بچہ! سب ٹھیک ہو جائے گا." وہ اس کے بال سہلا رہی تھی.

ایک ہفتے بعد ردابہ نے اسے حیا کو لے کر فکر مند ہوتے دیکھا تھا. اس بیچ پتا نہیں وہ کیسے یہ سب اپنے دل میں رکھے بیٹھا تھا. ردابہ کو اب سمایا کی کہی باتوں پر اور یقین ہو گیا تھا. وہ ویسا نہیں تھا جیسا سب کو نظر آ رہا تھا.

ردابہ جا چکی تھی.

حمزہ نے حیا کو ڈھونڈا تھا. وہ اپنے سر سے یہ بوجھ اتار دینا چاہتا تھا. لیکن وہ اسے کہیں نہیں ملی تھی.

اس کے دل میں کہیں کسک تھی کہ اس کی وجہ سے ایک اور زندگی خراب ہو جائے گی. وہ بس اس ایک اور پچھتاوے سے بچنا چاہتا تھا.

جب حیا نہیں ملی تو وہ تھک ہار کر بیٹھ گیا تھا.

فریحہ کو شیری کا آئیڈیا اچھا لگا تھا. وہ چھٹی لے کر کوئٹہ اور وہاں سے زیارت جانے کی پلاننگ کر رہی تھی. علی کے لیے جانا مشکل تھا. لیکن فریحہ کے اصرار پر حمزہ نے علی کا سب کام خود سنبھال کر اسے جانے کے لیے فورس کیا تھا.

شیری کو آئے کافی دن ہو گئے تھے وہ بھی واپس لڑکیاں اغوا کرنے والے گروہ سے جا ملا تھا. اب کہ اس کے ساتھ شیروان بھی تھا.

"بلبل آ گئی ہے تو." چنبیلی نے لہراتے ہوئے کہا. وہ بڑے صحن میں لکڑی والے چولہے پر بیٹھی روٹی سینک رہی تھی

"ہاں آ گئی ہوں." شیری نے تالی بجائی تھی.

شیروان پہلی باریوں اس کے ساتھ آیا تھا. شیری کی حرکت دیکھ کر اس کا دل چاہا وہ زور زور سے ہنسے. اور وہ ہنس بھی گیا تھا.

"یہ کون ہے." چنبیلی خفا ہوئی تھی. شیری نے غصے سے شیروان کو دیکھا.

"یہ میری سہیلی ہے. اپنے علاقے سے لائی ہوں."

شیروان کو اپنی جنس بدل جانے کا افسوس ہوا تھا. وہ دونوں اب نیچے پیڑی پر چنبیلی کے ساتھ ہی بیٹھ گئے تھے.

"تجھے پتا نہیں ہے یہاں کوئی بھی بی بی حاجن کی مرضی کے بغیر نہیں آتا." چنبیلی نے شیری کے کان میں کہا.

"اری تو کیوں فکر کرتی ہے. بی بی حاجن سے میں بات کر لوں گی. بڑا کرارا ٹھمکا لگاتی ہے یہ." شیری نے چنبیلی کے کان میں آہستہ سے کہا. شیروان یہ سن چکا تھا.

"کتا." یہ اس نے دل میں کہا تھا.

"کیا نام ہے تیرا." چنبیلی اپنے ہی انداز میں گویا تھی.

"پنکی پنبیری." "نام بتانے والا شیری تھا.

"پنکی تو ٹھیک ہے پر یہ پنبیری کیا ہے." چنبیلی کو سمجھ نہیں آیا تھا.

"اری. وہ ہی پنبیری جو اڑتی پھرتی ہے. بس اس کا ناچ دیکھے گی تو تو بھی مان جائے گی. پنبیری ہے یہ." شیری نے شیر وان کے کندھے پر ہاتھ مارا. اور شیر وان کا دل چاہا وہ اس کا گلہ دبا دے.

"تو ہی بولتی رہے گی یا یہ بھی کچھ بولے گی." چنبیلی اب روٹیاں کپڑے میں لپیٹ رہی تھی.

"بول میری پنکی پنبیری." "شیری نے اس کا مزاق اڑایا تھا.

"ہاں جی بڑا اچھا ناچتی ہوں." "شیر وان نے ادا سے کہا تھا. شیری اسے اچھے خاصی ٹریننگ کروا کر لایا تھا. اور اس میں کوئی شک نہیں کہ شیر وان, شیری سے زیادہ لچک دکھا رہا تھا.

"اللہ کی اس کائنات میں ہر چیز کسی خاص مقصد سے ہے."

حضرت موسیٰ نے دیوار پر چھپکلی دیکھی تو اللہ سے پوچھا.

"اے اللہ. تو نے چھپکلی کو کیوں بنایا."

تو اللہ نے فرمایا.

"اے موسیٰ ابھی تیرے سے پہلے یہ چھپکلی بھی مجھ سے پوچھ رہی تھی کہ اے اللہ تو نے موسیٰ کو کیوں بنایا."

ڈاکٹر ہارون کرسی پر بیٹھے اپنے الفاظ سامنے والوں کی سماعتوں کی نذر کر رہے تھے. چھوٹے سے اس کمرے میں نو دس لوگ بیٹھے تھے.

"اس کائنات میں کچھ ایسا نہیں ہے جو بغیر حکمت بغیر مقصد کے پیدا کیا گیا ہو. "

"آپ میں سے کتنے لوگ سوشل میڈیا استعمال کرتے ہیں. "

سب نے ہاتھ کھڑا کیا تھا.

"سوشل میڈیا پر بلیوں کی تصویریں بہت شیئر ہوتی ہیں. "

"ازاٹ سو؟؟" وہ رکے.

"یس. "ہلکی آوازیں آئی.

"میں نے کہا ہر مخلوق کا مقصد ہے تو بلیوں کا کیا مقصد ہے؟"

"چوہے پکڑنا. "وہ آہستہ سے بولی.

کمرے میں کھکھلاہٹ ہوئی تھی.

"اونچا بولیں. "ڈاکٹر ہارون نے دائیں دیوار کے ساتھ تیسری کرسی پر بیٹھی حیا سے کہا. وہ کنفیوز تھی.

"چوہے پکڑنے کے لیے. "وہ دوبارہ لیکن قدرے اونچا بولی تھی.

"دیٹس دی رائٹ آنسر. ؟انہوں نے حیا کو سراہا. اس کا اعتماد بڑھا تھا.

"آسٹریلیا کا ایک آئی لینڈ ہے میکیوری آئی لینڈ. "

"وہاں بلیلاں بہت ہوگئی تھیں. اور وہاں کے جو سمندری پرندے تھے وہ بلیوں کے شکار کی وجہ سے کم ہوتے جا رہے تھے. فیصلہ کیا گیا کہ بلیوں کو اس آئی لینڈ سے ختم کر دیا جائے. اور ایسا کیا بھی گیا. تو ہوا کہ کہ آئی لینڈ پر خرگوش اور چوہے بہت زیادہ ہوگئے. خرگوشوں نے فصلیں تباہ کرنا شروع کر دی. "

"تو بیٹا. اگر بلیلاں نہ ہوتی تو زمین پر چوہے, خرگوش اور دوسرے چھوٹے mammals کی آبادی بڑھ جاتی. خرگوش فصلیں تباہ کر دیتے. چوہے اناج کھا جاتے.

آپ کو پتا ہے ایک خرگوش ایک سیزن میں 100 بچے پیدا کرتا ہے. اور ایک چوہوں کے جوڑے سے ایک سال میں دو ہزار چوہے پیدا ہوتے ہیں. اور یہ ہی دو ہزار چوہے اگر تین سال اور رہیں تو ہاف بلین چوہے اور پیدا ہوں.
"

سب کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھی.

"غرض اگر بلیلاں نہ ہوں تو ایک دو سال میں ہی پوری زمین چوہوں سے بھر جائے." وہ ان کو اور حیران کر رہے تھے.

"چوہے چونکہ گندگی میں رہتے ہیں تو ان کے آس پاس ہونے سے ہی مہلک بیماری پھیلتی ہیں. طاعون سر فہرست ہے. اور اگر ان کی آبادی یوں ہی بڑھتی رہے تو انسانوں کے لیے اناج نہیں بچے گا اور ہم سب بھوک سے مر جائیں گے."

وہ سانس لینے کو روکے تھے.

"سر اگر ہر چیز کا کوئی مقصد ہے تو چوہوں کا کیا مقصد ہے پھر." حیا اب پر اعتماد تھی.

"آئی واز ایکسپیکٹنگ دس کویسچن." وہ مسکرائے.

"بیٹا پہلا تو یہ کہ چوہے scavangers یعنی مردار خور ہیں. اور دوسرا یہ سورس ہیں دوسرے جانوروں کی خوراک کا. سانپ اور مختلف پرندے وغیرہ." وہ خاموش ہو گئے.

"اچھا چلیں اس سے بھی چھوٹی مثال لے لیتے ہیں."

"آپ نے شہد کی مکھی دیکھی ہے؟"

"کتنی چھوٹی سی ادنٰی سی مخلوق ہے. ہمارے گھروں میں اس کا شہد بڑے شوق سے کھایا جاتا ہے. شفا ہے اس کے شہد میں. کیا اس شہد کی مکھی کا مقصد شہد بنانا ہی ہے؟" ڈاکٹر ہارون نے پہلو بدلا.

دائیں طرف تیسری کرسی پر ہاتھ میں کاپی پنسل پکڑے وہ پوری طرح ان کی طرف متوجہ تھی.

"بیٹا. آپ کسی سپر مارکیٹ میں جائیں. وہاں موجود ون تھرڈ فوڈ اس شہد کی مکھی کی وجہ سے ہے. اگر یہ مکھی نہیں ہوتی تو پولینیشن نہیں ہوتی اور پولینیشن نہیں ہوتی تو 33 فیصد فصلیں اور نوے فیصد پودے نہ اگتے."

"اگر یہ شہد کی مکھیاں نہ ہوں یا کم ہو جائیں تو ہمارا ایکو سسٹم تو ختم ہو جائے گا."

"بتانا یہ مطلوب ہے کہ ہر مخلوق کے اس دنیا میں ہونے کا مقصد ہے."

"انسان ساری زندگی اس دنیا میں گزار لیتا ہے لیکن اپنے اس دنیا میں آنے کا مقصد پہچاننا تو دور کی بات وہ خود کو بھی نہیں پہچان پاتا."

وہ کھڑے ہو گئے تھے.

"میں آپ سے ہو چھتا ہوں. ہو آر یو؟" آپ کہ ممکنہ جوابات کیا ہوں گے؟

"مائی نیم از دس."

"آئی ڈو دس جاب."

"آئی لیو ان اسلام آباد."

وغیرہ.

"یس اور نو؟" انہوں نے حمایت چاہی.

"یس.." دوبارہ ہلکی آوازیں آئی تھیں.

"سو یور نیم از ایس وائی زی."

"دیئر از این ادھر پرسن ود دی سیم نیم."

"لونگ ان دی سیم سٹی."

"ناؤ واٹ ول یو ڈو؟"

"آپ میں اور اس انسان میں کیا فرق ہے؟" اب کہ ان کی آواز قدرے بلند تھی.

شکل کا کسی نے ہلکے سے کہا تھا. کمرہ چھوٹا تھا آواز ڈاکٹر ہارون کو پہنچ گئی تھی.

"شکل کا؟"

"کون دیکھ رہا آپ کا چہرہ؟"

"میں.؟"

"آپ کے ساتھ بیٹھا انسان.؟"

"آپ کی فیملی, دوست. بس؟"

"کوئی اجنبی آئے. آپکا چہرہ دیکھے تو کیا یہ آپکا تعارف ہو گا؟ اگر یہ آپکا تعارف ہے تو وہ آپ سے کیوں پوچھتا ہے ہو آر یو. کون ہیں آپ؟"

"اور اگر آپ کی شکل جواب ہے اس سوال کا تو جب آپ پیدا ہوتے ہیں تو آپ کا نام کیوں رکھا جاتا ہے؟" تو وہ سانس روکے بولے جا رہے تھے.

کمرے میں خاموشی تھی. اتنے سوالوں کا جواب کوئی نہیں دے سکا تھا.

کون ہیں وہ. وہاں موجود سب لوگ اس سوال کا جواب جاننا چاہتے تھے.

حیا کو لگا وہ واقعی خود کو نہیں جانتی. وہ اس وقت اپنے آپ کو اجنبی لگی تھی.

کلاس میں کافی دیر خاموشی رہی۔ وہ اپنے نوٹس پر جھکی ہوئی تھی. خاموشی کو ڈاکٹر ہارون کے فون پر آنے والی کال نے توڑا تھا. وہ کلاس سے باہر چلے گئے تھے. اب کلاس میں ہلکی سرگوشیاں ہو رہی تھی. وہ اکیلی بیٹھی تھی. اس کلاس میں کوئی کسی کو نہیں جانتا تھا. یہاں جو لوگ موجود تھے وہ اپنے شعبوں کو جوائن کرنے والے نئے لوگ تھے. جن

کو ان کی قابلیت کی بنا پر مزید کامپیٹنٹ بنانے کے لیے یہاں بھیجا گیا تھا. ہر ادارہ اس کے بدلے ڈاکٹر ہارون کو بھری فیس دے رہا تھا. جو ان کا حق تھا. یہی لوگ آگے چل کر اپنے اداروں میں بہتری لانے والے تھے.

حیا ان میں انوکھی تھی. ان دس بارہ لوگوں میں سے ہر ایک کے پیچھے کوئی ادارہ, کوئی پوسٹ تھی. جب کہ حیا کے پیچھے ڈاکٹر ہارون خود تھے. ڈاکٹر ہارون واپس کلاس میں آ گئے تھے. سرگوشیاں ختم ہو گئی تھیں. وہ روسٹرم کے پیچھے کھڑے ان کنفیوز چہروں کو دیکھ رہے تھے. یہ سب اپنی قابلیت پر فخر کرتے تھے اور آج ایک سوال, ان کے اپنے بارے میں کیے گئے سوال نے ان کو شش و پنج میں ڈال دیا تھا.

" آئی ہوپ وی کین گو اہیڈ ناؤ. " تمام لوگ جو پہلے ان کی طرف دیکھ رہے تھے اب اور متوجہ ہو گئے تھے.

" آپ کون ہیں؟ اور اس دنیا میں کیوں ہیں؟ سوال بہت سادہ ہے. مگر جواب سادہ نہیں ہے. "

"سر! ہم اللہ کی عبادت کرنے کے لیے یہاں ہیں. " چوبیس پچیس سالہ لڑکے نے فوراً کہا. ڈاکٹر ہارون کے تاثرات کچھ ڈھیلے پڑے.

"اگر ہم اللہ کی عبادت کے لیے یہاں ہیں تو ہم کاروبار یا نوکری کیوں کرتے ہیں؟ کھانا کیوں کھاتے ہیں؟ سوتے کیوں ہیں؟ یا کچھ بھی. عبادت کے علاوہ کچھ بھی اور کیوں کرتے ہیں؟" انہوں نے انتہائی پر سکون لہجے میں لڑکے سے پوچھا. وہ لاجواب تھا.

" اور جینٹلمین بتایا یہ ہی گیا ہے کہ عبادت کرو. مگر آپکو لگتا ہے عبادت صرف نماز روزہ ہے؟" ان کی نظر سب سے ہوتی ہوئی آخری کرسی تک گئی.

"بھئی انسانیت کی مدد کر کے خدا کی رضا حاصل کرنا بھی عبادت ہے. اور رزق کی تلاش میں نکلنا بھی عبادت ہے. "

ان کی آواز میں اب کہ جوش تھا.

"مجھے معلوم ہے کہ یہاں موجود ہر لڑکا یا لڑکی اپنے شعبے کے قابل لوگوں میں سے ہیں. میرے اس سوال کا مقصد کسی کو یہ محسوس کروانا نہیں کہ وہ کم ہے یا قابل نہیں ہے. بلکہ اس اہم سوال کی طرف متوجہ کروانا ہے جو ہے تو آپ کے بارے میں مگر اس کا صحیح جواب آپ کے اپنے ہی پاس نہیں ہے." وہ سانس لینے کو رکے.

" امام مالک کہتے ہیں انسان کی دو پیدائشیں ہیں. پہلی جب اسے اس کی ماں جنم دیتی ہے اور دوسری جب وہ اس دنیا میں آنے کا اپنا مقصد پہچان لیتا ہے. کئی لوگ اس دوسری پیدائش سے پہلے ہی مر جاتے ہیں اور کئی یہ جاننے کی جستجو ہی نہیں کرتے."

"کیا زیادہ تر لوگ اس دوسری کیٹیگری میں نہیں آتے؟ ہم جاگتے ہیں, کھاتے ہیں, پیتے ہیں اور سو جاتے ہیں. بھئی یہ کھانا پینا جس کو ہم نے مقصد حیات بنا لیا ہے یہ تو محض بنیادی ضرورتیں ہیں. جو جانور کے پاس بھی ویسی ہی ہیں جیسی آپ کے پاس ہیں." انہوں نے آخری جملے پر زور دیا.

کلاس میں بیٹھے دل بے ترتیب ہوئے تھی. ماحول اور جملے کی سنگینی سے جسم میں سنسنی پھیلی تھی. ان کو لگا وہ جانوروں کی سی زندگی گزار رہے ہیں. میرے خدایا.

ڈاکٹر ہارون نے لیپ ٹاپ کی اسکرین کو چھوا تو وائٹ بورڈ پر ایک تصویر ظاہر ہوئی.

"میزلوز ہیرارکی آف نیڈز." سب سے اوپر لکھا تھا اور نیچے تکون کی طرح کی تصویر تھی. جس میں خانے بنے ہوئے تھے. ڈاکٹر ہارون نے سب سے نیچے والے خانے کے گرد دائرہ لگایا.

" یہ ہے بنیادی ضروریات والے لوگ. ان کا زندگی گزارنے کا اصول ہے بس روٹی, کپڑا, مکان. آپ کو جان کر شاید حیرت ہو کہ زیادہ تر دنیا میں لوگ یہیں پر رکے ہوئے ہیں. تبھی اس ٹرائینگل میں یہ جو آخری خانہ ہے یہ بڑا ہے."

انہوں نے پہلے سے لگے دائرے پر دوبارہ دائرہ لگایا.

" اوپر آتے جائیں خانے چھوٹے ہوتے جائیں گے. جو ظاہر کرتے ہیں کہ زیادہ تر انسان ان بنیادی ضروریات کے چکر سے ہی نہیں نکل پاتے. اس فیزیکل نیڈز کے لیول سے اوپر جانے والے لوگ کم ہیں. "

"اب سب سے اوپر آجائیں۔ یہاں۔" ایک اور دائرہ لگایا۔

" سیلف ایکچلائیزیشن۔ جناب یہ وہ لوگ ہیں جو خود کو پہچان جاتے ہیں. اپنا مقصد پہچان جاتے ہیں. اور یہ باکس اس ٹرائنگل کے نیچے کے سب باکسز سے چھوٹا ہے جو ظاہر کرتا ہے کہ یہاں پہنچنے والے بہت کم لوگ ہوتے ہیں. اور جو پہنچ جاتا ہے وہ نیچے والی ہر ضرورت پیچھے چھوڑ آتا ہے. "

"ساغر صدیقی. " وہ دوبارہ روسٹرم کی طرف آئے.

"مرے تو کچرے کے ڈھیر پر پڑے تھے. کھانے پینے کا ہوش نہیں تھا، نشہ کرتے تھے اور اس حالت میں بھی ایسا شعر کہتے کہ صدر ایوب جیسا جرنیل انڈیا میں ہونے والے ایک مشاعرے میں ان کا کلام سنتا ہے، پوچھتا ہے یہ کس کا کلام ہے، کہنے والا کہتا ہے آپ کے ہی ملک کا شاعر ہے. ،واپس پاکستان آتا ہے، ملنا چاہتا ہے، تحفے تحائف دے کر وزیر بھیجتا ہے اور ساغر ملنے سے انکار کر دیتا ہے، تحفے بھی لٹا دیتا ہے، ساغر کو ان کی ضرورت نہیں۔"

"پھر جرنیل صاحب خود تشریف لاتے ہیں اور جناب نشئیوں کے بیچ گھرے ایک دربار پر ان سے ملتے ہیں. "

"یہ خود شناسی تھی. دھن دولت کچھ نہیں بس شاعری اندر تھی۔" ڈاکٹر ہارون نے شہادت کی انگلی دل پر رکھی.

کلاس مبہوت ان کو سن رہی تھی. سما ایسا بندھ گیا تھا کہ ڈاکٹر ہارون سانس لینے کو بھی رکتے تو کان آگے سننے کو بے چین ہو جاتے۔

" اچھا ایک اور مزے کی بات انہوں نے پہلو بدلا. جو عام لوگ ہوتے ہیں نا وہ خود کو منوانا چاہتے ہیں. چاہتے ہیں لوگ سراہیں پر یہ جو لوگ سیلف ایکچلائزیشن کے درجے پر پہنچتے ہیں ان میں یہ طلب بھی نہیں ہوتی۔" ہونٹ فاتحانہ سے انداز میں کھینچے.

a

"ان کو پرواہ ہی نہیں کہ کوئی ان کا کام دیکھتا ہے، سراہتا ہے کہ نہیں۔" یہ خود مطمئن ہوتے ہیں. اپنے کام سے اور خود سے." وہ ٹھہر ٹھہر کر کہہ رہے تھے۔

" ان کو پیسہ دولت نہیں چاہئیے ہوتا. یہ خود کو پہچانتے ہیں اپنا مقصد پہچانتے ہیں اور اس کام کو عبادت کی طرح کرنے لگ جاتے ہیں. پیسہ، وقت، حال بے حال ہر چیز سے بے گانہ."

"اسی سیلف ایکچلائزیشن کی اسٹیج پر پہنچنے والا مائیکل اینجلیو۔" وہ روسٹرم سے کرسی تک آئے، بات کو آگے بڑھایا۔

"یار پندرہ دن وہ بندہ کھڑا ہو کر پینٹنگ بناتا رہا. ہوش ہی نہیں. پندرہ دن بعد جوتا اتارتا ہے تو پاؤں کی کھال بھی ساتھ ہی اتر آتی ہے۔" حیا نے جھر جھری لی.

"جو آپ کا کام ہوتا ہے نا بیٹا! وہ آپ کو تھکنے نہیں دیتا اور اٹھنے بھی نہیں دیتا. پھر کیا کھانا، کیا پینا، کیا دن اور کیا رات."

"ہم زندگی میں چھوٹے جھگڑوں میں پڑے رہتے ہیں بڑی جنگ لڑتے ہی نہیں ہیں." انہوں نے تاسف سے کہا.

"میرا پیسہ، میرا دوست، میرا گھر، میری زمین، میری گاڑی."

"پھر؟"

"پھر اس نے مجھ سے صحیح سے بات نہیں کی. وہ مجھے دیکھ کر مڑ گیا. اس نے مجھے دیکھ کر منہ بنالیا. اس نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا. ، بدلہ، لڑائی، جھگڑے۔" تاسف برقرار تھا۔

" یہاں ہمارے پاس تقریباً ہر بڑے محکمے کے لوگ موجود ہیں. بتائیں کتنی برداشت ہے ہم میں؟"

"دس روپے کے پیچھے قتل کے کیسز آئے ہیں سامنے."

" وہ ممانی نے بچے کو مار دیا کہ سب کہتے ہیں یہ میرے بیٹے سے پیارا ہے. مطلب واقعی؟" اپنے الفاظ پر انہوں نے خود ہی تصدیق چاہی۔

" ایک دوسرے کو نیچے کھینچ کر آگے بڑھنا چاہتے ہیں وہ بھی بس اتنا آگے کہ اس پیچھے چھوٹنے والے کا مزاق بنا سکیں. اس سے آگے نکل جانے کا گھمنڈ دکھا سکیں. " اب آواز میں سختی در آئی تھی.

"واٹ یار؟" تاسف بر قرار تھا.

"بیٹا! یہ چھوٹے جھگڑے ہیں. " انگوٹھے اور شہادت کی انگلی جوڑ کر بتایا.

"بڑے میدان میں نکلیں، بڑی جنگ لڑیں، بڑی منزل کے مسافر بنیں.۔" ہاتھ ہوا میں پھیل گئے تھے.

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆

یہ بڑا مگر قدرے تاریک ساہال تھا، ہال میں سرخ رنگ کی لائٹ کے ساتھ دوسری رنگ برنگی روشنیاں گھوم رہی تھیں، سامنے کاؤنٹر تھا جس کے آگے چار اونچی نشستیں تھیں، جن میں سے دو پر تھیں، ان کے آگے کچھ میز لگے تھے، پیچھے ڈانس فلور تھا، کچھ نوجون جوڑے میزوں کے آس پاس لگی کرسیوں پر براجمان شراب اور دوسری نشہ آور اشیا حلق میں انڈیل رہے تھے اور باقی ڈانس فلور پر ناچتے فحاشی کے جھنڈے گاڑ رہے تھے. میوزک لاؤڈ تھا مگر اتنا نہیں کہ آواز سنائی نہ دے۔ وہ ابھی پیچھے کوریڈور سے ہوتا اندر آیا تھا۔ جینز, اس پر ہاف وائٹ شرٹ، بازو کلائیوں تک مڑے ہوئے، چہرے پر ہلکی داڑھی اور وہی بھوری آنکھیں جن کو سکیڑتا تو سامنے والے کے لیے نظر ہٹانا مشکل ہو جاتا۔ اس کا رخ کاؤنٹر کی طرف تھا، وہ ایک نشست پر جا کر ٹک گیا، ویٹر کو اشارہ کیا اور جوس کا گلاس ہاتھ میں پکڑے کرسی کو گھما کر پب کا جائزہ لیا، سب اپنی دھن میں مگن تھے۔ جوس کا گلاس ہونٹوں سے لگاتے اس کی آنکھیں مسلسل آس پاس لوگوں پر تھی۔

"کس کا انتظار کر رہے ہو ہینڈ سم۔" نسوانی آواز پر وہ پلٹا۔ اس کے ساتھ والی ہائی چیئر پر ایک لڑکی کالی ساڑھی، سرخ لپ اسٹک، آنکھوں پر لائنر غرض لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے تمام آلات سے لیس تھی۔

حمزہ نے ایک نظر اسے دیکھا اور جواب دیے بغیر کرسی گھما کر دوبارہ کاؤنٹر کی طرف مڑ گیا۔ اب گلاس کاؤنٹر پر تھا اور وہ گلاس میں بچے جوس کو گھور رہا تھا۔ انگلیاں مسلسل گلاس کو گھما رہی تھیں۔

"پب میں آکر جوس کون پیتا ہے، پینا ہے تو کچھ ایسا پیو کہ بس ہوش نہ رہے۔" لڑکی نے ہاتھ بڑھا کر گھومتے گلاس کو پکڑا، دونوں کی انگلیاں ٹکرائی تھیں۔ وہ فوراً ری ایکٹ کرنے والوں میں سے نہیں تھا، اس نے گلاس چھوڑ دیا تھا، اب کہ وہ دونوں بازو کاؤنٹر پر ٹکائے فون پر انگوٹھے سے ادھر ادھر سلائڈ کر رہا تھا۔

" اوہ تو تم سخت لونڈے ہو؟" لڑکی نے بے تکلفی سے کاؤنٹر پر دھرے اس کے بازو میں اپنا بازو ڈالا، حمزہ منہ بند کیے اپنے دانتوں کو زبان سے رگڑ رہا تھا۔ یہ اس کا سوچنے کا انداز تھا. مختلف اور منفرد۔

وہ مسکرا کر لڑکی کی طرف مڑا۔ مسکراتے ہوئے اس کی چھوٹی آنکھیں اور چھوٹی ہو گئیں تھیں، لڑکی کے ہاتھ پر اس نے اپنا دوسرا ہاتھ رکھا۔ ذہن میں کوئی چہرہ ابھرا تھا۔

"میں شادی شدہ ہوں۔" وہ مسکرایا اور اس کا ہاتھ اپنے بازو سے الگ کیا۔

"میں بھی۔" لڑکی نے فخریہ انداز میں بتایا۔

"اہاں۔" حمزہ نے بھنویں اٹھائیں۔" آئی وش میں کہہ سکتا جان کر خوشی ہوئی۔"

"اینڈ آئی وش تمہاری بیوی اچھی ہوتی. "

"وہ اچھی تھی یا بری؟" حمزہ نے سوچا، اتنا جاننے کا وقت ہی کہاں ملا تھا اس نے سر جھٹکا۔

" تمہاری بیوی روایتی بیویوں کی طرح گھر میں فساد ڈال کر رکھتی ہو گی، کوئی کام نہیں کرتی ہو گی، خرچہ مانگتی رہتی ہو گی۔۔پور سول۔۔" یقیناوہ اپنے کرتوت گنوار ہی تھی۔

حمزہ دو ہفتے پیچھے چلا گیا تھا۔" اس نے تو عزت کے سوا کچھ بھی نہیں مانگا تھا" وہ بڑبڑایا۔

"پر خیر، میں ہوں نا۔" لڑکی نے ہاتھ بڑھا کر اس کے گال پر رکھا. حمزہ نے دانت بھینچے تھے.

"مست نظروں سے اللہ بچائے."

"ماہ جمالوں سے اللہ بچائے."

حمزہ چونک کر پیچھے مڑا، وہ اپنی جگہ کھڑا ہو گیا تھا، لڑکی نے ناگواری سے اس لڑکے نما لڑکی کو دیکھا، بڑے بڑے پھولوں والا کرتا، لمبے بال جن پر تیل لگا تھا، آنکھوں پر کاجل سے لمبے لمبے ڈورے کھینچے ہوئے تھے۔

" جاؤ معاف کرو، ایسے لوگوں کو پتا نہیں کیوں یہاں آنے دیتے ہیں۔" لڑکی نے اسے دھتکارا۔ حمزہ اٹھ کر جانے والا تھا جب لڑکی نے اس کا بازو پکڑا۔"مجھے تمہارا انتظار رہے گا" اسنے ادا سے کہا۔

"تم جلد مجھے دیکھو گی۔" اس نے بھی کمال اداکاری سے لہجے میں پیار بھرا اور وہاں سے ہٹ گیا۔ جب وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک لفافہ تھا جسے سب کی نظروں سے بچاتا وہ اپنی جینز کی پچھلی جیب میں ڈال رہا تھا. اس نے کاؤنٹر پر ایک نظر ڈالی. لڑکی گلاس سے گھونٹ اپنے اندر انڈیل رہی تھی. حمزہ نے ایک طرف سے اپنے ہونٹ طنزیہ طور پر مسکراتے ہوئے کھینچے. اور اسے وہیں چھوڑ کر باہر نکل گیا.

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ وہی مٹی کا گھر تھا جہاں شیری شیروان کو لے کر آیا تھا. ان کو یہاں آئے ہفتہ بھر ہو چکا تھا. شیروان کا یہاں یوں آنا حاجن بی بی کو کچھ خاص بھایا نہیں تھا. مگر چونکہ وہ شیری کے توسط سے آیا تھا اور تین ماہ پورا کرنے پر اس کا شمار

قابل اعتبار لوگوں میں تھا. تو وہ پی گئی. سیکریٹ گروپ میں اسے ایڈ کر دیا گیا تھا. وہ کافی قریب سے ان لوگوں کی حرکات و سکنات دیکھ رہا تھا۔

اب کہ وہ صحن کے بجائے اندر چکور ہال نما کمرے میں تھے، ہر طرف رنگ بکھرے تھے، کہیں رنگ برنگے پرد، کہیں میک اپ کرتی، لچکتی، سر بکھیرتی مرد نما عورتیں اور ایک کونے میں کچھ لوگ نیچے چادر بچھا کر بیٹھے تھے۔ وہ اپنے اپنے کمزور شعبوں کو بہتر بنانے کے لیے پریکٹس کر رہے تھے، کوئی ڈانس سیکھ رہا تھا، کسی کو کھسروں کے سے انداز میں تالی بجانا نہیں آتا تھا کیونکہ بیشتر اپنے مطلب کو بھیس بدلے ہوئے تھے اور کوئی ریاض کر رہا تھا۔ کمرے کے درمیان میں ایک چھوٹا پلنگ تھا جس پر ایک مرد نما عورت لہنگا اور کرتی پہنے سامنے حقہ جمائے گھاؤ تکیے سے ٹیک لگائے پڑی تھی، اس کے دونوں طرف دو اسی طرح کے پر قدرے کم میک اپ سے آراستہ مرد نما عورتیں کھڑی تھیں۔ یہ ان کھسروں کی سردار تھی۔

پلنگ کے دوسری طرف قد آور شیشہ تھا، جس پر شیری اپنے لمبے مصنوعی بال اور منہ پر بہت سا میک اپ لگائے بیٹھا تھا، اس کے ساتھ بنٹی کھڑی اس کا میک اپ سیٹ کر رہی تھی اور ساتھ ساتھ اسے میک اپ ٹیوٹوریل کے انداز میں مختلف چیزیں سمجھا رہی تھی. شیری کو اس کے نام پر اعتراض تھا اپنے قدو قامت کی بنا پر اسے بنٹی نہیں بنٹا ہونا چاہیئے تھا۔ وہیں اس کے پاس نیچے فرش پر شیروان بیٹھا تھا، شیری کو اس ماحول کی عادت تھی جبکہ شیروان کا یوں تھرڈ جینڈر میں پہلا تجربہ تھا، اسے یہاں سب سے زیادہ جو چیز محفوظ کر رہی تھی وہ شیری کا میک اپ، ڈانس اور ہاں تقریباً نہ ملنے والا 'ٹھمکہ' تھا۔

"بلبل کیا کر رہی تو؟ یہ تیسری دفع تجھے لپ اسٹک لگا رہی ہوں." شیری کو میک اپ تھوپتی بنٹی عرف بنٹا نے اسے ناگواری سے دیکھا۔ شیروان جو پچھلے آدھے گھنٹے سے یہ میک اپ دیکھ دیکھ کر بور ہو رہا تھا چونکا اور اس کے لبوں پر ہلکی مسکراہٹ بکھری۔ یہ خفگی تیسری بار شیری اور بنٹی کے بیچ آئی تھی، شیری ہونٹوں پر زبان پھیر پھیر کر ساری

لپ اسٹک چٹ کر جاتا اور بنٹی غصے سے تلملا اٹھتی، ہر بار وہ دوبارہ نہ کرنے کا وعدہ کرتا اور اگلی بار پھر لپ اسٹک کے بس ہلکے نشان رہ جاتے۔

"اچھا اب نہیں کرتی." شیری نے ہاتھ کو اپنے بالوں پر جو کہ لمبی چوٹی کی طرح اس کے کندھے سے آگے ڈھلکے ہوئے تھے ہاتھ پھیرا۔

"بنٹی چھڈ دے اس نوں، میک اپ یہ فیر سیکھ لے گی، ابھی اسے کمو کے پاس بھیج اس کو ٹھمکے کی پریکٹس کروادے گی۔" پلنگ پر تقریباً لیٹی بی بی حاجن نے ہاتھ اٹھا کر آواز لگائی۔ وہ پچھلے سال حج کر کے آئی تھی اور اسی کی خواہش پر اب اسے بی بی حاجن کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ بنٹی نے ناک منہ چڑایا اور ایک طرف ہولی۔

"نی کمو!! اے بلی دے ٹھمکے تے وی کم کر۔" اس نے فرش پر بیٹھی پریکٹس کرتی عورتوں میں سے ایک کو مخاطب کیا، جو سب کے ناچ کو بغور دیکھ کر ریمارکس دے رہی تھی۔

"ہاں تو حاجن بی بی، آجائے یہ بھی۔" اس نے کھسروں کی سی طرز پر ہاتھ ہوا میں اٹھا کر دوبارہ نیچے کو مارا۔ اب یہ شیروان کے لیے مزید ار تھا، شیری اٹھ کر دوسرے کونے میں پڑی چٹائی کی طرف چل دیا اور شیروان اس کے ساتھ ہولیا۔

"بلو ٹھمکا لگا. بلووو.." دوسری طرف کوئی مردانہ کم زنانہ آواز میں گا رہا تھا۔

"لو جی اب بلو ٹھمکا لگانے لگی ہے۔" شیروان نے شیری کے پیچھے سرگوشی کی، شیری نے اسے گھورا۔ وہ جب تک یہاں اکیلا تھا وہ سکون میں تھا اب ہر الٹی حرکت کا شیروان گواہ بنتا جا رہا تھا۔

"بلو ٹھمکا لگا.." آواز تیز ہوگئی، وہ چٹائی کے پاس پہنچ گئے تھے۔

"سانوں سب نونچا۔" یہ کمو تھی اور بلاشک وشبہ وہ کمال آواز کی مالک تھی یا تھا۔ شیری اور شیروان ہمیشہ اپنے آس پاس اس کم دکھنے والی مخلوق کی جنس کا فیصلہ نہیں کر پاتے تھے۔

"بلووووو۔" "آجا ببلی۔ ادھر آ۔" شیری کو دیکھ کر گاتے گاتے وہ رکی۔ کھسروں کے گول دائرے کے بیچ میں ٹھمکے لگاتی تھرکتی کملا کے قدم رک گئے۔ شیری سڑتا کڑتا زبردستی مسکراتا آگے بڑھا۔

"دیکھ ببلی! ٹھمکا لگانے کے لیے دو چیزیں چاہیئے ہوتی ہیں۔"

"یہ اور یہ۔" اس نے پہلے شیری کے ٹھمکے اور پھر دل پر ہاتھ مارا اور اس ناگہانی ہاتھ مارنے پر وہ تڑپ کر رہ گیا۔

"لماؤ۔" کسی نے دل میں کہا تھا اور اس 'کسی' کو شیری نے بے بسی سے دیکھا تھا۔ خیر شیری سنبھل چکا تھا اور سنجیدگی کا مظاہرہ کرتے ٹھمکا نامہ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کمو دوبارہ اسے سمجھانے لگی۔

"کام عبادت ہوتا ہے، ہمارا کام ناچنا ہے اور اسے عبادت سمجھ کے کر۔"

"لاحولا ولا قوت۔" اب کے دو دلوں نے بیک وقت کہا۔

"چل اب کر کے دکھا۔" تھیوری کے بعد پریکٹکل کی باری تھی، شیری دائرے میں جا کر کھڑا ہوا۔ ادھر کمو نے اپنے سر بکھیرے۔ "بلو ٹھمکا لگا۔ بل وو۔ و۔۔" اور ادھر شیری کا ٹھمکا، نہیں بلکہ ٹھمکی ہلی۔ اور وہیں کہیں دل میں کوئی ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو گیا۔

"یہ بھی جان کو عذاب پڑ گیا ہے۔" شیری نے خفگی سے شیر وان کو دیکھ کر سوچا۔

"بے چاری بلو چچ۔" دوسرے دل نے بھی سرگوشی کی تھی۔

"میں کدھر پھنس گیا۔" شیری کا دل رویا۔

"اب یہ اچھا پھنسا ہے۔" دوسرا دل پر جوش تھا۔

"کتا۔" اپنی ٹھمکی کو شیری نے شیر وان کے منہ کے آگے لہرایا۔ وہاں ہنسی تھی، واپس جا کر سب کچھ حرف بہ حرف بتانے کا جوش تھا۔

"سانوں سب نوں نچا۔ بلووو۔۔" کمو بے نیاز گاتی رہی۔

اور دو مردانہ دل آپس میں سرگوشیاں کرتے رہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آسمان پر ابھی سیاہی پھیلی تھی. فجر کی آذان ہوئے چند منٹ گزرے تھے. اسلام آباد میں واقع انسٹیٹیوٹ آف سوشل سائنسز کے گرلز ہاسٹل میں ابھی سویرا نہیں ہوا تھا. اکا دکا لڑکیا جاگ رہی تھیں. مگر ابھی بھی بستروں میں دبکی پڑی تھی. ہر کمرے میں تین سنگل بیڈ یعنی تین لڑکیاں رکی تھی. کمرہ نمبر 23 کی دو لڑکیاں اوندھے منہ سوئی ہوئی تھیں. اور تیسری؟ وہاں نہیں تھی. مگر واش روم سے پانی گرنے کی آواز آرہی تھی. دروازہ کھلا. لڑکی باہر نکلی. کالا سوٹ جس پر نیلے رنگ کی دھاریاں تھی. سفید دوپٹے کو چہرے کے گرد لپیٹا ہوا تھا.

ایک نظر اوندھے منہ لیٹی اپنی رومیٹس کو دیکھا. گھڑی پر نظر ڈالی اور سائڈ ٹیبل کے نیچے بنی جگہ سے جائے نماز اٹھایا فجر کی نیت باندھی اور اللہ کی حمد و ثنا میں مصروف ہو گئی. ابھی سجدے میں گئی تھی کہ الارم فل والیم سے شور کرنے لگا. کیا فضول ٹائمنگ ہے اس الارم کی. سجدہ کرتی حیا ڈسٹرب ہوئی تھی.

الارم بجتا جا رہا تھا اور آواز اونچی ہوتی جا رہی تھی. حیا نے سنتوں کا سلام پھیرا. اکتاہٹ سے جائے نماز چھوڑا. الارم بند کیا اور الارم والی کے منہ سے کمبل اتار کر پرے مارا.

خیر ہے آج اٹھنے کا موڈ نہیں؟ اس نے لڑکی کا بازو ہلایا. ہوں. لڑکی نے کروٹ بدلی. وہ جنت تھی. جسے بالخصوص ڈاکٹر ہارون نے حیا کے ساتھ رہنے کو کہا تھا.

نماز پڑھ لو. اس نے اس کو دوبارہ ہلایا. جب وہ نہیں ہلی تو دوبارہ جائے نماز پر جا کر کھڑی ہو گئ. فرض پڑھے سلام پھیرا. اور ایک نظر سوتی جنت پر ڈال کر دعا کے لیے ہاتھ بلند کیے.

ہمیشہ کی طرح ہاتھ بلند کرتے ہی دل میں ٹیسیں اٹھنے لگیں. ماں, باپ, بھائی. ایک ایک کر کے سب کے چہرے آنکھوں کے سامنے گھومنے لگے.

ماں کا اس کی پیدائش پر مر جانا. باپ کا اس کے سر پر رکھا ہاتھ کتنا سکون دیتا تھا. اور پھر ان کا بھی اسے چھوڑ جانا. اور بھائی. ہیں پر نہ ہونے کے برابر. اس کا دل بھر آیا.

تبھی ایک اور چہرہ آنکھوں کے سامنے لہرایا. دل میں اٹھتی ٹیسوں کی جگہ اب کہ مختلف درد تھا. آنکھوں میں آنسوؤں کی جگہ عجیب سا جزبہ تھا. وہ کم از کم محبت نہیں تھی. یہ چہرہ اسے دیکھنا بھی اب گوارا نہیں تھا. سخت اور کھنچے ہوئے نقوش. سمٹی بھنویں. اس کا یہ ہی نقشہ حیا کے دماغ میں نقش تھا.

"جس طرح میں اکیلی رہ گئی. تم بھی اکیلے رہ جاؤ گے. یوں ہی تڑپو گے جیسے میں تڑپ رہی ہوں."تکلیف اتنی تھی کہ اس سے کم وہ حمزہ کے لیے دعا میں نہیں مانگتی تھی.

"ہونہہ."اس نے اس بن بلائے چہرے کو دماغ سے جھٹکا.

دماغ ماضی کے دھندلکوں میں کھونے لگا تھا. پھر اپنے ساتھ ہوا ہر سانحہ آنکھوں کے سامنے سے گزرنے لگا.

"یا اللہ! میرے کون سے گناہ تھا جو سب چھین لیا تونے مجھ سے؟" بے اختیار اس کے منہ سے نکلا اور ایک کے بعد ایک آنسو آنکھوں سے ٹپکنے لگے. شکوے تیز ہو گئے. سسکی بندھ گئی. آواز رندھ گئی. کوئی بھی تو نہیں تھا اس کا اس دنیا میں. بس وہ تھی. تنہا.

"کیا ہوا حیا؟"

"سب ٹھیک ہے؟"

"حیا؟"

کوئی اس کے ساتھ بیٹھا اسے بلا رہا تھا. دعا مانگتے کب وہ سجدے میں گر گئی اسے پتا ہی نہیں چلا. آنکھیں مسلتی وہ کھڑی ہوئی. بمشکل ساتھ بیٹھے وجود کو دیکھا. وہ اس کی رومیٹ اور کولیگ جنت تھی. وہ سوئی ہوئی تھی جب کسی کے رونے کی آواز پر وہ ہڑبڑا کر اٹھی. حیا سجدے میں گری بلند آواز سے رو رہی تھی.

"کیا ہوا؟"

تم ٹھیک ہو؟ وہ متفکر سی پوچھ رہی تھی.

"جنت !لوگ کیوں چھوڑ کر چلے جاتے ہیں؟"

"ماں, بابا سب مجھے چھوڑ گئے. کسی نے نہیں سوچا میں اکیلی کیسے رہوں گی... جنت.." سانس ٹوٹا. دوبارہ نام دہرایا.

"جنت! مجھ سے نہیں ہوتا اب. تھک گئی ہوں میں."

اس نے دوبارہ رونا شروع کر دیا تھا. شاید کندھا میسر آ گیا تھا. تبھی!

"کوئی نہیں ہے جس سے جا کر دل کی بات کروں. میں کیسا محسوس کرتی ہوں. کوئی بھی نہیں ہے. جس کو بتاؤں. جس کے گلے لگ کر اپنی قسمت کو رو سکوں." رو رو کر ہچکی بند گئی.

جنت اسے اپنے دائیں بازو میں سمیٹے فکر مند سی دیکھ رہی تھی. دوسرا ہاتھ حیا کے بال سہلا رہا تھا.

"سب ٹھیک ہو جائے گا. وہ بس اتنا کہہ سکی. "کیسے؟ یہ وہ بھی نہیں جانتی تھی. وہ روتی رہی. یہاں تک کہ آنسو خود رک گئے. جنت نے اسے خود سے الگ کیا اور پانی لینے سائڈ میز کی طرف بڑھی. حیا نڈھال سی فرش پر ڈھے گئی.

"حیا. تم وہ دیکھ رہی ہو جو نہیں ہے. وہ بھی تو دیکھو جو تمہارے پاس ہے." پانی کا گلاس حیا کے ہاتھ سے واپس لیتے جنت نے زور دیتے ہوئے کہا.

"کیا ہے میرے پاس؟" اس نے حیرت سے سوجی ہوئی آنکھیں پھیلائی.

جنت ایک لمحے کو رکی.

"تمہاری شادی! تمہارا ہسبنڈ؟" ہچکچاتے ہوئے اس نے کہا.

"ہونہہ." اس نے استہزائیہ ہونٹ سکیڑے. آنکھوں میں خفگی در آئی. وہ قدرے سنبھل چکی تھی.

"اسے زبردستی کہتے ہیں جنت بی بی,شادی نہیں. اور ایسے شخص کو شوہر نہیں کہتے جو کسی کی مجبوری کا فائدہ اٹھا کر پہلے نکاح کرے پھر اسی بیوی پر ہاتھ اٹھائے. کم از کم میری ڈکشنری میں ہسبنڈ کی تعریف یہ نہیں ہے." منہ پر جمے خشک آنسوؤں کو ہاتھ سے صاف کرتے وہ کھڑی ہوئی. جنت کی حیا کے دل میں اس کے شوہر کے لیے احساس جگانے کی ایک اور کوشش دم توڑ گئی. وہ بھی اس کے پیچھے فرش سے اٹھی.

حیا کا رخ واش روم کی طرف تھا. سات بجے ان دونوں کو انسٹیٹیوٹ جانا تھا. وہ اپنی اپنی تیاری کرنے لگیں.

****

"شیری وغیرہ کی کوئی خبر ہے؟" گاڑی میں بیٹھتے ہوئے حمزہ نے علی سے پوچھا. علی ڈرائیونگ سیٹ چھوڑ کر دوسری طرف ہو گیا تھا.

"نہیں ابھی تک تو نہیں. پر پلان کے مطابق کل صبح تین بجے وہ کسی نا کسی طرح ہم سے رابطہ کریں گے."

"ہمم.." حمزہ نے کچھ سوچ کر گہرا سانس لیا.

"خیریت ہے ابدان صاحب نے کیوں بلایا ہے؟"

"پتا نہیں جا کر ہی پتا چلے گا."

"مجھے امید ہے تم نے کچھ نہیں کیا ہو گا." علی نے اسے خفگی سے دیکھا.

"میں کچھ نہیں کرتا. اور پچھلے دو ہفتے سے تو بالکل کچھ نہیں کیا." حمزہ نے شارپ موڑ کاٹتے ہوئے کہا.

جواباً علی مسکرایا.

"ہاں مسٹر حمزہ فیاض بیگ. آپ کچھ کرتے کہاں ہیں بس کسی ملزم کو دو ہاتھ جڑ کر ابدی دنیا میں پہنچا دیتے ہیں. یا غلطی سے آپکا ہاتھ ٹریگر پر آ جاتا ہے اور سامنے والا مر جاتا ہے." علی نے انگوٹھے سے گلے پر دور سے ہی چھری

چلائی. علی سے 'کچھ نہ کرنے' کے پیچھے چھپی تفصیلات جان کر حمزہ نے ناگواری سے اسے گھورا. علی پر اثر نہیں ہوا تھا. تبھی وہ بولا.

"خیر اب تو جاکر پتا چل ہی جائے گا. ورنہ جب کبھی بھی انہوں نے یوں ہمیں بلاوا بھیجا ہے تیرا ہی کچھ کیا ہوا سامنے آیا ہے." علی نے بھی اسی طرز پر اسے گھورا.

"دیکھو علی." حمزہ نے سنجیدگی سے اسے مخاطب کیا.

علی نے پوزیشن لی اور اس کے الفاظ اس کے ساتھ دہرانے کے لیے منہ کھولا.

"میں ایسا کرتا نہیں ہوں مجھ سے ہو جاتا ہے." حمزہ نے اسے گھورا اور علی ہنس دیا.

"پہلی بات ہم ابدان صاحب سے ملنے نہیں جارہے کیونکہ ان کی کال آگئی تھی وہ شہر سے باہر جارہے ہیں. ان کو بس کیس کی پیش رفت ہی پوچھنا تھیں." وہ رکا پھر بات آگے بڑھائی.

"اور دوسری بات آپ بتائیں مسٹر علی!" اور خود کو اتنی عزت سے بلائے جانے پر علی کو توہین محسوس ہوئی تھی. لیکن وہ اس کے تاثرات کو اگنور کرتا آنکھیں سکیڑے اس کی طرف دیکھ کر بولا.

"اپنے سو کالڈ 'ہنی مون' سے آکر آپکی زبان کچھ زیادہ ہی نہیں چل رہی؟." حمزہ نے اسٹیرنگ چھوڑ کر ہوا میں کالن بنایا. وہ یقیناً اس چڑا رہا تھا.

"ابے اسٹیرنگ پکڑ. مارنے کا ارادہ ہے." اس کے اسٹیرنگ چھوڑ دینے پر علی نے فوراً اس کی توجہ سڑک کی طرف کروائی. اور علی ایک لمحے کو ڈھیٹ ہوا تھا پھر سنبھل کر بولا.

"دیٹ واز آ گریٹ ٹائم ودہر."

"پر تو نہیں سمجھے گا میرے دوست. لو, رومانس, محبت یہ سب باتیں تیرے یہاں کی ہیں." اس نے اپنے سر کے اوپر ہاتھ لے جا کر کہا.

حمزہ نے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا.

"ہاں نا. یار یہ بندیاں بہت کمال ہوتی ہیں. میں کتنا بھی پریشان ہوں. فرسٹریٹڈ ہوں. فریحہ ایسے تسلی دیتی ہے کہ لگتا ہے یہ مسئلہ کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے. آئی ایم بلیسڈ." وہ چہک رہا تھا.

"اہاں اہاں." حمزہ نے اس سنسان سڑک پر اسپیڈ بڑھاتے ہوئے علی کو چھیڑا. وہ شرمندہ ہوا. مگر جلد سنبھل گیا.

"پر یار تجھے دیکھ کر کبھی کبھی مجھے دکھ ہوتا ہے." اس نے رک کر حمزہ کو دیکھا. وہاں اب کوئی تاثر نہیں تھا. "کاش ایسی ہی کوئی تیری زندگی میں ہوتی. جو تیرا خیال رکھتی. تو تو یوں ہر وقت سڑا ہوا نہ رہتا." آخری الفاظ اس نے سڑک کی طرف دیکھتے ہوئے کہے.

"مجھے اپنے مسئلوں کے لیے کسی کے سہارے کی ضرورت نہیں." وہ بے نیازی سے بولا.

"آئی ایم مچیور انف ٹو ہینڈل مائی پرابلمز." اب کہ اس نے کندھے اچکائے.

"ایک بات کہوں حمزہ. پلیز ڈونٹ ٹیک اٹ آن نروز." وہ اس کے تاثرات دیکھنے کو رکا اور پھر دوبارہ بولا.

"تجھے حیا کو یوں جانے نہیں دینا چاہئیے تھا." علی نے تھوڑا ہچکچاتے ہوئے کہا.

"میں نے اسے نہیں بھیجا تھا." وہ لاپرواہی سے بولا.

"پر تیرے رویے نے اسے یوں دربدر کیا." علی نے ترکی بہ ترکی جواب دیا.

"بھائی بن کر کہہ رہا ہوں. مجھے غلط مت لینا. یار کب تک اکیلا دھکے کھائے گا؟ بی اماں بھی کب تک تیرا گھر دیکھیں گی؟ اچھی بھلی وہ لڑکی آئی تھی اس کے ساتھ بھی تو نے یوں کیا."

"میں نے کچھ نہیں کیا." وہ اب بھی بے نیاز تھا. لیکن کہیں دل میں وہ خود کو ہی ذمہ دار سمجھ رہا تھا.

"یار بس کر.." اس نے خفگی سے حمزہ کو دیکھا.

"تیرے لیے ہی کہہ رہا ہوں. زیادہ نہ سہی پر وہ تیرا گھر دیکھتی. تیرا خیال رکھتی. تو کم از کم سکون میں رہتا." وہ اسے احساس دلا رہا تھا.

"نہیں وہ آس پاس ہوتی تو میں کبھی سکون میں نہ رہتا. اس کے ہونے سے مجھے عجیب سا احساس ہوتا تھا. کسی کے ہونے کا." اس نے گاڑی سائڈ پر لگائی.

"ہاں تو وہ بیوی ہے تیری. احساس ہو گا. یہ رشتہ ایسا ہے."

"نہیں چاہیئے یہ احساس اور ایسا کوئی. ناؤ اسٹاپ اٹ پلیز."

"میری خوشیاں ان رشتوں کی محتاج نہیں ہے. سب کو مجھے چھوڑ کر جانا ہے. سب چلے جاتے ہیں. اور چلے گئے تھے. وہ بھی چلی گئی تو کیا فرق پڑتا ہے؟" وہ بگڑ گیا تھا.

"کر لے اپنی مرضی. پر جلدی تجھے احساس ہو جائے گا." علی نے اس کی کسی بات کا جواب نہیں دیا تھا.

اور حمزہ کی طرف سے جواب میں اسے گاڑی کے ٹائروں کے چر چرانے کی آواز سنائی دی تھی. گاڑی دوبارہ سڑک پر تھی.

****

انسٹیٹیوٹ میں صبح کب سے طلوع ہو چکی تھی. یہ ایک بڑی چار منزلہ عمارت تھی. جسے جدید طرز پر بنایا گیا تھا. ڈاکٹر ہارون نے اسے قریباً تیس برس پہلے بنایا تھا. پہلے وہ اکیلے اس سفر پر نکلے تھے اور پھر قافلہ بنتا چلا گیا. یہاں اور بھی ٹرینر, ماہر نفسیات, ماہر انسانیات اور بی ہیور سٹ (ماہر کرداریت) تھے مگر جو ملکہ ڈاکٹر ہارون کو لوگوں کے رویے پڑھنے اور زندگیوں کو بدلنے پر حاصل تھی وہ شفا کسی اور کے الفاظ میں اس قدر نہیں تھی. ہاں وہ الفاظ سے دل کے, دماغ کے مریضوں کو شفا دیتے تھے.

اس وقت وہ اپنے روشن آفس میں بیٹھے کافی کے مگ سے گھونٹ گھونٹ اندر انڈیل رہے تھے. ان کی عمر پچاس کے لگ بھگ ہو گی مگر ورزش اور اچھی خوراک نے ان کو فٹ رکھا ہوا تھا. سفید شرٹ, ڈریس پینٹ, کلائی پر بندھی گھڑی جو قیمتی معلوم ہوتی تھی. آنکھوں پر نظر کا چشمہ. اور کرسی کی پشت پر لٹکا بلیو کوٹ. کالی مگر روشن آنکھیں. وہ خوش شکل تھے. اور شخصیت کے رعب نے ان کو طلسماتی کر دیا تھا. وہ بولتے تو سننے والے کسی سحر میں آجاتے. جس کے پاس بیٹھ جاتے وہ ہی مسحور ہو جاتا. ان کی ساری تعلیمی ڈگریاں باہر کی تھیں کیونکہ ان کے نزدیک مغرب نے انسانیات میں ان سے زیادہ ترقی کی تھی.

سامنے ایک سولہ سترہ سال کا لڑکا پچھلے پندرہ منٹ سے یوں ہی خاموش ٹیبل پر پڑے ڈاکٹر ہارون کی نیم پلیٹ کو دیکھ رہا تھا. بھوری تختی پر سنہری حروف. ڈاکٹر ہارون, ماہر نفسیات, اینتھروپولوجسٹ (ماہر انسانیات).

مگ سے آخری گھونٹ بھرا. دونوں ہاتھوں کو میز پر رکھ کر باہم ملایا. اور لڑکے کو بغور دیکھا. وہ پریشان لگ رہا تھا.

"کس کلاس میں پڑھتے ہو؟" اس کے تاثرات کو پڑھتے سوال کیا. اس نے یوں ہی نظریں جھکائے جواب دیا.

"سیکنڈ ائیر."

"فرسٹ ائیر میں کتنے مارکس تھے؟"

"چار سو اکیاسی." اور ایک لمحے کو اٹھی نظریں دوبارہ جھک گئیں.

"ایف ایس سی؟" وہ رکے تا کہ لڑکا اپنا مضمون بتائے. اور لڑکے نے اچک کر مکمل کیا.

"ایف ایس سی پری میڈیکل."

"ہوں." دونوں ہاتھوں کی انگلیاں باہم ملاتے ہاتھ سر کے نیچے رکھے, کرسی سے ٹیک لگائی اور آنکھیں بند کر لیں. چند لمحے یوں ہی گزر گئے. لڑکے نے بے چینی سے پہلو بدلہ.

"سر! میں نے اپنی پوری کوشش کی تھی. اگر میرٹ پر نام نہیں آیا تو کیا کروں؟" آواز رندھ گئی.

"ہوں۔" وہ اسے اور سننا چاہتے تھے۔ آنکھیں بدستور بند تھیں۔

"پہلے ایف ایس سی کے نمبروں پر گھر میں تماشہ۔ فلاں کے اتنے نمبر آئے فلاں کے اتنے آئے۔ تمہارے بس چھیاسی فیصد۔ سر چھیاسی فیصد کم ہوتے ہیں؟ لڑکے نے کرب سے پوچھا۔ بند آنکھوں سے وہ تلخی سے مسکرائے۔

"بیٹا! ضرورت کو تو ساٹھ فیصد بھی بہت ہوتے ہیں۔ پر انسان خواہشوں پر جیتا ہے۔ تبھی خوش نہیں رہتا۔" لڑکے کو پتا نہیں سمجھ آئی یا نہیں۔ وہ دوبارہ بولنے لگا۔

روز روز کی چبھتی نظریں اور طعنے سن سن کر میں تھک گیا ہوں۔ یہاں سب اپنی زندگی کی بازی لڑتے تھکے ہوئے تھے۔

"اذیت سی اذیت ہے۔ نیند نہیں آتی۔ آتی ہے تو سارا دن ساری رات سوتا رہتا ہوں۔ سب کو یہ دکھتا ہے کہ میرا میڈیکل میں داخلہ نہیں ہوا مگر یہ کسی کو نہیں دکھتا کہ میں نے دن رات محنت کی۔ اپنی نیندیں قربان کیں۔ گیمز, ٹی وی, موویز کچھ بھی تو نہیں کیا تھا ان دو سالوں میں۔ میرے سے زیادہ دکھ ہے سب کو؟ میرے سے زیدہ تکلیف ہے؟"

"بابا کی بے رخی, ماما کا دوبارہ ٹیسٹ دینے کا پریشر, لوگوں کی باتیں, طعنے, استہزائیہ نظریں۔ یہ۔ یہ سب مجھے پاگل کر دے گا۔ اور پھر یہ سب مجھے کھو دیں گے۔"

آخری الفاظ پر ڈاکٹر ہارون نے یک لخت آنکھیں کھولیں۔ دونوں کہنیاں میز پر ٹکائی اور آگے کو جھکی۔

"ہاں۔ اگر یہ یوں ہی چلتا رہا تو میں خود کو مار لوں گا۔" وہ لڑکا تھا مگر رو رہا تھا۔ نہیں شاید وہ ذہنی مریض تھا۔ تبھی اسے یاد نہیں رہا کہ لڑکے نہیں روتے۔

ڈاکٹر ہارون نے اس کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا۔

کوئی نمبر ڈائل کیا اور رسیور کان سے لگایا۔

"ہاں جنت! یہ لڑکا باہر آرہا ہے. اس سے اس کے والدین کی تفصیلات لے کر انہیں دو دن بعد ہونے والے "پیرینٹنگ سیشن" پر مدعو کرو."

ڈاکٹر ہارون کھڑے ہوئے, کرسی سے اپنا کوٹ اٹھایا. جانے سے پہلے لڑکے کے کندھے پر ہاتھ دھر کر زور سے دبایا. یہ حوصلہ تھا. جو اس ہاتھ سے ہوتا لڑکے کے دل میں اترا تھا.

****

رات کا اندھیرا اچھلے کافی دیر ہو چکی تھی. اس مٹی کے مکان کے بڑے گھر میں گھپ اندھیرا تھا. بظاہر لگتا تھا سب سو چکے ہیں. مگر کسی کو جاننے کے لیے ظاہر نہیں, باطن میں جھانکنا پڑتا ہے. اور شیری اس باطن میں جھانکنے کو تیار تھا. اسے سیکریٹ کوڈ مل چکا تھا. وہ اب ان کے خاص لوگوں میں شامل تھا. شیروان کو ابھی آئے چند دن ہوئے تھے اسے اعتماد حاصل کرنے میں وقت تھا. یہ سفر شیری کو اکیلے کرنا تھا.

"بلی! وہ تو الگ ہی دنیا ہے. جب تو دیکھے گی نا تو آنکھیں چندھیا جائیں گی تیری. یہ بڑے بڑے اونچے ستون. اور حاجن بی بی کا سونے, چاندی سے آراستہ تخت." وہ ڈرامائی انداز میں برآمدے کی چھوٹے ستون سے ٹیک لگائے آسمان پر نظر جمائے ہاتھوں کو لہراتے کہے جا رہی تھی.

چنبیلی پچھلے پندرہ منٹ سے شیری کو یہ محل نامہ سنا رہی تھی جہاں دو دن بعد شیری کو جانا تھا. وہ بغور اسے سن رہا تھا. اس نے بڑے چرچے سن رکھے تھے اس گھر کے. جو پریمیم ممبر کو ہی دیکھنا نصیب ہوتا تھا. اور اب وہ پریمیم تھا. "کب چلیں گے ہم دن میں ؟" بظاہر اس نے بے چینی دکھائی. باطن میں یہاں ایسے جزبے تھے کہ اس محل کی بنیادیں بھی مسمار کر دی جاتیں.

"اوں ہوں!" اس نے خفگی سے اسے دیکھا۔ "دن میں نہیں، دوسرے پہر جب دنیا سو جائے گی تب وہ محل جاگے گا۔" اس نے بے خودی سی کی کیفیت میں ایک ہاتھ اپنے کولہے اور دوسرے ہاتھ کو ہوا میں گھماتے ایک قدم آگے بڑھایا۔ وہ محل واقعی اتنا خوبصورت تھا یا چنبیلی بڑھا چڑھا کر بتا رہی تھی۔ شیری نے سر جھٹکا۔

"گاڑی پر جائیں گے؟" اس نے پوچھا مگر چنبیلی کے بے ساختہ ہنسنے پر وہ شرمندہ ہوا۔

"پیدل جائیں گے میری جان پیدل۔ ٹک ٹک۔" اس نے ہاتھ الٹا کیا اور چلنے کے سے انداز میں دو انگلیاں ہوا میں آگے بڑھائی۔ وہ زیادہ ہی ڈرامائی ہو رہی تھی۔ شیری کو کوفت ہوئی۔

وہ جواب دیے بغیر اسے اس کی ڈرامائی دنیا میں چھوڑ کر اپنے بستر کی طرف بڑھا۔ کل اسے حمزہ سے رابطہ بھی کرنا تھا۔

****

"حمزہ تم آرام سے بیٹھ جاؤ ہم کوشش کر رہے ہیں۔ جلد ان سے رابطہ ہو جائے گا۔" علی نے لیپ ٹاپ سے سر اٹھایا۔

وہ بیسمنٹ میں پچھلے ڈیڑھ گھنٹے سے یوں ہی ادھر سے ادھر ٹہل رہا تھا۔ آج ہفتہ ہو چکا تھا۔ مگر شیری اور شیروان کی طرف سے کوئی رابطہ نہیں ہوا تھا۔

"کب؟ کب رابطہ ہو گا؟ ان کو بدھ کو ہمیں کانٹیکٹ کرنا چاہئیے تھا۔ آج اتوار ہے۔ اگر یہ لاپرواہی ہے تو یہ ان کا ایک ساتھ آخری کیس ہے۔" وہ بگڑا ہوا تھا۔

"یا پھر زندگی کا آخری کیس۔" وہ غصے اور بے بسی کی سی کیفیت میں بڑبڑایا۔

شیری جتنا لاپرواہ سہی لیکن کام کے معاملے میں وہ غیر سنجیدہ نہیں ہوتا تھا۔ اور یہ ہی چیز حمزہ کو کھٹک رہی تھی۔ ہونا ہو وہ مصیبت میں تھے۔ مگر پلان میں کوئی ہول نہیں تھا۔ کہیں سے بھی کچھ غلط نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ پکڑے نہیں جا سکتے تھے۔ پھر؟ پھر رابطہ کیوں نہیں ہو پا رہا۔ ہر گزرتے لمحے اس کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔

میز کے ارد گرد باقی لوگ بیٹھے کسی طرح کنٹیکٹ کی کوشش کر رہے تھی. حمزہ بے چین تھا. وہ دوبارہ سربراہی کرسی پر آکر بیٹھا.

"پتا نہیں کیا کر رہے ہو تم لوگ اتنے دن سے؟" وہ اب ان پر برس پڑا تھا.

"تم سب کو کسی قابلیت کی بنا پر میں نے اپنے ساتھ جوڑ رکھا ہے. ورنہ نہ تم پولیس کے شعبے سے ہو نہ کسی ایجنسی سے. اگر تم لوگوں کی دیر کی وجہ سے شیری کو کچھ ہوا تو اپنی قابلیت سمیت تم لوگ دفع ہو سکتے ہو." اسے ہائیپر اٹیک ہو رہا تھا. ہاتھ کی رگیں پھولی ہوئی تھیں. اس نے شہادت اور درمیانی انگلی کو ملا کر بھنوؤں کے درمیان پھولتی رگ کو مسلا. گلے میں گلٹی سی ابھری اور معدوم ہو گئی. سب حیرت سے اسے دیکھ رہے تھے. حمزہ سمو تھلی بولنے والا بندہ تھا. اسے چیختے کبھی کسی نے نہیں دیکھا تھا. اور جنہوں نے دیکھا تھا وہ یقین نہیں کر سکے تھے کہ یہ وہی حمزہ ہے. یہ حمزہ اس پرسکون, ٹھہر ٹھہر کر بولنے والے حمزہ سے مختلف تھا. وہ حمزہ یہاں میز پر موجود ہر شخص کو اون کرتا تھا. یہ اسکی فیملی تھے. مگر یہ حمزہ خود غرض تھا. اسے شیری کے ساتھ گئے شیروان کی بھی پرواہ نہیں تھی. سب کو اپنی طرف دیکھتے پا کر وہ ان کو نظر انداز کرتا اٹھا, واش روم کی طرف بڑھا. اندر جا کر چٹخنی چڑھائی. اس کا دماغ کام نہیں کر رہا تھا. اس نے بند آنکھوں سے گہرے سانس اندر کو کھینچے. نل کھولا. پانی کے چھینٹے منہ پر مارے. وہ خود کو نارمل کرنے کی کوشش کر رہا تھا.

جب باہر آیا تو سب دوبارہ مصروف تھے. حمزہ کا پہلی بار ان پر یوں چیخنا وہ برداشت کر سکتے تھے. وہ اچھا آدمی تھا. مگر اس وقت پریشان تھا. وہ بس اتنا سوچ سکے. حمزہ دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا.

"پلان اے کیا تھا؟" اس نے توقف سے پوچھا. لہجہ قدرے دھیما تھا مگر لہجے کی سختی عیاں تھی.

"یہ ہی کہ وہ جا کر تین دن بعد ہم سے رابطہ کریں گے" زویان نے آگے جھکتے ہوئے کہا.

"رابطہ کیا؟" اس نے یوں پوچھا جیسے وہ خود نہیں جاتا. ایک دو لوگوں نے گردن نفی میں ہلائی. اس نے کسی کے بولنے کا انتظار نہیں کیا.

"پلان بی؟" اس نے زویان پر نظریں جمائیں.

"شیر وان کسی بہانے وہاں سے نکل آئے گا." اس نے سرسری انداز میں پلان بی دہرایا.

"اور یہ دونوں کام تیس سے چار دن کے دوران ہونے چاہئیے تھے نہیں ہوئے." آواز کرخت اور قدرے بلند ہو گئی.

اب اس کا دماغ پھرکی کی سی رفتار سے دوڑ رہا تھا.

"مجھے معلعوم ہے اب ہمیں کیا کرنا ہے. انتظار. ایک دن اور انتظار." اس نے کچھ سوچ کر میز پر ہاتھ مارا. اور اٹھ کر بیسمنٹ کی سیڑھیاں چڑھتا اوپر آ گیا.

رات کا تیسرا پہر تھا. باہر ہوا تیز تھی. وقفے وقفے سے بادلوں کے گرجنے کی آواز آتی تو وہ چونکتا ورنہ بیسمنٹ تک باہر کی ہوا رستہ نہیں بنا پا رہی تھی.

کانفرنس میز سے آگے سامنے دیوار پر لگی گھڑی رات کے تین بجا رہی تھی.

میز پر کاغذ بکھرے پڑے تھے اور لیپ ٹاپ کو موڑ کر ٹیبلٹ موڈ پر کیا گیا تھا. سامنے سربراہی کرسی پر پین ہاتھ میں پکڑے وہ پچھلے آٹھ گھنٹوں سے مختلف تانے بانے جوڑنے کی کوشش کر رہا تھا. آنکھیں نیند سے بے حال. مگر فکر تھی کہ سونے نہیں دے رہی تھی.

شیری اسے ہمیشہ ہی بہت عزیز تھا مگر اپنی عادات کے باعث وہ اس قدر اس سے بات چیت نہیں کر پاتا تھا. آج پتا نہیں کیوں دل بے چین تھا. اسے شیری کی طلب ہو رہی تھی. ہاں ویسے ہی جیسے پیاسے کو پانی کی.

وہ اس سے باتیں کرنا چاہتا تھا. کچھ باتیں.

کہیں سے ایک جملہ اس کے کانوں میں گونجا تھا. آواز شیری کی تھی.

"تمغے یوں ہی نہیں ملتے. "جملہ کسی بھی محب وطن کے لیے تریاق تھا. اس نے جملہ دہرایا.

"تمغے یوں ہی نہیں ملتے."

"پھر کیسے ملتے ہیں؟" دماغ پر زور دیا.

"کیسے ملتے ہیں. "جواب آرہا تھا. خوف سے کچھ گلے میں اٹکا. یہ جواب اسے نہیں سننا تھا. پین ہاتھ سے نیچے گرا. وہ اس آواز کو بند کر دینا چاہتا تھا. مگر خیالات کی آوازیں کب بند ہوتی ہیں. اس کی ہر کوشش دم توڑ گئی. بیسمنٹ میں پھر آواز گونجی تھی.

"مر کر ملتے ہیں تمغے."

کون بولا تھا؟ دماغ. ہاں یہ دماغ چلایا اور اس کا دل ڈوب گیا. اس نے دائیں ہاتھ کو منہ پر رکھا اور بائیں ہاتھ سے بال جکڑے.

شیری بچہ تھا. اسے نہیں جانا چاہئیے تھا. کاش وہ خود چلا جاتا اس کی ضد نہ مانتا.. لو ایک اور پچھتاوا. اور اس کے سینے میں تھوڑی گھٹن اور بڑھ گئی.

"کیا ایک اور زندگی اس کی وجہ سے.. "وہ پورا سوچ بھی نہیں پایا تھا.

نہیں شیری کو وہ نہیں کھو سکتا تھا. وہ سب کچھ یوں ہی میز پر بکھرا چھوڑ کر اٹھ گیا. بہت انتظار ہو چکا.

وہ اپنے کمرے میں آیا. سیف سے گن اٹھائی. گولیا گنی. اور اسے سامنے اپنی پینٹ میں اڑیسا, سفید شرٹ پینٹ سے کھینچ کر گن پر ڈال کر اسے چھپا دیا. سیف میں لٹکے کپڑوں کو ادھر ادھر کیا. کالا بلیزر کھینچا, یوں ہی ہینگر بیڈ پر پھینک دیا. اسے جلد وہاں جانا تھا. بلیزر کو پہنتا یوں ہی وہ کمرے سے نکل آیا. اس کا رخ باہر گیٹ کی طرف تھا.

****

یہ انسٹیٹیوٹ کے چوتھے فلور پر موجود ہال تھا. ہال میں قریباً پانچ سو کرسیاں لگی تھیں. سامنے اسٹیج تھا جو فرش سے چند انچ ہی اونچا تھا. اسٹیج پر چار قد آور کرسیاں تھیں, جن کے سامنے ایک میز جس پر چار ہی مائیک لگے تھے. دائیں طرف روسٹرم اور پیچھے دیوار پر آج کے سیشن سے متعلق پینا فلیکس تھا. اوپر لکھا تھا.

"نیو جنریشن, نیو پرابلمز"

"ملینیلز: وائے ہارڈ ٹو مینج ؟"

(ملینیلز 'mallenials' انیس سو اسی کے ابتدا سے سن 2000 کے ابتدا میں پیدا ہونے والی جنریشن)

آہستہ آہستہ کرسیاں بھرنے لگیں اور پورے گیارہ بجے ہال کا دروازہ بند کر دیا گیا. ڈاکٹر ہارون دائیں طرف سے دوسری کرسی پر براجمان تھے. سیشن شروع ہوا اور وہ قدم اٹھاتے روسٹرم کے پاس آکر کھڑے ہوئے.

"ہال میں موجود کوئی ایسا جوڑا ہے جس کے گھر میں ڈبا ٹی وی ہو؟" آتے ہی سوال کیا. کئی گردنیں نفی میں ہلیں.

"کوئی ایسا جو مٹی کے گھر میں رہتا ہو؟" دوسرا سوال کیا. مسکراہٹیں نظر آئیں.

"کوئی جو آج بھی گدھے, گھوڑوں پر سفر کرتا ہو؟" وہ سنجیدہ تھے. مگر ہال والوں کے لیے یہ مزاح تھا.

"سر! اب تو جہاز آ گئے ہیں." ہال سے آواز آئی. سر ہلاتے وہ مسکرائے. "ہاں یہ نیا زمانہ ہے"

"اچھا بچپن میں جب آپ شرارت کرتے تھے تو آپ کے والدین کیا کرتے تھے؟" ہال میں نظر دوڑائی.

"وہ آپ کو روکتے تھے؟" ہال نے حمایت کی.

پھر آپ شرارت کرتے تھے تو وہ آپ کو ٹوکتے تھے. ایسا ہے؟" ہال نے پھر حمایت کی.

"اور آپ تب بھی بات نہیں مانتے تھے تو وہ کیا کرتے تھے؟" فوراً کسی نے کہا" ٹھوکتے تھے."

ہال میں قہقہے ابھرے. لوگوں نے ایک دوسرے کی طرف نظروں کا تبادلہ کیا. ڈاکٹر ہارون کو اس لڑکے کے لفظ نے محفوظ کیا تھا.

"ہاں پھر وہ ٹھوکتے تھے" انہوں نے کہا تو پھر سب ہنس دیے.

"اچھا وہ تو پرانا دور تھا, مٹی کے گھروں کا, گدھے گھوڑوں کا اور ڈبے والے ٹی وی کا. اب جب آپ کے بچے آپ کی بات نہیں مانتے یا شرارت کرتے ہیں تو آپ کیا کرتے ہیں؟"

"روکتے ہیں؟ ٹوکتے ہیں؟ اور پھر؟ پھر ٹھوکتے ہیں" حاضرین کے انداز میں کہا گیا.

ایسا ہی ہے؟ حمایت چاہی اور حمایت مل گئی.

بیٹا! جب سب بدل گیا ہے تو آپ کا پیرینٹنگ اسٹائل کیوں نہیں بدلا؟" بہت آرام سے کیے گئے سوال نے ایک لمحے کے لیے حاضرین میں ہلچل مچا دی تھی. اور پھر دوبارہ خاموشی چھاتی گئی.

" چلیں ٹھیک ہے ہو سکتا ہے یہ طریقہ کارآمد ہو تبھی آپ نے بھی اپنے والدین کا انداز اپنا رکھا ہے. تو بتائیں جب آپ اپنے بچے کو روکتے, ٹوکتے اور ٹھوکتے ہیں تو وہ آپ کی بات مان جاتا ہے؟ کبھی ایسا ہوا کہ آپ نے بچے کو روکا, ٹوکا, ٹھوکا اور کچھ دیر بعد بچا آپ کے پاس آیا ہو اور کہا ہو ماما آپ نے تو میری آنکھیں ہی کھول دیں." سامنے پھر قہقہے تھے. ڈاکٹر ہارون بھی زیر لب مسکرائے.

"یقیناً نہیں ہوتا! بلکہ تھوڑی دیر بعد دوبارہ بچہ وہ ہی سب کرنے لگ جاتا ہے. اس کا یہ مطلب ہوا کہ طریقہ ہے ہی غلط, اگر صحیح ہوتا تو کچھ نتیجہ نظر آتا. نہیں؟" سامنے سے حمایت ہوئی.

"بیٹا. اس جنریشن میں اور آپکی جنریشن میں بہت فرق ہے. یہ جنریشن آپ سے زیادہ ٹیلینٹڈ ہے. آپ کے ٹی وی کی سیٹنگ بدل جاتی ہے, یا رنگ ٹون بدل جاتی ہے تو آپ ان بچوں سے کہتے ہیں کہ صحیح کر دیں. زرا بتائیں جب آپ اپنے بچوں کی عمر کے تھے آپ کو یہ سب آتا تھا؟" کئی گردنیں دائیں بائیں ہلی تھیں.

"اچھا ایک مثال لیتے ہیں. آپ نے گاڑی لینی ہے, سب گھر والے بیٹھے سوچ رہے ہیں کہ کون سی گاڑی لیں. آپ کی ملازمہ جھاڑو لگاتے وہاں آتی ہے اور کہتی ہے سر / میڈم فلاں گاڑی لے لیں. کیا آپ اس کی بات مانیں گے ؟"

وہ روسٹرم چھوڑ کر آگے آ گئے.

"نہیں."ہال میں سے آوازیں آئیں.

"کیوں ؟"

"کیونکہ اس کا اسٹیٹس لو ہے. دوسری قطار میں بیٹھی عورت نے کہا."ڈاکٹر ہارون نے نفی میں گردن ہلائی.

یوں ہی ایک دو اور جواب آیا مگر ڈاکٹر ہارون مطمئن نہیں ہوئے.

"اچھا. اب آپ کو کسی مکینک نے کہا کہ آپ فلاں گاڑی لے لیں. آپ اس کی بات مانیں گے ؟"انہوں نے پچھلی بات کی وضاحت کے لیے ایک اور سوال پوچھا.

"ہاں. "لوگ حامی تھے.

"کیا مکینک کا اسٹیٹس آپ سے میچ کرتا ہے ؟"

"نہیں. "آوازیں آئیں.

"تو آپ نے ملازمہ کی بات کیوں نہیں مانی. اور مکینک کی کیوں مان لی؟"سوال مختلف انداز میں سامنے آیا. پھر خود ہی جواب دیا.

"کیونکہ ملازمہ کے پاس آپ سے کم ٹیلنٹ ہے اور مکینک کے پاس گاڑیوں کا آپ سے زیادہ ٹیلنٹ ہے. اس لیے آپ نے ایک کی بات مانی اور دوسری کی نہیں مانی. "کئی سر اثبات میں ہلے.

"تو بیٹا! جب آپ کے بچے کے پاس آپ سے زیادہ ٹیلنٹ ہے تو وہ بھی آپ کی بات نہیں مانے گا کہ ماما پاپا کو تو کچھ نہیں پتا. "وہ خاموش ہوئے. ہال تالیوں سے گونجا.

"اسی طرح آپ کے دور میں ٹیکنالوجی اس قدر نہیں تھی. آپ کو ٹیکنالوجی کا تجربہ بھی نہیں ہے, آپ کو لگتا ہے آپ کا بچہ بگڑ گیا ہے جبکہ آپ تو سدھرے ہوئے تھے."لوگ خود کو ان کی باتون سے ریلیٹ کر رہے تھے.

"تو جناب آپ اس لیے سدھرے ہوئے تھے کیونکہ بگاڑنے کو اس دور میں اتنا کچھ تھا ہی نہیں. نہ فیس بک تھی. نہ انٹرنیٹ تھا. نہ وڈیو گیمز تھی. "

"تو مطلب آپ سدھرے ہوئے تھے کیوں کہ بگاڑنے کو کچھ تھا ہی نہیں. ہاں اگر فیسبک ہوتی اور پھر بھی آپ کتابوں کو فیس کرتے تو میں مانتا. وڈیو گیمز ہوتیں پر آپ نہ کھیلتے تو بھی میں مانتا."ہال میں سیٹیاں اور تالیاں بج رہی تھیں.

"کتنے لوگ ہیں یہاں جن کے بچے ان سے بچپن میں اپنی باتیں شئیر کرتے تھے؟"انہوں نے پیچھے دیوار تک نظر دوڑائی. بہت سے ہاتھ کھڑے ہوئے.

"اور کتنے لوگ ہیں جن کے بچے اب بڑے ہو کر بھی آپ سے اپنی باتیں شئیر کرتے ہیں؟"بہت سے ہاتھ نیچے ہو گئے.

"جب وہ چھوٹے تھے اسکول سے آتے تھے. آپ ان سے پوچھتے تھے آج اسکول میں کیا ہوا, ٹیچر نے کیا کہا, کوئی دوست بنا نہیں بنا, کھانا کھایا تھا نہیں کھایا. وہ اپنی کوئی شرارت بتاتا آپ ہنس دیتے. اسی طرح وہ آپ کو اپنی باتیں بتاتا رہا. ایک دن وہ گھر آیا اور کہا ماما آج ہم سب دوستوں نے بنک کیا تھا. وہ اسی خوشی سے آپ کو بتا رہا تھا. مگر آپ کے تاثرات بدلے, آپ ہنسے نہیں بلکہ غصہ کیا. اسے ڈانٹا."

"پھر کیا ہوا؟ کیا اس نے یہ سب کرنا چھوڑ دیا؟ نہیں. بلکہ بتانا چھوڑ دیا. فون پر پاسورڈ لگا لیا. تا کہ ماما کو کچھ نہ پتا چلے, بابا کو کچھ نہ پتا چلے."وہ صرف مسائل ڈسکس کر رہے تھے. جواب سامنے بیٹھے لوگ خود بن رہے تھے.

"بیٹا بچے غلط نہیں ہیں. آپ کا رویہ غلط ہے. آپ کا ان کو ہینڈل کرنے کا طریقہ غلط ہے."آواز میں کرب تھا.

"آپ کہتے ہیں کہ کوے کا بیٹا کوا ہوتا ہے تو آپ کا بچہ بھی آپ کی طرح ہو, تو معزرت کے ساتھ ایسا نہیں ہو گا."
"کیونکہ وہ آپ کا دور تھا جب بیٹے کا رول ماڈل باپ اور بیٹی کی آئیڈیل ماں ہوتی تھی. تبھی ڈاکٹر کا بیٹا ڈاکٹر اور درزی کا بیٹا درزی ہوتا تھا. اب والدین رول ماڈل نہیں رہے. اب درزی کا بیٹا ڈاکٹر بننا چاہتا ہے اور ڈاکٹر کا بیٹا ڈریس ڈزائنر. اسی طرح حجام کا بیٹا انجینئیر بننا چاہتا ہے اور انجینئیر کا بیٹا ہئیر ڈریسر." الفاظ تھے کہ دل میں اترتے جا رہے تھے. رشتوں پر آئی گرد چھٹتی جا رہی تھی.
"ایک اور بہت بڑا مسئلہ بچوں کی ٹین ایج. مجھے پتا ہے والد اپنی بیٹیوں سے بہت پیار کرتے ہیں. مگر پھر بھی کچھ چیزیں ایسی ہیں جن پر آ کر ان کا بیٹوں سے رویہ الگ ہوتا ہے اور بیٹی سے الگ." چلتے ہوئے دوبارہ روسٹرم کی طرف گئے.
"یہاں کئی لوگ ہوں گے جن کے گھر اس چیز کو لے کر بے سکونی رہی ہو گی. بیٹا کسی لڑکی کو پسند کرے, راستہ روک کے کھڑا ہو, دن رات باتیں کرے, تو جوانی ہے. ٹائم پاس ہے. بیٹی کسی کو پسند کر لے تو توہین سمجھتے ہیں. اعتماد کھو دیتے ہیں. بات کرنا بند کر دیتے ہیں."
"پہلی بات انا بنا لیتے ہیں. اسے نفرت سے دیکھتے ہیں. اور اگر شادی وہیں کر بھی دیں اور وہ نہ چل سکے تو کہیں گے تمہاری ہی مرضی تھی. بھگتو. اور اگر ارینج میرج نہ چل سکے؟" وقفہ دیا پھر دوبارہ بولے.
"تو کہیں گے نصیب تھا. میرا بیٹا میں یہ نہیں کہہ رہا کہ بچے اپنی مرضی سے ہی شادی کریں. پر سمجھیں آپ اپنے بچوں کو سمجھیں. خدا سے مشورہ لیں. ہو سکتا ہے یہ ہی اللہ کا فیصلہ ہو. ورنہ میں نے کئی ارینج میرج والوں کو سسکتے ہوئے زندگی گزارتے دیکھا ہے."
"بیٹوں کو سمجھائیں. یہ بیٹیاں بڑی نازک ہوتی ہیں. چاہے اپنی ہوں یا دوسروں کی. ان سے گھر میں کوئی اونچی آواز میں بات کر لے تو رونے لگ جاتی ہیں تو بتائیں جن کو یہ بچے گلیوں محلوں, کالجوں کے باہر آوازیں کستے ہیں ان پر کیا

گزرتی ہو گی؟ خدارا ان کا خیال کریں کہ پھر دکھی دل کی بد دعا بھی عرش تک جاتی ہے۔" ایک لہر وہاں بیٹھی خواتین کی ریڈھ کی ہڈی میں اٹھی تھی۔ بہت کچھ یاد آ گیا تھا۔

"مدرز سے کہتا ہوں بچوں کو دینا سکھائیں۔ ایدھی صاحب کہتے ہیں ان کی ماں ان کو دو دیتی تھی ایک خود کے لیے ایک کسی ضرورت مند کے لیے۔ اور آج کل کی مائیں کیا کرتی ہیں؟ بچا گھر آتا ہے تو کہتی ہیں خود کھایا یا کسی اور کو کھلایا؟ اگر کبھی ٹیچر کچھ چکھ لے تو اسکول پہنچ جاتی ہیں کہ اس نے میرے بچے کا ٹفن کھا لیا۔ یوں وہ جان جاتا ہے کہ اس نے کسی کو نہیں دینا۔ اور جب وہ دیتا نہیں تو اس کے پاس آتا بھی نہیں ہے۔ پیسہ، پیار، محبت، علم سب دینے سے بڑھتے ہیں۔" وہ رکے۔ ہال میں سناٹا تھا۔ ہر لفظ سچ ہی تو تھا۔

"فادرز سے کہتا ہوں یار سخت باپ نہ بنو۔ آپ کے اصول لاکھ ٹھیک سہی پر وقت بدل گیا ہے۔ زمانہ اپ ڈیٹ ہو گیا ہے آپ اپنا طریقہ بھی اپ ڈیٹ کر لیں۔ وہ آپ کے بچے ہیں۔ آپ کا ان کا نہ کوئی مقابلہ ہے اور نہ ہی کوئی موازنہ ہے۔ ان سے ضد نہ لگائیں۔ وہ آپ سے دور ہو جائیں گے۔" وہ خاموش ہو گئے۔

چائے کا وقفہ تھا۔ مہمانوں اور حاضرین میں کھانے کے باکس اور جوس کے ڈبے بانٹے گئے۔ آدھے گھنٹے بعد وہ دوبارہ اٹھ کر روسٹرم کے پیچھے کھڑے ہوئے۔ مائیک سیٹ کیا اور بات آگے بڑھائی۔

"دو طرح کے والدین ہیں ایک وہ جو بچوں کو آزاد چھوڑ دیتے ہیں اور ایک وہ جو پابند کر دیتے ہیں۔ دونوں طریقے غلط ہیں۔ بیلنس لانا سیکھیں۔"

"اپنے بچے کو دماغی طور پر تھوڑا آزاد کریں، اسے فیصلہ لینے دیں کہ اسے کیا بننا ہے۔ آپ اس خوف سے کہ وہ غلط فیصلہ نہ کر لے اس کے سارے فیصلے خود لیتے رہتے ہیں اور پھر ہوتا یہ ہے کہ اسے فیصلہ لینا ساری زندگی نہیں آتا۔ اسے اپنے پروں کے نیچے سے نکالیں پلیز، تھوڑی گرم ہوا لگنے دیں۔ ہمارے ہاں تو ٹیچر بھی بچے کی طرف انگلی اٹھا

دے تو انگلی کاٹنے پہنچ جاتے ہیں ہم. بھئی تھوڑا سیکھنے دیں اسے اور انسان اپنی ہڈیوں سے ہی سیکھتا ہے. اسے ذمہ داری دیں. "الفاظ پر زور دیا.

"مغرب میں بچہ بلوغت کو پہنچتا ہے اور ماں باپ ہاتھ اٹھا لیتے ہیں کہ اپنی ذمہ داری خود اٹھاؤ. امریکہ کے سابق صفر اباما کی بیٹی ایک ریسٹورنٹ میں ویٹرس تھی. اسی طرح ایک بڑی طاقت کے وزیر اعظم کا بیٹا لوگوں کے گھروں مین اخبار ڈالتا تھا. کیا ان کے پاس پیسہ نہیں تھا کہ اپنے بچوں کو سکون کی زندگی دیتے؟ آپ سے زیادہ وسائل تھے پر انہوں نے بچوں کو باہر نکالا تاکہ وہ ذمہ داری اٹھانا سیکھ سکیں."

"آج آپکا بچہ غلط فیصلے لے گا تو ہی کل صحیح فیصلے لے سکے گا."

"وہ اپنے کیریر میں جو کرنا چاہتا ہے کرنے دیں. مجبور مت کریں. کہ تم نے ڈاکٹر ہی بننا ہے. وہ نہ بن سکا تو ساری زندگی یہیں اٹک جائے گا. اگر وہ فیل ہو جاتا ہے زندگی کے کسی میدان میں تو اسے نالائق تصور نہ کریں. میں کہتا ہوں ناکامی قسمت والوں کو ہی نصیب ہوتی ہے. ہو سکتا ہے جس دروازے کو اپنے بچے کا نصیب سمجھ کر آپ دستک دلوا رہے ہوں زبردستی کھلوانے کی کوشش کر رہے ہوں وہ اس کا ہو ہی نا. اتنے بچے ہر سال تعلیمی وجوہات کی بنا پر خودکشی کر لیتے ہیں. یار جب بچہ ہی نہیں رہے گا تو ڈاکٹر انجینیر کا کیا کریں گے آپ؟"

"میں ان خوش قسمت لوگوں میں سے ہوں جن کو ناکامی ملی. میرے والدین کی خواہش تھی میں ایم بی بی ایم ڈاکٹر بنوں. نہیں بن سکا. بہت طعنے سنے. بہت کچھ سہا. بالآخر سائیکالوجی میں ایڈمیشن لیا اور آج خدا کا شکر ادا کرتا نہیں تھکتا کہ اس وقت اگر فیل نہ ہوا ہوتا تو آج یہاں کھڑا یہ سیشن نہ دے رہا ہوتا."

مائیک خاموش ہو گیا. ہال کا سناٹا ٹوٹا. تالیوں کی آواز گونجی. لوگوں کو لگا وہ ان کی ہی بات کر کے گئے ہیں ہر لفظ ان کی اپنی زندگی ہی تو تھا. وہ واقعی الفاظ سے شفا دے دیتے تھے اور اس وقت بہت سے والدین اور بچوں کے رشتے کو نئی زندگی مل گئی تھی.

****

خدا سے شکوے کرنا تو اس نے کب سے چھوڑ دیے تھے. الفاظ رک گئے تھے. مگر آنسو؟ وہ تو اپنے آپ گرنے لگ جاتے تھے. خود کو کمپوز کیے وہ اسی چھوٹے سے کمرے میں بیٹھی تھی. سامنے کرسی پر ٹانگ پر ٹانگ دھرے ڈاکٹر ہارون. وہ اسے کسی بات کے لیے منا رہے تھے. وہ ان کو کبھی منع نہیں کر سکتی تھی مگر اسے لگا یہ اس کی اوقات سے باہر ہے. وہ ڈاکٹر ہارون کی جگہ سیشن ڈیلیور نہیں کر سکتی تھی. ان کے الفاظ میں شفا تھی. مگر وہ تو خود مریضہ تھی.

"سر! میرے پاس نہ آپ کی طرح الفاظ کا ذخیرہ ہے اور نہ ہی اتنا نالج. میں کبھی بھی آپکی طرح سیشن ڈیلیور نہیں کر سکتی." وہ ٹھہر ٹھہر کر بولی تو ڈاکٹر ہارون نے ٹانگ سے ٹانگ اتاری, مسکرائے.

"تو آپ سے کون کہہ رہا ہے آپ میری طرح سیشن دیں؟ آپ اپنی طرح سیشن دیں." انہوں نے دوٹوک کہا اور الفاظ کے ردوبدل پر اس کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیلی.

"رہی بات نالج کی تو بیٹے اکیلا نالج کچھ نہیں ہوتا."

"تجربہ اور علم." دونوں ہاتھوں کی انگلیاں قریب لائے.

"طاقت بن جاتے ہیں." انگلیاں آپس میں ملا کر طاقت دکھائی.

"علم تم کتابوں سے لے سکتی ہو, تجربہ کچھ ہے کچھ مل جائے گا." ڈاکٹر ہارون کے بولتے بھلا کون بول سکتا تھا؟ وہ بھی چپ چاپ سنتی رہی.

"یہ چند کتابیں ہیں." انہوں نے سامنے میز پر پڑی کتابوں کی طرف اشارہ کیا.

"تقریباً پندرہ دن تو ہیں ہی. آپ ان کتابوں کو پڑھ لیں. دوسروں کے تجربوں سے سیکھنا آرٹ ہے اور کتابوں میں دوسروں کے ہی تجربے درج ہوتے ہیں." وہ کچھ بول نہین پائی. سر جھکائے سنتی رہی.

"یہ سیشن ہر صورت آپ کو ہی دینا ہے۔ کیونکہ مجھے کل انگلینڈ جانا ہے، وہاں انسانیات سے متعلق ایک ایونٹ ہے جو ایک کے بعد ایک شہر میں منعقد ہوگا اور میں پاکستان کو ری پریزنٹ کر رہا ہوں۔" ان کی آواز سے ایکسائٹمنٹ ظاہر تھی۔

"تو ایک ماہ لگ ہی جائے گا۔" انہوں نے سوچنے کے سے انداز میں سر ہلایا۔

"پر سر! آپ کسی اور سے کہہ دیں۔ میرے میں یہ قابلیت نہیں ہے۔ میرے سے قابل لوگ ہیں انسٹیٹیوٹ میں" اس کی سوئی وہیں اٹکی تھی۔ ڈاکٹر ہارون نے بغور اسے سنا اور گہرا سانس لیا۔

"حیا! ایک کہانی سنو گی؟" کچھ کہے بغیر حیا نے اثبات میں گردن ہلائی۔ مگر اسے سیشن ڈیلور نہیں کرنا تھا اس نے سوچ لیا تھا۔

"ایک آدمی ایک اسکول کے سامنے غبارے بیچا کرتا تھا۔ کاروباری ذہن تھا تو جب بچوں کو چھٹی ہوتی تو وہ ان کو دکھانے کے لیے، امیز کرنے کے لیے چند غبارے ہوا میں چھوڑ دیتا۔ گیس سے غبارے اڑتے چلے جاتے۔ بچے انکو اڑتا دیکھتے تو بڑھ کر غبارہ خرید لیتے۔ یوں اگر وہ چار غبارے چھوڑتا تو چالیس بک جاتے۔ دس چھوڑتا سو بک جاتے۔" حیا کو دیکھتے وہ کہتے جا رہے تھے۔

"ایسے ہی چلتا رہا۔ مگر غبارے والے نے دیکھا کہ ایک بچہ جس کا رنگ کالا سیاہ ہے۔" انہوں نے کالے سیاہ پر زور دیا۔ "وہ بس دور کھڑا دیوار سے لگا غباروں کو اڑتا دیکھتا ہے مگر خریدتا نہیں ہے۔ اسے پتا لگا کہ وہ بچہ غریب ہے۔ اس نے بچے کو بلایا اور کہا 'بیٹا پیسے نہیں ہیں تو کوئی بات نہیں تم یوں ہی مفت کا غبارہ لے لو' بچے نے بات سنی اور کہا، 'انکل بات یہ نہیں ہے بس میرا ایک سوال ہے کہ آپ اتنے دن سے غبارے اڑا رہے ہیں، آپ بلیک غبارہ کیوں نہیں اڑاتے؟ غبارے والے کو سمجھ آئی کہ بچے کو کمپلیکس ہے کیوں کہ اس کا اپنا رنگ کالا ہے۔ تو اس نے ایک کالا غبارہ لیا اور ہوا میں چھوڑا اور پھر ایک بات کہی۔" حیا کے تاثرات دیکھے پھر آگے بولے۔

"کہ بیٹا, یہ نیلا, پیلا, لال, ہرا کچھ نہیں ہوتا, اڑتا وہ ہی ہے جس کے اندر کچھ ہوتا ہے." آخری جملہ کہتے انہوں نے بغور حیا کی آنکھوں میں جھانکا.

"حیا بیٹا! قابل وہ ہی ہے جس کے اندر کچھ ہے."

"اور اگر میں آپ کو یہ موقع دے رہا ہوں تو سمجھ جائیں وہ 'کچھ' میں نے آپ کے اندر دیکھا ہے."

"میں مجبور نہیں کروں گا. کیونکہ چاہے میں بار بار کہتا رہوں دیٹ یو کین ڈو دس. ساری دنیا کہتی رہے حیا کین ڈو دس. پر اگر آپ کا دل کہے گا نا کہ آئی کانٹ ڈو دس. تو آپ واقعی نہیں کر سکو گی. اور اگر پوری دنیا کہتی رہے ہم سب کہتے رہیں کہ آپ یہ نہیں کر سکتی, اور آپ کا دل کہے کہ آپ یہ کر سکتی ہو تو آپ یہ کر کے دکھاؤ گی." وہ خاموش ہو گئے.

حیا جو انکار کرنے کے لیے الفاظ ڈھونڈ رہی تھی اب ان کا منہ تک رہی تھی. اس آدمی کے الفاظ میں کیا تھا؟ اس کا دل بدل گیا تھا. وہ ابھی سے خود کو وویمن کالج کی لڑکیوں کے سامنے بولتا دیکھ رہی تھی. ایک بڑا اسیشن ڈاکٹر ہارون نے اسے سونپ دیا تھا, وہ خوش قسمت ہے. اس نے سوچا. کل کے آنسوؤں کی کڑواہٹ اس لمحے زائل ہو گئی تھی.

یہ بارہ مرلے کا بڑا اور کشادہ گھر تھا. نقشہ وہی حمزہ کے گھر کا مگر کچھ سب سمٹا سمٹا تھا. حویلی کے بجائے گھر ہی نظر آتا تھا. دروازے سے اندر جاؤ تو لان تھا جہاں ایک انیس بیس سال کی لڑکی اپنے باپ کے ساتھ بیٹھی ان کی باتیں سن کر سمجھنے کے سے انداز مین سر ہلا رہی تھی. آگے بڑھو اور لاؤنج عبور کرتے سامنے کمرے میں دیکھو تو گھر کی مالکن بیڈ پر بہت سے کپڑے پھیلائے, چن چن کر ایونٹ, موسم اور ملک کی مناسبت سے کپڑے سوٹ کیس میں رکھ رہی تھی. جب دونوں بیگ بند کر چکی تو ان باپ بیٹی کو دیکھنے باہر نکلی جو اب لاؤنج میں ہی داخل ہو رہے تھے.

"مسٹر ہارون اب آپ چینج کر لیں. 11 بجے فلائٹ ہے." وہ مسکراتی ان کی طرف بڑھی. وہ بھی جواباً مسکرائے.

"ہاں سوچ رہا تھا, پہلے اپنی پیاری بیوی کے ہاتھوں سے بنا کچھ کھالوں, بھوک لگ رہی ہے." وہ اپنی بیگم کو نظروں کے

حصار میں لیے بولے تو اس نے گڑبڑا کر اپنے قد کو پہنچتی بیٹی کو دیکھا جو ٹانگ پر ٹانگ دھرے صوفے پر بیٹھ چکی تھی.

"کم از کم بیٹی کا خیال کر لیا کریں." اس نے آگے ہوتے سرگوشی کی. جو بیٹی نے سن لی تھی اور مسکراہٹ چھپاتے فون اٹھالیا.

" بھئی جب لڑتے بچوں کے سامنے ہیں, تو ایک دوسرے کے لیے پیار کا اظہار بچوں کے سامنے کیوں نا کریں. ؟" ڈاکٹر ہارون نے دلیل دی تھی اب بھلا کون بحث کرتا. اور اس ردابہ نگر میں میاں بیوی کے پیار سے شروع ہونے والی بات, بیٹی کے بڑے ہو جانے سے ہوتی ہوئی ڈاکٹر ہارون کے جملے پر آخر ختم ہو جاتی تھی. ہاں یہ ردابہ کا گھر تھا. حمزہ کی ماسی کا گھر.

ہارون نے ایک بازو ردابہ کے گرد پھیلایا اور وہ سر اٹھاتی اپنے شوہر کے ساتھ فخر سے چلتی صوفے پر آکر بیٹھی.

" آپ بیٹھیں. میں کچھ کھانے کو لاتی ہوں. " وہ کچن کی طرف بڑھ گئ. تھوڑی دیر بعد وہ ڈش میں کوفتے, لزانیہ اور کسٹرڈ رکھے باہر آئی. ڈش کو ڈائینگ ٹیبل پر رکھا. ڈاکٹر ہارون پہلے ہی اس کو آتا دیکھ کر اٹھ چکے تھے.

"انیقہ تمہیں بھوک نہیں ہے؟" ٹیبل پر برتن لگاتے ردابہ نے فون پر مصروف بیٹی کو دیکھا.

"نہیں ہارون صاحب کی پیاری بیوی. " ردابہ کے ہارون کو مخاطب کرنے کے الفاظ اور ہارون کے ابھی کچھ دیر پہلے کہے گئے الفاظ کو ملا کر بظاہر لاپرواہی سے کہا گیا مگر فوراً ایک ہاتھ کان پر لے جاتے بغیر کچھ کہے معافی مانگ لی اور معافی مل گئ ساتھ میز پر خاموش مسکراہٹوں کا تبادلہ ہوا. اور بیچ میں ہلکا سا مردانہ قہقہہ.

یار آپ سوچ لیں ایک بار. ہارون کی پلیٹ میں کوفتے ڈالتے اس نے پر سوچ انداز میں کہا.

اتنا بڑا اسیشن ابھی سے حیا کو سونپ دینا. شاید مناسب نہیں. وہ لڑکی بولنے سے پہلے رونے لگ جاتی ہے. وہ اپنے خدشات کا اظہار کر رہی تھی. ڈاکٹر ہارون نے بغور اسے سنا اور پھر تسلی دی.

"قریباً چار ہفتے ہو گئے ہیں اسے یہاں آئے تم اس سے ملو گی تو اس کا اعتماد دیکھ کر حیران رہ جاؤ گی۔" ردابہ نے بھی سمجھتے ہوئے سر ہلایا۔ ڈاکٹر ہارون کا فیصلہ غلط نہیں ہو سکتا تھا۔

کھانا یوں ہی آرام سے چلتا رہا اور تبھی ردابہ کا فون بجا۔ اسکرین پر نمبر دیکھ کر چہرے پر سارا پیار امڈ آیا۔ کس کا فون ہے؟ نوالہ منہ میں رکھتے انہوں نے سرسری سا پوچھا۔ انیقہ بھی کرسی کھینچ کر بیٹھ رہی تھی۔

"ارے بابا! چہرے سے بتایا جا سکتا ہے کہ حمزہ بھائی کا فون ہے۔" اس نے اعتماد سے تکہ لگایا اور وہ لگ گیا۔

ردابہ نے اسے گھورتے فون کان پر لگایا۔

"ماسی کی جان، میرا بچہ کیسے ہو؟" چھوٹتے ہی وہ حمزہ پر واری جانے لگیں۔

"ٹھیک ہوں۔" سرسری کہا گیا۔

اور وہ شرارتی لڑکا کہاں ہے؟ مجھے بھیجتے ہوئے تو کہہ رہا تھا کہ صبح شام کال کیا کرے گا۔ وہ مصنوعی خفگی سے بولی اور حمزہ نے ہونٹ بھینچے۔

آپ کی یاد آ رہی تھی۔ سوچا کال کر لوں۔ اس نے ردابہ کے سوال کو نظر انداز کیا۔

"میرا بچہ۔ میں انگلینڈ سے آتے ہی تمہارے پاس چکر لگاؤں گی۔ تم کیوں اداس ہوتے ہو۔" ردابہ کو حمزہ کے ساتھ یوں لاڈ کرتے دیکھ انیقہ محفوظ ہو رہی تھی۔ اتنے بڑے حمزہ بھائی اور ماما ان کو بچوں کی طرح ٹریٹ کرنا۔ کیا پیار ہے۔ وہ سوچ کر خود ہی مسکرا دیتی۔

"انگلینڈ؟" وہ چونکا۔

"ارے تمہیں میں بتانا ہی بھول گئی۔ تمہارے چاچو کسی ایونٹ کے سلسلے میں جا رہے ہیں تو کہنے لگے میں اور انیقہ بھی ساتھ چلیں۔ تو بس گیارہ بجے کی فلائٹ سے جا رہے ہیں۔" وہ جوش سے بتا رہی تھی۔ اور ادھر ردابہ کو ملنے کی خواہش دم توڑنے لگی۔ ہارون ردابہ کو دیکھ کر اداسی سے مسکرایا۔

"اوکے! ہیو آ سیف جرنی۔" فون بند ہو گیا۔

ہارون چاچو! آنکھوں میں سایہ سالہرایا۔ دہرا رشتہ مگر رشتے میں دوریاں!

****

رات کا اندھیرا چھٹ رہا تھا مگر سرمئی بادلوں کی سیاہی برقرار تھی۔ صبح نیلی روشن ہوئی تھی۔ اسی چکور پب میں بیٹھا وہ کسی کا انتظار کر رہا تھا۔ اور انتظار میں وقت کب جلدی گزرتا ہے؟

صبح کے چھ بجے بھی پب اپنی تمام تر رنگینیوں سے روشن تھا۔ وہاں چہل پہل میں کوئی کمی نہیں تھی۔ پر ہاں آج وہ لڑکی وہاں نہیں تھی۔ اور لڑکی کا انتظار تھا بھی کس کو۔ اس وقت اس کا دماغ ماضی کی یادوں سے حال کی حقیقت اور اس حقیقت سے مستقبل کے خدشوں کا سفر طے کر رہا تھا۔ اب تو منہ میں رکھی چیونگم بھی بدذائقہ ہو گئی تھی۔ مگر اس کی زندگی سے زیادہ نہیں۔ تو وہ پرواہ کیے بغیر منہ ہلاتا رہا۔ انتظار لمبا ہوتا جا رہا تھا مگر اس لمبے تیل سے چپڑے بالوں والے کا کچھ پتا نہیں تھا۔

سفید شرٹ اور کالا بلیزر اوپر سے پب کی رنگینی، کتنی ہی لڑکیاں اس پر تبصرہ کرتی وہاں سے اٹھی تھیں۔ دونوں ہاتھ باہم جوڑے ٹھوڑی کے نیچے اور کہنیاں سامنے کاؤنٹر پر ٹکائے وہ مسلسل ایک پیر ہلا رہا تھا۔ تھوڑی دیر وہ یوں ہی بیٹھا رہا، پھر فون اٹھایا، نمبر ملایا، جواب ندارد۔ بھنویں سکیڑ کر اوپر نمبر والے کے نام کو دیکھا۔ ناگواری چہرے سے عیاں تھی۔ بایاں ہاتھ فون سے ہٹایا۔ دو بار کھول کے بند کیا گویا خود کو نارمل کر رہا ہو۔ دوبارہ کال ملائی۔ بیل جاتی رہی، ایک، دو، تین اور فون بند ہو گیا۔ کیا لاپرواہی ہے۔ اس نے بے بسی سے اس کو کوسا۔

"اگلے پانچ منٹ میں تم یہاں ہو۔ ورنہ اگلے پانچ سیکنڈ میں دوبارہ سانس نہیں لے سکو گے۔" حمزہ نے اپنا تمام تر غصہ قابو کرتے میسج ٹائپ کیا۔ اور یہ میسج سینڈ۔ گہرا سانس اندر کھینچا، پانچ منٹ پانچ سال کی طرح گزرے مگر کوئی نہیں آیا۔ غصے سے بے حال وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا پب سے باہر نکلا۔ اس سے پہلے کہ وہ گاڑی کا

دروازہ کھولتا کسی نے اسکا ہاتھ پکڑا. وہ چونک کر پیچھے مڑا. ایک آٹھ, نو سال کا بچہ, بال گرد سے اٹے, کپڑوں پر, چار مختلف رنگ کے پیوند, وہ یقیناً مانگنے آیا تھا. وہ جلدی میں تھا. اس سے پہلے کے جیب سے چند نوٹ اسے تھماتا, ایک خاکی لفافہ حمزہ کے ہاتھ میں پکڑاتا بچہ آناًفاناً نظروں سے اوجھل ہو گیا. وہ لمبے بالوں والی آدمی نما عورت نہیں آئی تھی پر پیغام آگیا تھا. حمزہ گاڑی میں بیٹھا, اگنیشن میں چابی گھمائی اور گاڑی سڑک پر ڈال دی. جب اس علاقے سے نکل چکا تو بائں ہاتھ سے اسٹیرنگ پکڑے دوسرے ہاتھ سے لفافے میں سے کاغذ برآمد کیا. غور سے دیکھا. یہ کیا بکواس لکھا ہے. کچھ سمجھ نہین آیا تو اس نے کاغذ جیب میں ڈالا. عجلت سے دائیں بائیں نظر گھمائی اور پھر سامنے سڑک پر. ایک ہاتھ سے اسٹئیرنگ پکڑے دوسرے کو ٹانگ پر رکھے اس نے دو تین بار بند کر کے کھولا. پھر دو انگلیوں سے کنپٹی کو سہلایا. اور کان پر لگے بلیوٹوتھ پر کسی سے بات کرنے لگا.

"ہاں علی! وہ" اس نے وہ کو کھینچا. "باہر جو خالی فیکٹری ہے. وہ جہاں کنسٹرکشن ہو رہی ہے. وہاں آکر مل. ابھی. میں بھی پہنچ رہا ہوں, پندرہ منٹ میں." کہہ کر اس نے کان پر لگا بلیوٹوتھ اتار کر ڈیش بورڈ کی طرف اچھالا.

* *

"یہ کیا ہے؟" علی نے کاغذ پر عجیب سے انگریزی حروف کو دیکھا اور پھر الجھے سے انداز میں پوچھا.

"پڑھو." کاغذ کی طرف اشارہ کیا گیا. علی نے ایک نظر کاغذ پر ڈالی اور پھر حمزہ کو دیکھا. ایسا عجیب سپیلنگ والے الفاظ اس نے پہلے کبھی نہیں پڑھے تھے.

"عجیب آدمی ہے." وہ بس سوچ کر رہ گیا. کاغذ کو بے فضول جھاڑا اور لکھے الفاظ پڑھنے لگا. اور عجیب آدمی وہاں پڑے ایک سیمنٹ کے پکے ٹیلے پر بیٹھ کر اس کی طرف متوجہ ہوا. اور ہاتھ سے پڑھنے کا اشارہ کیا.

" dit dit dit dit/ dit dah/ dah dah/ dah dah dit dit/ dit dah "

پہلی لائن کے اختتام پر اس نے ایک نظر اٹھا کر حمزہ کو دیکھا جو کان اس کی طرف لگائے مگر ہاتھ سے سیمنٹ کھرچنے کی کوشش کر رہا تھا. وہ دوبارہ کاغذ پر جھکا.

" dit dit dit/ dit dah/ dit dit dit dah/ dit "

اب اسے یہ آوازیں نکالنے میں مزہ آرہا تھا اور وہ لہرا لہرا کر پڑھنے لگا.

"dit dit dah/ dit dit dit"

آخری لائن پر سر لگایا اور خاموش ہو گیا. سوالیہ نگاہوں سے حمزہ کو دیکھا. "اب بتا کیا ہے یہ؟"

"اسے کوڈ کہتے ہیں مسٹر علی. سیکرٹ میسج." اس نے خفگی سے وہاں ایک پکے سیمنٹ کے اونچے جمے ہوئے ٹیلے پر بیٹھتے اسے خفگی سے دیکھا. علی سے اس جہالت کی اسے توقع نہیں تھی. وہ گڑبڑا کر شرمندہ سا مسکرایا.

"اینڈ آئی ہیو نیور سین سچ کوڈز" اس نے کندھے اچکائے. اور حمزہ کے گھورنے پر لڑکیوں کی طرح دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھے. اوہ یہ لڑکیوں سی کی ادائیں. خفت سے اس نے آنکھیں گھمائیں. کوئی بھی بھلا چنگا مرد نہیں ہے اس کے آس پاس. وہ بس سوچ کر رہ گیا.

"ہیلو سری دیوی صاحبہ! اب ہاتھ نیچے کریں اور میری بات دھیان سے سنیں." حمزہ نے ایک چھوٹا کنکر اٹھا کر علی کے پیٹ کا نشانہ بناتے مارا جو اب تک منہ پر ہاتھ رکھے بیچ انگلیوں سے اسے دیکھ رہا تھا.

"اچھا بتا کس نے بھیجا ہے یہ میسج؟" سنجیدہ سا وہ اس کی طرف بڑھا.

"پہلے میسج ڈی کوڈ کریں گے." حمزہ نے کاغذ اس کے ہاتھ سے پکڑا اور اپنے بلیزر کے اندرونی حصے سے پین نکالا.

"یہ سگنلز ہیں. جن کی مدد سے دور سے سمندروں میں بیٹھے لوگ ایک دوسرے کو میسج بھیجتے ہیں. یہ میسج روشنی کی مدد سے دیا جاتا ہے. انگلش کے تمام حروف کو یہ ڈاٹ اور ڈیش اسائن کر دیے گئے ہیں. جیسے ایک بار ڈِٹ مطلب ای اور ایک بار ڈیہہ مطلب ٹی. اسی طرح یہ ڈِٹ اور ڈیہہ کا کامبینیشن کمپلیکس ہوتا جاتا ہے, جیسے کے ہمارے میسج

میں بہت سے ڈٹ اور ڈیہہ ہیں۔" علی کے ہاتھ میں پڑے کاغذ کی طرف اشارہ کیا. سارے رستے وہ یہ ہی تو سرچ کرتا آیا تھا.

"تو ڈی کوڈ کرا سے" علی نے عجلت سے کاغذ آگے بڑھایا.

"مجھے آتا ہوتا تو کر چکا ہوتا۔" اس نے بھوری آنکھیں سکیڑی جو اور چھوٹی ہو گئیں۔ "تو اب؟" علی نے لب کاٹے۔" نائس کویسچین "حمزہ نے انگلی اٹھا کر سر ہلایا. اور اپنا فون نکالا. گوگل پر 'مورس کوڈ ڈیکوڈر' لکھا. پیج لوڈ ہوا. انگوٹھا تیسے نمبر والی ویب سائٹ پر رکھا. سائٹ کھل گئی. کاغذ پر لکھے الفاظ وہاں باکس میں ٹائپ کیے,ڈی کوڈ کا بٹن دبایا. اور علی بالوں میں ہاتھ پھیرتا کسی سسپنس سیریل کی سی کیفیت مین اگلے سین کا انتظار کرنے لگا. اور یہ میسج ڈی کوڈ ہوا. وہ رکا. افففف! خدشات درست ثابت ہو رہے تھے. علی نے اس کے چہرے کے تاثرات دیکھے اور کاغذ پر جھکا.

"حمزہ سیو اَس(hamza save us)." اسکرین پر باکس مین لکھا آرہا تھا. اس نے فون کی اسکرین سے حمزہ کے چہرے تک کا سفر کیا. وہ زمین پر پڑے بے ترتیب سیمنٹ کے جمے چھوٹے,بڑے ڈھیلوں کو دیکھ رہا تھا.

"یہ کس نے بھیجا ہے؟" پہلے کیا سوال دوبارہ دہرایا. حمزہ ہاتھ جھاڑتا کھڑا ہوا. "پتا نہیں! یا شاید پتا ہے" کاغذ بلیزر کی اندرونی جیب میں ڈالتے اس نے کندھے اچکائے.

"پتا؟ یا نہیں پتا؟" علی نے اس کے سیاسی سے بیان پر اسے گھورا.

"دیکھ! سیو اَس مطلب؟ ہمیں بچاؤ. ہمیں کسے؟ شیری اور شیر وان؟" انگلی ٹھوڑی پر رکھ کر ہلکے چبھتے بالوں پر پھیری. "مگر! شیری یا شیر وان دونوں میں سے کوئی بھی مجھے حمزہ نہیں کہتا. اور جتنا میں شیری,شیر وان کو جانتا ہوں ان کو یہ مورس کوڈنگ نہیں آتی. کم از کم جو مجھے نہیں آتا وہ ان کو بھی نہیں آتا. "یقین سے کندھے دوبارہ اچکائے.

"پھر دانی؟" علی نے اپنے خیالات کا اظہار کیا.

"ارے نہیں اسے کہاں آتا.. "رکا. "ہو گا.. "آنکھوں میں چمک آئی. اور تیزی سے علی کی طرف مڑا.

"ہاں ہاں اسے ہی تو آتا ہے. "اپنی بائیں ہتھیلی پر دایاں ہاتھ الٹا کر مارا.

"میں اس پر غصہ ہو رہا تھا کہ وہ نہیں آیا. مگر پیغام آیا ہے. "کلیو مل گیا تھا.

دیکھ دانی بحری فوج میں تھا. اسے پتا ہے سمندر مین کیسے میسج بھیجا جاتا ہے. ایک طرف سے مناسب وقفے سے لائٹ سے سگنل دیا جاتا ہے اور پھر دوسری طرف بیٹھے لوگ میسج ڈی کوڈ کرتے ہیں. چونکہ یہ بحری فوج وغیرہ استعمال کرتی ہے تو اسی لیے ہمیں ں یہ کوڈ نہیں آتا تھا. "وہ کوڈ کی تفصیلات سے علی کو آگاہ کر رہا تھا.

رہی بات دانی کی اسے مجھ سے ملنے آنا چاہئیے تھا. میں نے اسے بلایا تھا. وہ نہیں آیا اور جب میں اس سے ملنے جانے لگا تو باہر ایک بچہ آیا اور پکڑا کر چلا گیا. "

"اب یہاں دو باتیں ہیں یا تو شیری اور شیر وان نے یہ پیغام بھجوایا اور شاید پریشانی میں میرا نام لکھ دیا. جو کہ ڈاؤٹ فل ہے. "وہ رسان سے بولتا جا رہا تھا.

"دوسرا. یہ دانی نے بھیجا ہے لیکن!"وہ رکا اور پھر ادھورا جملہ مکمل کیا. "وہ سیو اَس کیوں کہہ رہا ہے؟ وہ تو اکیلا ہے. اور شیری لوگ وہاں اس کی موجودگی سے انجان ہیں. "یہ کیا کنفیوزن تھی. پیغام آیا تھا مگر ادھورا تھا. یا مکمل بھی تھا تو کنفیوزن تھی.

"اب کیا پلان ہے؟ "قدم قدم چلتے وہ گاڑی کی طرف جا رہے تھے.

"بلایا ہے تو جانا پڑے گا."

"میں سب کو انفارم کر دیتا ہوں تیار رہیں. "علی نے کال کرنے کے لیے فون نکالا. مگر حمزہ کے جواب پر ہاتھ رکے.

"تیرا دماغ خراب ہے,وہ لوگ شاید پکڑے گئے ہیں. پکڑے جانا مطلب ٹریپ. تیرے لیے ٹریپ. تو اکیلا نہیں جا رہا."

وہ پیچھے سے چلایا. حمزہ اس سے چند قدم آگے تھا.

"واپس میرے ساتھ جائے گا یا پیدل آنے کا ارادہ ہے؟" گاڑی کا دروازہ بند ہونے سے پہلے یہ آخری الفاظ تھے جو علی نے سنے.

****

رات کا سناٹا بڑھا, اور چھ لوگ کالے سوٹ میں ملبوس, لاہور سے باہر اس چھوٹے گوٹھ میں ان کچے گھروں سے فاصلہ بنائے دور سڑک پر گاڑی ایک طرف لگائے کھڑے تھے. سب کی نظریں چھوٹے گھروں کے بیچ گھرے بڑے صحن والے گھر پر تھی. کب یہ بتیاں بجھتی اور کب وہ اپنا کام شروع کرتے.

یہاں سے دور کچھ فاصلے پر ایک اور گاڑی کھڑی تھی. جس میں ایک لمبے بالوں والی آدمیوں کے سے وضع کی عورت فرنٹ مرر میں اپنی ڈارک اورنج لپ اسٹک کو ہلکا کر رہی تھی. "کیا عذاب ہے." ہونٹ ٹشو سے تھپتھپاتی وہ بڑبڑائی.

"اسے مت اتارو." کان میں کوئی چلایا. اور پھر ہلکے قہقہوں کی آوازیں سنائی دیں. اس کا دل چاہا وہ یہ مائیکروفون اور سامنے لگا منی کیمرہ اٹھا کر باہر پھینک دے. مگر وہ نہیں کر سکی. گہرا سانس اندر کھینچا. چہرے پر آتے بالوں کو پیچھے کیا. کان میں بولنے والا

'بھلا چنگا آدمی' لگ رہا تھا. اور وہ خود؟ کھسرا وہ بھی دو نمبر. اپنی سوچ پر اس نے خود ہی لعنت بھیجی. انسان کو بڑے بول نہیں بولنے چاہئیے. وہ سمجھ گیا تھا.

"میں ان عجیب سے کپڑوں" کپڑے پکڑ کر کھینچے. اور یہ, یہ ان سنہری بالوں" بالوں کو ہاتھ لگایا. "اور اس بے ہودہ میک اپ کے بغیر بھی جا سکتی تھی. "کان میں ایک اونچا قہقہہ اور پیچھے ہلکے قہقہے سنائی دیے.

"مطلب تھا. "وہ گڑبڑایا. صبح سے پریکٹس کر کر کے وہ اب خود کو مونث ہی سمجھ بیٹھا تھا.

"میرے بھائی. تو فٹ لگ رہا ایک دم مادھوری!" فاصلے پر کھڑی دوسرے گاڑی میں اسی طرح سیکنڈ سیٹ پر بیٹھے علی نے وہیں سے ہونٹ گول کر کے اسے چوما. سب نے پھر قہقہ لگایا. بے ہودہ قہقہہ سنتے (کم از کم اس کو بے ہودہ ہی لگا تھا) اس نے نائٹ گوگلز آنکھوں سے لگائے. سے دور کچی آبادی کو دیکھا. ہلچل نہیں تھی مگر بتیاں بجھنے کا انتظار تھا.

"جب تک میں نہ کہوں تم لوگ مت آنا. "وہ حکم دے رہا تھا. "اور ہاں اضافی نفری کے لیے پیچھے پیغام دے دینا, تا کہ کسی بھی غیر متوقع سچویشن میں وہ ہمیں اسسٹ کر سکیں. یو نو بیک اپ. "خود کو دوبارہ شیشے مین دیکھتا وہ بولا.

دوسری گاڑی میں کچھ سر اثبات میں ہلے. اب ہلتے سر اس کو کیسے نظر آتے؟ علی بھی کچھ نہیں بولا. وہ اس کے اکیلے جانے سے مطمئن نہیں تھا. اور اب پچھلے لمحے کی ہنسی غائب تھی.

"حمزہ یہ ان لوگوں کا قلعہ ہے, وہ بہت ہوں گے, میرے خیال سے ہمیں ایک ساتھ دھاوا بولنا چاہئے. "علی نے اپنے خدشات کا اظہار کرتے رائے دی.

"علی! شیری اور شیروان ان کے پاس ہیں. زیادہ لوگ مطلب زیادہ آہٹیں. ہماری زرا سی غلطی ان کو ہوشیار کر سکتی ہے. اور میں کوئی غلطی نہیں چاہتا. "اس نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا. وہ ان کو نہین دیکھ سکتا تھا مگر میک اپ میں بھی اس کے چہرے کے سخت تاثرات وہ دیکھ سکتے تھے.

"ہمیشہ کا ضدی. "علی نے منہ پھیر کر ونڈو سے باہر دیکھتے کہا. پیچھے بیٹھے فکر مند چہروں پہ ہلکی مگر اداس مسکراہٹ پھیلی.

یہاں وہ اپنا پلان ترتیب دے رہے تھے اور وہاں اس کچے گھر کے نیچے کوئی بڑا سرپرائزان کا منتظر تھا.

****

رات آہستہ آہستہ گہری ہو رہی تھی. مٹی کے اس بڑے صحن والے گھر میں پچھلی شام سے عجب گہما گہمی تھی. ہر کوئی منفرد طور پر خود کو سجا رہا تھا. اور اب آہستہ آہستہ لوگ کم ہوتے جا رہے تھے. وہ باہر نہیں آ رہے تھے اندر ہی کہیں غائب ہوتے جا رہے تھے. مگر کہاں؟

باہر دروازے سے اندر کو مضبوط اجسام کے کھسرے کسی کا انتظار کر رہے تھے. وہ الرٹ کھڑے تھے. انتظار ختم ہوا. بتیاں بجھ گئیں. اور اندھیرے میں بہت سے قدموں کی آہٹیں سنائی دینے لگی..

دور کھڑی پہلی گاڑی کا منظر اب بھی کم و بیشتر وہی تھا. پیچھے سمایا, عنایا اور تراب. آگے ڈرائیونگ سیٹ پر زویان اور ساتھ فکر مند سا بیٹھا علی. ان کی نظریں سامنے اسکرین پر تھی. اسی گاڑی سے کچھ فاصلے پر کھڑی دوسری گاڑی اب خالی تھی. بتیاں بجھنے کا ہی تو انتظار تھا. وہ بجھ چکی تھیں. گاڑی میں بیٹھے لوگ اب نائٹ گوگلز پہنے اندھیرے میں ہوتی سرگرمی دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے. فاصلہ زیادہ تھا, بس کچھ وجود ہلتے نظر آ رہے تھے.

بھاری قدم اٹھاتا وہ اس بڑے صحن والے گھر کی طرف بڑھ رہا تھا. دروازے کے پاس پہنچا تو کئی لوگوں کو اندر جاتے دیکھا. وہ دروازے سے اندر قدم رکھتے اور سیکیورٹی کے نام پر کھڑے مضبوط اجسام کے مالک کھسروں کے کان میں کچھ کہتے اور آگے بڑھ جاتے.

وہ ٹھٹھکا. اندر جانے کے لیے کوئی کوڈ؟ اس نے دماغ پر زور دیا کچھ تو بتایا تھا شیری نے. اس نے ناگواری سے آنکھیں بند کر کے کھولیں. وہاں اب وہ اکیلا رہ گیا تھا.

"تجھے چٹھی لکھیں تب آئے گی؟" سیکیورٹی والے مرد نما عورتوں میں سے ایک نے کہا تو وہ چونکا. دل چاہا یہیں پکڑ کر گاڑ دے. مگر تھوک کے ساتھ غصہ بھی اندر نگلا. دونوں ہاتھوں کو موڑا اور تالی بجاتے اندر قدم رکھا.

"ہائے ہائے! چٹھی تو یوں کہہ رہا ہے جیسے تیری معشوق ہوں میں۔" مصنوعی نروٹھے سے انداز میں کہتا وہ ان کی طرف گیا۔ ساتھ کھڑے دوسرے کھسرے مذاق اڑانے کے سے انداز میں ہنسے۔ آواز علی اور دوسرے لوگوں تک پہنچی۔ دھڑکتے دلوں سے وہ مسکرائے۔ واہ! حمزہ کا نیا انداز۔

"اب باتیں گھڑتی رہے گی یا اندر بھی جائے گی؟" پہلے والی نے منہ بناتے کہا اور وہ آگے بڑھنے کے لیے وہاں سے ہلا اور یہ روک دیا گیا۔ لمبا مردانہ ہاتھ دیوار کی طرح سامنے حائل تھا۔ "پہلے بزم تو سجا جا، شعر سنا" اس نے ایڑھیاں اٹھا کر کہا گویا ابھی گھوم دے گی۔

"اوہ شعر!" اس نے انگوٹھے کا ناخن آنکھ کے اوپر رگڑا۔ پریشانی اور ہربڑی میں غلطی ہو گئی تھی۔ اس نے کیسے نہیں سوچا کہ اتنا بڑا اگینگ اتنی آسانی سے کسی کو بھی بھلا کیسے اپنے گھر گھسنے دے گا۔ اس نے دماغ پر زور دیا۔ شیری نے بتایا تھا کچھ۔ ہاں مگر صرف اتنا کہ شعر سنا کر اندر جانا ہوتا ہے۔ پر کون سا شعر؟ ادھر ادھر کی باتوں میں وہ بتانا بھول گیا۔

"اب دوبارہ چٹھی لکھوں؟" اس نیلے بڑے کرتے والی آدمی نما عورت اب اسے گھور رہی تھی۔ جسم میں خون کی گردش بڑھ گئی۔ دل دھک دھک کرنے لگا۔ وہ پکڑا جانا افورڈ نہیں کر سکتا تھا۔ اسے شیری اور شیر وان تک پہنچنا تھا۔ گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔ گاڑی میں بیٹھے لوگوں کی سانس اٹک گئی۔ خدایا! کھیل شروع ہونے سے پہلے ختم۔ نہیں نہیں!

جب وہ کافی دیر چپ رہا تو آس پاس کھڑے باقی لوگ بھی اسے دیکھنے لگے۔ گاڑی میں بیٹھے علی نے سر اٹھا کر پیچھے دیکھا شاید کسی کو پتا ہو مگر وہاں خاموشی تھی۔

"چلو اب دروازے بند بھی کر دو، دو بج گئے ہیں، بی بی حاجن سب کو بلا رہی ہیں" ابھی یہ ہی بات چل رہی تھی کہ پیچھے سے آواز آئی۔ سیکیورٹی والے زنانے مڑے۔ حمزہ کو سوچنے کا وقت مل گیا۔ کیسے جان چھڑوائے۔

"یا اللہ اب کہ بچا لے" دھڑکتے دل سے خدا کو پکارا.

"شعر نہیں سنا رہی یہ." نیلے کرتے والے نے ہاتھ سے اشارہ کیا. پیچھے بر آمدے میں کھڑے کھسرے نے بغور اسے دیکھا.

"آنے دے, بندہ بھول بھی جاتا ہے کبھی." وہ آگے آئی. حمزہ کی نظروں سے نظریں ملی. گاڑی میں لگی اسکرین پر چہرہ ابھرا اور سب اپنی نشستوں پر قریباً ڈھے گئے. وہ بچ گیا. لمبے تیل سے چپڑے بال, آنکھوں میں کالے ڈورے لیے یہ دانی تھا. حمزہ کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑے. مگر کچھ یاد آیا تو آنکھوں میں ڈھیروں الجھن در آئی. دانی تو صحیح سلامت یہیں کھڑا تھا. پھر وہ میسج کس نے بھیجا تھا؟ وہ الجھ گیا. اور گاڑی میں بھی یک دم سنسنی سی پھیلی. پہیلی تھی کہ سلجھ ہی نہیں رہی تھی.

پر ررر.. سیکیورٹی والے زنانے کچھ کہنا چاہتے تھے مگر دانی کے گھورنے پر خاموش ہو گئے.

چل تو میرے ساتھ آجا! وہ ہاتھ لہراتا کھسروں کی طرح آگے بڑھا اور حمزہ کے کندھے پر ڈالا. اس کے لیے اس کا آنا غنیمت تھا. وہ چپ چاپ پریشان سا اس کے ساتھ چل دیا. جب دونوں بر آمدہ عبور کر کے کمرے میں آ گئے تو حمزہ سیدھا ہوا. کہنے کو منہ کھولا. مگر دانے نے ہونٹوں پر انگلی رکھ دی اور اس کے کان میں سر گوشی کی.

"کچھ مت بولنا. یہاں ہر طرف مائیکروفون ہیں."

"بھاڑ میں جائیں مائیکروفون" وہ دبا دبا سا غرایا.

"شیری اور شیروان کہاں ہیں؟" اس سے پہلے کہ وہ جواب دیتا اندر کمرے سے کمو باہر آئی. "باقیوں کو بلانے آئی اور خود ادھر رہ گئی تو ہاں؟" گلے میں پڑے دوپٹے کو انگلیوں میں گھماتے وہ خفا لگ رہی تھی.

"ہاں ہاں آرہے ہیں." دانی عجلت دکھاتا حمزہ کو دیکھے بغیر کمو کے پیچھے بڑھا اور حمزہ جبڑے بھینچے ان کے ساتھ چل دیا. شیری اور شیروان کے لیے اس کا تفکر اور بڑھ گیا تھا.

****

"کیسی جارہی ہے تمہاری تیاری؟" سامنے اسکرین پر سفید شرٹ اور گرے ڈریس پینٹ میں وہ فارمل لگ رہے تھے. وہ ہاسٹل کے کمرے میں بیڈ پر لیٹی ڈاکٹر ہارون کی دی گئی کتابوں میں سے ایک کتاب پڑھ رہی تھی. جب ان کی وڈیو کال آئی.

"اچھی جارہی ہے, بس تھوڑی خوفزدہ ہوں." ہاتھ جھولی میں رکھے نظریں جھکائے وہ کہہ رہی تھی. ڈاکٹر ہارون نے, جو اب انگلینڈ تھے, ہاتھ میں پکڑے کاغذ پرے رکھے اور سکون سے صوفے پر ٹیک لگاتے اس کی طرف مکمل طور پر متوجہ ہوئے.

"بیٹا علاج کے لیے بیماری کا پتا ہونا ضروری ہے. تو پہلے تو یہ بتائیں کہ کس چیز کا خوف ہے؟" اس نے دوپٹے سے نکل کر چہرے پر آتے بال کان کے پیچھے اڑیسے. اور پریشانی بتانا شروع کی.

"کالج میں جب کوئی پریزنٹیشن ہوتی تھی اور مجھے کلاس کے سامنے بولنا پڑتا تھا تو میری آواز کپکپانے لگ جاتی تھی. ہاتھ کانپنے لگ جاتے تھے, مجھے لگتا تھا میں گر جاؤں گی." اس نے رک کر ڈاکٹر ہارون کو دیکھا جو بغور اسے ہی سن رہے تھے. انہیں صرف بولنا نہیں سننا بھی آتا تھا. بولنے کا پہلا اصول ہے کہ سنا جائے اور جو سن نہیں سکتے وہ کبھی بول بھی نہیں پاتے!

"اب مجھے ڈر ہے کہ میں بول پاؤں گی یا نہیں, وہ تو پھر بھی میری کلاس فیلوز تھیں, یہ تو اجنبی اور وہ بھی اتنی لڑکیاں, اگر میری آواز کانپی تو؟ میری ٹانگیں کپکپانے لگیں تو؟ وہ مجھ پر ہنسیں گے. اور آپکا سارا سیشن بے کار چلا جائے گا." انگلیوں کو آپس میں الجھاتے وہ اپنے خوف بتا رہی تھی.

"اوہ!" ڈاکٹر ہارون نے سمجھنے کے سے انداز میں سر ہلایا اور ہلکا تبسم ہونٹوں پر پھیلا. "تو مسئلہ یہ ہے کہ لوگ کیا کہیں گے." مسکراہٹ گہری ہو گئی. اور وہ پریشان سی مسکرائی اور سر اثبات میں ہلایا. اب وہ اپنا ہر مسئلہ آرام سے

ڈاکٹر ہارون کے ساتھ شئیر کر لیتی تھی اسے پتا تھا یہاں سے جب وہ ہٹے گی تو ہلکا محسوس کر رہی ہو گی. ابھی بھی اس نے صاف گوئی سے کام لیا. ڈاکٹر ہارون نے آئی پیڈ کو زرا سیدھا کیا. اور سنجیدگی سے بولنے لگے.

"بیٹا! ڈر یا تو فزیکل ہوتا ہے یا سائیکولوجیکل. اب اگر آپ نے کچھ غلط بولا مثال کے طور پر تو کم از کم وہ آپ کو انڈے یا ٹماٹر نہیں ماریں گے. تو فزیکل ڈر کو نکال دیں."

"اب رہی بات سائیکولوجیکل ڈر کی کہ لوگ ہنسیں گے, میں بول نہیں سکوں گی وغیرہ, تو حیا یہ ڈر پلیننگ سے نہیں جاتے, نہ پریکٹس سے جاتے ہیں." کہہ کر رکے پھر کنپٹی پر انگلی رکھی.

"سمجھنے سے جاتے ہیں." دوبار کنپٹی پر انگلی ماری اور آگے بولے. "یہ اسکو سمجھا لو ہر خوف دور ہو جائے گا." وہ کنفیوز سی ان کو دیکھ رہی تھی.

"مطلب اگر میں دماغ سے کہوں کہ یہ نہ ڈرے تو یہ نہیں ڈرے گا؟" ساتھ ہی ڈاکٹر ہارون نے نفی میں گردن ہلائی. "بچپن سے ہمارا مائینڈ ڈفالٹ پر ہوتا ہے. ڈفالٹ سمجھتی ہو؟ جس طرح موبائیل کی ڈفالٹ تھیم ہوتی ہے, ڈفالٹ رنگ ٹون ہوتی ہے یعنی بلٹ ان."

پھر اسے اپنا من پسند بنانے کے لیے ہم اسے ڈفالٹ سے ہٹا کر باہر سے تھیمز اور ایپس انسٹال کرتے ہیں. اسی طرح دماغ کی بھی ڈفالٹ سیٹنگ ہے. اسی طرح کچھ چیزیں ہمارے اندر بھی بلٹ ان ہیں. جیسے آپ ہر کام سیدھے ہاتھ سے کرتے ہیں, دماغ کی ڈفالٹ سیٹنگ ہے, الٹے سے کرنا چاہیں نہیں کر پائیں گے. زیادہ تر لوگ اپنا والٹ دائیں جیب میں رکھتے ہیں. بائیں میں رکھیں گے تو ڈھونڈنے میں دقت ہو گی. ڈفالٹ سیٹنگ. کچھ لوگ رات کو لیٹ نہیں جاگ سکتے اور کچھ صبح جلدی نہیں اٹھ سکتے, ڈفالٹ سیٹنگ."

"اور پھر اس میں مختلف خوف آ جاتے ہیں جیسے مکڑیوں کے کاٹ دینے کا خوف, مر جانے کا خوف, ڈوب جانے کا خوف وغیرہ." وہ تمہید باندھ چکے تھے.

"اور دنیا کے دس بڑے فیئرز میں سے پتا ہے سب سے پہلے نمبر پر کون سا ڈر ہے؟" وہ رکے اور اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "فیئر آف پبلک سپیکنگ, لوگوں کے سامنے بولنے کا ڈر۔ کیوں کہ دماغ نے کبھی ایسی سچویشن نہیں دیکھی تو وہ اس کو خطرہ بنا کر دکھانے لگ جاتا ہے, ایسے ہارمونز سیکریٹ ہونا شروع ہو جاتے ہیں جس سے انزائٹی بڑھتی ہے, خون کی گردش بڑھ جاتی ہے, پسینہ آنے لگ جاتا ہے, کدماغ کے لیے اتنا لوگوں کو دیکھنا اور ان کے سامنے بولنا ان یوزل ہے۔"

"چلو میں تمہیں ایک لڑکے کی کہانی سناتا ہوں۔" وہ فرصت سے اسے سمجھا رہے تھے۔

"میں ساتویں کلاس میں تھا, جب میرے ابا کا تبادلہ لاہور سے اسلام آباد ہوا, نئے اسکول میں داخلہ لیا۔ پہلے دن جب میں اسکول گیا تو ٹیچر کے آنے سے پہلے میں اپنی رف کاپی پر اسکیچ بنا رہا تھا۔ ٹیچر آئی اور کہا... وہ جیسے خود کو وہیں تصور کرنے لگے۔

درمیانے سے سائز کا کمرہ, سامنے ٹیچر کا ڈیسک اور کرسی اور پھر ساتھ بیٹھے قریباً چالیس اسٹوڈنٹ۔

"ہارون سب کو اپنا انٹروڈکشن کرواؤ۔" ٹیچر نے عینک کے پیچھے سے اسے دیکھ کر کہا۔ اپنا نام سن کر لڑکا کاپی بند کرتا سستی سے کھڑا ہوا۔ ایک نظر کلاس کو دیکھا اور نظریں جھکا لیں۔ یوں لگا حلق میں کچھ اٹک گیا ہے۔ آواز بند ہو گئی۔ ماتھے پر پسینہ آنے لگا۔ اسے اپنے آس پاس بچوں کے ہنسنے کی آوازیں آنے لگیں۔ اور وہ رو دیا۔"

اس اسکول کی کلاس سے نکل کر دوبارہ انہوں نے خود کو حیا کے سامنے پایا۔ وہ دونوں ہاتھو کو ملائے ان پر ٹھوڑی رکھے بغور سن رہی تھی۔

"وہ ڈر لے کر لڑکا بڑا ہوا۔ وہ ڈر اس کی روح کا حصہ بن گیا۔ میٹرک کیا, کالج پہنچ گیا اور ڈر پلتا گیا۔ دوسروں کو یوں اسٹیج پر کھڑے بولتا دیکھتا تو بہت ہرٹ ہوتا۔"

گ

گوگل پر ڈھیروں طریقے ڈھونڈے, 'ہاؤ ٹو اوور کم دی فیئر آف پبلک سپیکنگ؟"

"اور پھر اسے ایک فارمولہ مل گیا. فارمولہ ٹو گیٹ اینی تھنگ ان دی ورلڈ." ہاتھ اٹھا کر پانچ انگلیاں دکھائیں.

"بیٹا پانچ سیکنڈ میں آپ دنیا کی کوئی بھی چیز حاصل کر سکتے ہیں. اور پانچ سیکنڈ میں آپ اپنے دماغ کو ڈفالٹ سے ہٹا سکتے ہیں."

"صبح اٹھ نہیں پاتے, الارم لگائیں, اور جب الارم بجے تو لیٹے سوچتے مت رہیں کہ اٹھوں یا نہ اٹھوں. پانچ سیکنڈ اگر گزر گئے تو آپ نہیں اٹھ سکتے."

"ایسے ہی کوئی نظر آیا, بات کرنے کو دل چاہا. پانچ سیکنڈ میں اگر آپ نے اس کی طرف قدم نہیں بڑھایا تو آپ اس سے بات نہیں کر سکیں گے. جو کرنا ہے زندگی میں پانچ سیکنڈ میں اس کا آغاز کر دیں ورنہ کبھی نہیں کر سکیں گے."

وہ چپ ہوئے.

"حیا ہمیں ڈر چیزوں سے نہیں ان کے نتائج سے لگتا ہے. جیسے کہ بچے پیپر میں اگر چیٹنگ کریں تو ڈر چیٹنگ کرنے کا نہیں بلکہ پکڑے جانے کا ہوتا ہے."

"تو زندگی میں جب کبھی کوئی پریشانی آئے یا کچھ بھی کرنا چاہو تو بس سوچ لینا کہ اس کا نتیجہ میکسیمم کیا ہو گا؟ جب نتیجہ پتا چل جائے گا تو ڈر نہیں رہے گا."

"اسٹیج پر جا کر غلط بولو گی تو بتاؤ میکسیمم کیا ہو گا؟"

"لوگ ہنسیں گے."

"تم بھی ہنس دینا. جو خود پر ہنس لیتے ہیں ان کو دوسروں کا ہنسنا پھر برا نہیں لگتا."

"حیا! ہمیں اپنی ہی زندگی میں لوگوں کا اپروول کیوں چاہئیے ہوتا ہے؟ وہ کہیں گے کہ تم اچھے لگ رہے ہو تو ہم مانیں گے ورنہ ایک نے کہہ دیا یہ کیا پہن آئی ہو اور یہ ہم ڈاؤٹ فل ہوئے." انہوں نے مایوسی سے کہا.

"پتا نہیں ہمیں یہ اپروول کیوں چاہیئے. ورنہ تیار ہو کر شیشے میں دیکھو اگر اپنا آپ بھلا لگ رہا ہے تو یو شوڈ ہیو بلیو ان یور سیلف. "وہ بہتر محسوس کر رہی تھی. چہرے کا تناؤ کم ہو گیا تھا.

"اپنے سیشن کے موضوع پر اتنا پڑھ کر جاؤ کہ جب بولو تو خود بخود بولتی چلی جاؤ. نالج کو اپنا یو ایس پی (یونیک سیلنگ پوائنٹ, جو آپکو یا آپکے پراڈکٹ کو لوگوں میں منفرد دکھائے) بنالو."

"یو ایس پی. "وہ زیر لب بڑبڑائی.

"اور ہاں آخری بات. ٹانگ پر ٹانگ دھرتے وہ مسکرائے."

"زبان سے بولو گی, لوگ کانوں سے سنیں گے. دل سے بولو گی لوگ دل سے سنیں گے. "وہ چپ ہو گئے. ڈرکی مریضہ نے خود کو شفایاب محسوس کیا.

****

یہ ایک نہایت کشادہ ہال تھا. یہ بڑے بڑے ستون جو کسی محل کی مشابہت دے رہے تھے. دیواروں پر نیلے جالی دار پردے, جن کو دیکھتے ہی ان کی قیمت کا اندازہ ہو رہا تھا. ان پردوں کے پیچھے چھوٹی ایل ای ڈی لائٹس جگمگا رہی تھیں. نظر آگے بڑھاؤ تو زمین سے پانچ, چھ انچ اونچی جگہ تھی, شاید اسٹیج تھا. اس پر قد آور کرسیاں اور کرسیوں پر براجمان شاہی کپڑوں سے کہ ملبوسات زیب تن کیے مرد نما عورتیں. سامنے ترتیب سے لگی آخری دیوار تک کرسیاں. اسی طرح آس پاس ایسے اور بہت سے زنانے کام کرتے ادھر ادھر پھر رہے تھے. ہر طرف عید کا سا سماں تھا, عجب افراتفری تھی. کسی نے کب سوچا تھا اس مٹی کہ کچے گھر کے نیچے ایک جہان آباد ہے اور وہ بھی اس قدر آنکھوں کو محصور کرنے والا!

وہ آخری سیڑھی پر کھڑا آنکھیں پھاڑے یہ دنیا دیکھ رہا تھا. بیسمنٹ اس کے گھر بھی تھا پر یہ تو انڈر گراؤنڈ محل تھا. وہ دانی سے بہت کچھ پوچھنا چاہتا تھا مگر وہ مسلسل اسے نظر انداز کر رہا تھا. ابھی بھی اس سے پہلے کہ وہ کچھ پوچھتا وہ

بہانہ بنا کر وہاں سے غائب ہو گیا. سب کچھ مشکوک مشکوک سا تھا. اتنے لوگوں میں شیری اور شیر وان کو کہاں ڈھونڈے. سر جھٹکتا وہ آگے بڑھا.

نظریں آس پاس جاتی دوسری مرد نما عورتوں پر تھی. ابھی تلاش جاری ہی تھی کہ ہال کے دوسرے کونے سے آواز بلند ہوئی.

"سب لوگ اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ جائیں." اور پھر ہڑبڑی مچ گئی. لوگ کرسیوں کی طرف بڑھے اور کچھ ہلکی نیلی ساڑھیوں کے ایک ہی جیسے ڈریس میں ملبوس زنانے آگے بڑھ کر سب کو نشستوں کی راہ دکھانے لگے. شاید وہ یہاں کی سیکیورٹی تھی. وہ سست قدم اٹھاتا یہ تماشہ دیکھ رہا تھا جب کوئی اس سے ٹکرایا.

"آؤچ!" ٹکرانے والی نے ادا سے کہا. اور وہاں سے غائب ہو گئی. دھکا زور کا تھا. حمزہ کو لگا کچھ گرا ہے. اور ادھر گاڑی میں لگی اسکرین پر اندھیرا چھا گیا.

"سب لوگ بیٹھ جائیں." دوبارہ اعلان ہوا اور سیکیورٹی میں سے کسی نے اس کو آ کر بیٹھ جانے کا کہا. اسے نہیں بیٹھنا تھا. مگر اس کی کون سن رہا تھا. وہ بھنویں سکیڑے جا کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا. یہ آگے سے گیارہویں قطار تھی جس کی باہر والی نشست پر وہ بیٹھا تھا مگر نظریں اب بھی متلاشی تھیں.

"ویسے تو آج ایک اہم تقریب ہے مگر ر ر.." کہتے ہوئے بی بی حاجن رکی. حمزہ نے سر اٹھا کر دیکھا.

آج کی... تقریب.... ملتوی.... کر دی گئی ہے. وہ رک رک کر بولی.

تقریب رک گئی؟ ہال میں ہلچل ہوئی. پتا نہیں کیوں رک گئی. میں تو اتنے دنوں سے تیاریاں کر رہی ہوں. کیا لڑکیاں بھاگ گئیں جن کی بولی لگنی تھی؟ کیا کوئی فوت ہو گیا ہے؟ چہ میگوئیاں ہونے لگیں. اتنے دن جس تقریب کی تیاری ہو رہی تھی. وہ عین موقع پر ملتوی؟ یہ نارمل نہیں تھا. یہ تقریب پچھلے کئی سالوں سے ہوتی آئی تھی اور آندھی آئے یا طوفان اسے ہر قیمت ہونا تھا. وہ ان سب چہ میگوئیوں سے بے نیاز ادھر ادھر کسی کو ڈھونڈ رہا تھا.

جب نظریں سیکیورٹی عملے کے لباس میں ملبوس کھسرے پر پڑی,وہی ہلکی نیلی ساڑھی وہ ساتھ کھڑے دوسرے کھسرے سے کچھ کہہ کر تالی مار رہا تھا. سیکنڈ کے دسویں حصے میں اس نے ان کھسروں کو پہچان لیا تھا. شیری اور شیر وان اف! آنکھیں سکون سے بند کی. سر نشست کی ٹیک پر گرایا.

سب خاموش ہو جائیں. خاموش ہو جائیں. بی بی حاجن نے ہاتھ اٹھا کر کہا. ادھر اس نے آنکھیں کھولیں. اب اسے ان سے بات کرنا تھی مگر کیسے وہ بہت دور تھے. اور وہ اٹھ کر نہیں جا سکتا تھا.

یہاں جمع ہونے کی وجہ تقریب نہیں تھی,یہ محض بہانہ تھا. سسپنس بڑھتا جا رہا تھا. یہاں اندر میرے کمرے میں رکھی سیف سے فلیش غائب ہوئی ہے. آواز میں کوئی فکر مندی نہیں تھی. حمزہ کا دماغ بھک سے اڑا. یہ اور کون کر سکتا تھا. ایک نظر ان دونوں پر ماری اور وہاں ہنستے ہوئے ان کی بتیسی گم ہوئی. چوروں کو لگا سب ان کو ہی دیکھ رہے ہیں. حمزہ نے بڑھ کر کان پر ہاتھ رکھا کہ کچھ کہہ سکے مگر وہاں مائیکروفون نہیں تھا. تھوڑی دیر پہلے خود سے ٹکرایا کھسرا یاد آیا. ہاتھ فوراً سینے پر گیا. نہیں! کیمرہ بھی وہاں نہیں تھا. ماتھے پر پسینے کے چند قطرے ابھرے. یہ اتفاق نہیں ہو سکتا تھا. جاسوسی دماغ نے کسی سازش کی بھنک دی.

"چور کتنا بھی ہوشیار ہو وہ سراغ چھوڑ ہی جاتا ہے."

اس نے لہراتے ہوئے کہا تو چوروں کا منہ دیکھنے والا تھا. سانسیں بے ترتیب ہو گئی تھیں. نظریں ارد گرد گھمائی وہ بہت زیادہ تھے. اعصاب شل ہونے لگے.

"اب بہتر یہ ہی کہ وہ خود سامنے آکر فلیش ہمارے حوالے کر دیں,میں پانچ تک گنوں گا. ورنہ ہمیں اپنی چیز واپس لینے کے اور بھی طریقے آتے ہیں. "اب کہ آواز بھاری اور گھمبیر ہو گئی. باقی کھسروں میں کھلبلی سی مچ گئی ہر کوئی دوسرے کو شکی نظروں سے دیکھنے لگا.

حمزہ نے سختی سے آنکھیں بھنچی. ایسا اس نے نہیں سوچا تھا. کاش یہ کوئی خواب ہو.

"پانچ..."

چوروں کے دل بے ترتیب سے دھڑکے.

"چار..."

انہوں نے کن اکھیوں سے ایک دوسرے کو دیکھا.

"تین..."

ہو سکتا ہے یہ بس ان کو نکالنے کے لیے ٹریپ ہو.

"دو.."

وہ اپنی جگہ پیر جمائے کھڑے رہے.

"ایک" اور بھک. سب بتیاں بجھ گئیں. اندھیرے میں شور بڑھ گیا. وہ گن نکالنا چاہتا تھا مگر. اتنے لوگ. وہ کس کس کو مارتا. بتیاں روشن ہو گئیں. شور قدرے کم ہوا. ہر طرف سیکیورٹی کے ملبوسات والے ہجڑے کھڑے تھے.

"اب تو تمہیں ماننا پڑے گا حمزہ فیض بیگ, اپنے بھائی کو یہاں بھیج کر تم نے غلطی نہیں کی تھی." مردانہ آواز میں وہاں گونجا. بی بی حاجن ہاتھ میں فون لیے مائک کے آگے لہرا رہی تھی. فون کے اسپیکر سے پھر کسی سائرن کی آواز آئی. اور دوبارہ کوئی بولا. "شیری نکل جلدی کر نکل یہاں سے." کسی کو یہ الفاظ سنے ہوئے لگے تھے اور اس کے کندھے ڈھلک گئے. حمزہ کے تنے اعصاب اور تن گئے.

"اب شیری خود نکل کر وہ فلیش ہمیں دے گا یا ہم حمزہ کو نکالیں." انتہائی خباثت سے دانت نکال کر وہ ہنسا. اوہ خدایا وہ جانتے ہیں میں یہاں ہوں. اس کے دماغ میں دھماکے ہونے لگے. شیری کے اعصاب شل ہو رہے تھے. اگر وہ جانتے شیری کون ہے تو تین دن انتظار نہ کرتے. انہوں نے نہایت نفاست سے یہ جال بنا تھا.

"نہیں! شیری وہ نہیں جانتے شیری کون ہے. نارمل ہو جا, نارمل ہو جا. "حمزہ اس جال کو اپنے گرد پھیلتے دیکھ رہا تھا. حمزہ کی وہاں موجودگی سے بے نیاز وہ خود کا کام کر رہا تھا. جب چند منٹ کوئی فلیش لے کر آگے نہیں بڑھا تو اسٹیج پر کھڑی بی بی حاجن نے کسی کو اشارہ کیا اور وہ کسی قدم قدم بڑھتا حمزہ کی طرف آیا اور حمزہ کو لگا اس کے گرد سب اندھیر ہو گیا ہے. نہیں گھر کا بھیدی لنکا نہیں ڈھا سکتا تھا.

اس کے سامنے دانی کھڑا تھا جو اب بازو سے پکڑ کر اسے ہجوم سے الگ کر رہا تھا. کرسیوں کے ایک طرف خالی جگہ پر اسے کھڑا کر تا وہ اس سے دور جا کر کھڑا ہو گیا. نظریں اب بھی نہیں ملائی تھیں. دھوکہ! حمزہ نے سختی سے مٹھیاں بھینچیں. ہال دم سادھے سب کچھ دیکھ رہا تھا. شیری اور شیروان اپنے بچ جانے کی دعائیں مانگ رہے تھے. مگر کھیل ختم ہو چکا تھا.

حمزہ نے سر سے وگ اتاری, اپنی قمیص کے پلو سے لپ اسٹک اتاری, اور یوں ہی چہرے کو اس سے رگڑ تا سیدھا ہوا. شیری کو لگا اس کے پیر بھاری ہو گئے ہیں. زمین الٹ گئی ہے. سب گھوم رہا تھا. شیروان بھی بے یقینی سی کی کیفیت میں سب دیکھتا رہا.

"اگر پتا چل ہی گیا ہے تو اور کیا چھپانا." اس نے وگ ایک طرف اچھالی. اسٹیج پر قہقہہ ابھرا.

"شروع سے پتا تھا."

حمزہ نے ایک کاٹ دار نگاہ دانی پر ڈالی اور اس کا سر جھک گیا.

"کیا اب بھی شیری فلیش ہمیں نہیں دے گا؟" بظاہر آرام سے کہا گیا.

"شیری اپنی جگہ سے ہلے گا بھی نہیں." شیری کی طرف دیکھے بغیر حمزہ چلایا. اور اس کا خون خشک ہو گیا. گلے میں گلٹی ابھری اور اسے اندر اتارنا مشکل ہو گیا. شیروان نے نظریں زمین پر گاڑ دیں کہ یہاں کسی نے اس کی آنکھوں میں دیکھا اور یہ وہ پکڑے گئے.

"شیری بھائی کی موت کا غم بڑا دردناک ہوتا ہے۔" آواز گونجی۔ شیری کی دماغ سنسنانے لگا۔ "بھائی کی موت" وہ بڑبڑایا۔ اب حمزہ کے گرد سیکیورٹی والے دائرہ بنا رہے تھے۔ دائین طرف کرسیوں پر بیٹھے لوگ سانس روکے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔

"شیری مجھے کچھ نہیں ہو گا۔ فلیش کو سنبھال کر رکھنا۔" وہ تھوک نگلتا بولا۔ شیری کے کانوں میں تو کچھ نہیں جا رہا تھا دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔ وہ آگے بڑھنے لگا اور شیروان نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ کے نفی میں گردن ہلائی۔

"ٹھیک ہے دانی تو جانتا ہی ہے۔" اسٹیج پر وہ بولا۔ تو حمزہ نے قہر آلود نگاہ دانی پر ڈالی۔ وہ جانتا تھا اگر بتانا ہوتا تو دانی بتا چکا ہوتا یا یہ بھی کوئی چال تھی۔

"اگر میرے بھائی کو کچھ ہوا تو اسی بیسمنٹ میں۔ اسی بیسمنٹ میں تم لوگوں کی لاشوں کے ڈھیر لگا دوں گا میں۔" وہ غصے، بے بسی اور ہیجان کی سی کیفیت میں انگلی اٹھاتا ان کو دھمکی دے رہا تھا۔ ہاتھ کانپ رہے تھے، سانس اکھڑ رہا تھا۔ کان کی لوئیں تپ رہی تھیں، وہ بے قابو تھا۔

ہاہاہاہا! قہقہہ ابھرا۔ باقی کے لوگ اب صورتحال کافی حد تک سمجھ چکے تھے۔ وہ بھی اس کی بے بسی اور تنی گردن پر ہنس دیے۔ رسی جل گئی مگر بل نہیں گیا۔

"اچھا چلو وقت ضائع نہیں کرتے۔ شیری تم اب مت باہر آنا۔" نروٹھے سے کہتی وہ پیچھے پلٹی۔ کسی کو اشارہ کیا۔ ہال میں گولی چلنے کی ہولناک آواز گونجی، کئی ہاتھ کانوں پر گئے۔ اس کا کندھا پیچھے کو جھٹکا کھا کر سن ہو گیا۔ شیری کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی۔

"بھائی ی ی۔" وہ اتنا زور سے چلایا کہ سب گردنیں اس کی طرف مڑ گئیں۔ باہر رات کے سناٹے میں کہیں گولی چلنے کی آواز سنائی دی۔ گاڑی میں بیٹھے لوگوں کا دل حلق تک اچھلا۔ وہ کب سے حمزہ سے رابطے کی کوشش کر رہے تھے۔

شاید سب کھل گیا تھا انہوں نے اندازہ لگایا. پیچھے تھانے فون کر کے نفری کے لیے پیغام دیا. اور خود گاڑی سے اتر کر مخصوص فاصلہ بنائے دبے قدموں بڑے صحن والے گھر کی طرف بڑھے.

شیری حواس باختہ ہو کر آس پاس دیکھنے لگا. شیر وان نے ماتھے پر آیا پسینہ صاف کیا. حمزہ نے کھا جانے والی سے اسے گھورا. گولی کندھے پر لگی تھی. درد سے آنکھوں میں آنسو تھے. دانی کی طرف دیکھا وہاں مجبوری تھی.

کئی سیکیورٹی والے ہجڑوں نے شیری کو اپنے حصار میں لیا. اس کی جیبیں تلاشنے لگے فلیش نہیں تھی. بی بی حاجن کے چہرے پر ناگواری ابھری. اشارہ کیا. ایک اور گولی اس کے جسم کے پار ہوئی. دوسرا کندھا پیچھے کو ڈھلکا. وہ درد سے کراہا. شیری کو دیکھا. سارا کرب آنکھوں میں سمٹ آیا. آنکھیں بھاری ہونے لگیں. شیری کو لگا حمزہ سے پہلے وہ خود گر جائے گا.

"فلیش دے دولڑکے ورنہ یہ ساری گولیاں تیرے بھائی کے اندر اتار دی جائیں گی. "بی بی حاجن مردانہ آواز میں غرائی.

شیر وان نے تھوک نگلا. شیری کو کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا, پھر ٹھاہ کی آواز گونجی اور یہ ایک اور گولی اس کے جسم میں پیوست ہوئی. شیری کو دیکھتے وہ نیچے گرنے لگا. سب دھندلا گیا. زندگی اندھیر!

جسم ساکت. سانس ساکن!

****

(حمزہ کو گولیاں لگنے سے ایک دن پہلے)

یہ ایک بڑی سفید سی عمارت تھی جس پر سبز ہلالی پرچم لہرا رہا تھا. عمارت کے بیچ میں تختی لگی تھی.

"نفرت انسان نہیں, جرم سے ہے" اور اس کے نیچے لکھا تھا. "سنٹرل جیل, راولپنڈی, 1986"

یہ اڈیالہ جیل تھی. اندر کو جاؤ تو آج اس بڑے میدان میں قیدی ادھر ادھر پھرتے نظر نہیں آرہے تھے. بلکہ اونچے ٹینٹ میں بچھائے قالینوں پر بیٹھے تھے. ایک طرف مرد اور دوسری طرف خواتین تھیں جن کو پردے سے الگ کیا گیا تھا. سامنے اسٹیج تھا. جس پر انسٹیٹیوٹ آف سوشل سائنسز کے دو ٹریز میز کے پیچھے بیٹھے نظر آرہے تھے اور ساتھ ڈی آئی جی اسلام آباد اور پولیس کے چند سینئیر افسر.

وہیں خواتین کے پورشن میں آگے حیا, جنت کے ساتھ موجود تھی. بیچ پردے والی سرحد کے اطراف پولیس اہلکار بھی موجود تھے. دونوں ٹریز اپنی بات کہہ چکے تھے اب وہ ڈاکٹر ہارون سے رابطہ کر رہے تھے جنھوں نے بطور خاص حکم دیا تھا کہ وہ قیدیوں سے چند ایک بات کرنا چاہتے ہیں. یہ اسکائپ کال تھی, سامنے بڑی ایل ای ڈی اسکرین لگی تھی. یکا یک اسکرین پر ڈاکٹر ہارون کی تصویر ابھری. سب کو خاموش ہونے کا کہا اور کال کا والیم بڑھا دیا. رسمی علیک سلیک کے بعد وہ گویا ہوئے.

" مجھے بتایا گیا کہ یہاں وہ قیدی موجود ہیں جو کسی قسم کی چوری, ڈاکا, ناحق قبضہ اور دیگر ایسے جرائم میں ملوث پائے گئے. یا ہو سکتا ہے کوئی بے قصور بھی ہو. " کہہ کر اداسی سے مسکرائے.

"میرے بھائی! میری بہن! اللہ نے ہر انسان کی قسمت میں رزق لکھ دیا ہے اور رزق انسان کو ایسے ڈھونڈتا ہے جیسے موت."

" مگر شاید ہم صبر نہیں کرتے. جو رزق ہم رشوت, چوری چکاری اور دیگر غلط کام کر کے حاصل کرتے ہیں میرا یقین کریں وہ اللہ نے ہمارے لیے لکھا ہوتا ہے. مگر ہم حلال کا انتظار نہیں کرتے اور جلد از جلد حاصل کرنے کی تمنا میں حرام کھانے لگ جاتے ہیں."

وہاں بیٹھے قیدیوں میں بے زاری تھی. اے سی, اور کشادہ کمروں میں بیٹھ کر بڑی بڑی باتیں کرنے والوں کو کیا پتا پیٹ کا جہنم کیا ہوتا ہے, بچوں کو بھوکا دیکھنا کیا ہوتا ہے. سب اکتائے ہوئے تھے.

"حضرت علی کرم اللہ وجہہ اونٹ کی مہار لیے کہیں جارہے تھے. راستے میں حاجت ہوئی تو وہاں ایک بدو کو مہار پکڑائی کہ میں آتا ہوں. جب وہ واپس آئے تو اونٹ وہیں تھا مگر مہار نہیں تھی. اور بدو بھی غائب تھا. وہ اونٹ کو ہانکتے بازار تک لائے, مہار خریدنا چاہی اور اپنی ہی اونٹ کی کھوئی مہار مل گئی. بیچنے والے سے پوچھا کہاں سے ملی تو کہنے لگا ایک عربی بدو آیا تھا. دو درہم کی بیچ گیا ہے. حضرے علی نے آسمان کی طرف دیکھا اور کہا واہ میرے اللہ! میں اسے حلال کے دو درہم دینا چاہتا تھا مگر اس نے حرام کے دو درہم چنے" وہ خاموش ہوئے. اور قیدیوں کی آنکھوں میں عجیب سی بے چینی نظر آئی.

"میرے بھائی اللہ پر توکل کر کے تو دیکھو. وہ تمہیں نہ نوازے تو کہنا. جیل میں ہو یہ مت سمجھنا کہ زندگی رک گئی. زندگی کو آپ نے دھکیلنا ہے. جب تک جیل میں ہو کچھ سیکھ لو, ہاتھ میں کوئی ہنر لے آؤ. قرآن کو ترجمے سے پڑھ لو. اللہ سے توبہ کرو اور جن سے شکوے ہیں ان کو معاف کر دو. کہ اگر تم چاہتے ہو اللہ تم پر رحم کرے تو تم زمین والوں پر رحم کرو. "قیدیوں نے اپنے دلوں میں پشیمانی دیکھی.

"اور پولیس کے اہلکاروں سے کہوں گا, قیدیوں کے حقوق پورے کرو." مسکرائے پھر بولے. "نفرت انسان سے نہیں جرم سے کرو. "اسکرین بجھ گئی.

ہاں کچھ تھا جو یہاں بیٹھے لوگوں کے دلوں کو چھوا تھا. اللہ پر توکل اور رزق تمہیں خود ڈھونڈ لے گا.

قیدی قطار بنائے اپنی اپنی جیلوں کی طرف بڑھ رہے تھے. مالٹی شرٹ اور ٹراؤزر اور سر پر دوپٹہ اور آنکھوں پر سیاہ چشمہ جمائے وہ جنت کے ساتھ اپنی جگہ سے کھڑی ہو رہی تھی جب ایک درمیانے سے عمر کی عورت اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی.

"تم تو وہی ہو نا جو لاہور جیل میں تھی؟" چھوٹتے ہی اس نے کہا تو حیا گڑبڑائی. جنت کو دیکھا جو حیرت سے ان کو دیکھ رہی تھی. ٹرینز بھی اتر کر اسی طرف آ رہے تھے. اس سے پہلے کہ حیا کوئی رد عمل دیتی وہ دوبارہ بولی.

"اور اب یہاں ان کے ساتھ "اسٹیج کی طرف اشارہ کیا. "قیدیوں کو سبق دینے آئی ہو؟ واہ!" ہاتھ ہوا میں اٹھایا.

"ویسے یہ ٹی وی والا بندہ صحیح کہہ رہا تھا. جیل میں ہمیں بھی کچھ سیکھنا چاہئیے. تمہاری طرح" وہ اپنے دھیان کہے جا رہی تھی اور ادھر حیا کو اپنے پیروں نیچے سے زمین سرکتی محسوس ہوئی. اب وہ دونوں ٹرینیز بھی وہیں کھڑے تھے. حیا کا خون سمٹ کر چہرے میں آ گیا تھا.

یہ کس بارے میں بات کر رہی ہے حیا؟ دونوں ٹرینیز میں سے ایک نے پوچھا تو حیا تلملا کر رہ گئی. جواب دیے بغیر پرس کی لمبی اسٹریپ کو مضبوطی سے تھاما اور گاڑی کی طرف بڑھ گئی. جنت اس کے پیچھے تیز تیز چلتی گئی. آواز دی مگر وہ کچھ نہیں بولی تو جنت چیزوں کو سمیٹنے واپس چلی گئی. حیا نے گاڑی میں بیٹھ کر پرس پھینکنے کے انداز میں پرے مارا.

"نفرت ہے مجھے, نفرت ہے تم سے. "آنسوؤں کو اپنے ہاتھوں کی پشت سے پونچھتے وہ ہانپ رہی تھی.

"پہلے کم تھا جو جیل کا دھبہ بھی تم نے میری زندگی پر لگا دیا. "دونوں ہاتھ منہ پر رکھے اس کا دماغ ماضی سے حال اور حال سے ماضی کے چکر کاٹ رہا تھا.

"تم جیسوں کو تو موت بھی جلدی نہیں آتی. "ہتک اور بے عزتی کے احساس تلے وہ کیا کہتی جا رہی تھی وہ خود نہیں جانتی تھی.

****

ہجوم! شور! قہقہے! گولیاں! خون اور شیری پر جھپٹتے ہاتھ!

اس کا دماغ ایک ہی دائرے میں گھوم رہا تھا. شیری کے نام پر دل میں سخت ٹیس اٹھتی اور وہ دوبارہ ہجوم, شور اور گولیوں سے ہوتا شیری تک پہنچ جاتا. آپریشن تھیٹر میں دو ڈاکٹر اس پر جھکے کھڑے تھے. ایک لمحے کو اسے ہوش

آیا. آنکھیں جھپکی. چند ہیولے دکھائی دیے. "شیری" وہ بڑبڑایا. آواز اتنی مدھم تھی کہ اس کے اپنے کانوں تک نہیں پہنچی. اور وہ دوبارہ اپنے جسم میں جاتے اوزاروں, سوئیوں سے بے خبر ہو گیا.

پھر وہی شور, گولیاں اور شیری پر جھپٹتے ہاتھ!

تھیٹر سے باہر آؤ تو ذرا فاصلے پر ایک لڑکی سبز دھاریوں والی سفید قمیص, ٹراؤزر اور سر پر سفید شفون کا دوپٹہ ٹکائے, دیوار سے ٹیک لگائے کھڑی نظر آتی. وہ ابھی پندرہ منٹ پہلے یہاں آئی تھی. وہ سو رہی تھی جب ڈاکٹر ہارون کی کال آئی.

"حیا! میرے بیٹے کو گولیاں لگی ہیں. یہاں ایک چرچ میں کل صبح بلاسٹ ہوا تھا جس کی وجہ سے تمام فلائٹس ملتوی کر دی گئی ہیں. پلیز اس کا خیال رکھنا. جیسے ہی فلائٹس بحال ہوتی ہیں ہم آ جائیں گے." وہ بمشکل ضبط کیے ہوئے تھے.

"آپکا بیٹا؟" وہ تو بس انیقہ کو ہی جانتی تھی. "ہاں حمزہ کو گولیاں لگی ہیں" وہ بے بس سے بولے. اس ایک ماہ کے عرصے میں وہ پہلی بار حیا سے حمزہ کے بارے میں بات کر رہے تھے. تبھی فون پر نسوانی آواز ابھری.

"حیا! میرے بچے کے پاس چلی جاؤ. وہ اکیلا ہے. اسے کہنا اسکی ماسی جلدی اس کے پاس آ جائے گی. میری طرف سے اسے بہت پیار کرنا. اس کا بہت خیال رکھنا. وہ بہت لاپرواہ ہے." ردابہ ہچکیاں لیتے رو رہی تھی. حیا نے سختی سے آنکھیں بھینچیں. حمزہ کے نام سے اسے کیا کچھ یاد نہیں آ گیا تھا. وہ گھر, نکاح, تصویریں, چیخنا چلانا اور حمزہ کا اس پر ہاتھ اٹھانا. اس نے جھرجھری لی. "جی مسز ہارون! آئی ول ٹیک آ گڈ کیئر آف ہم." تسلی دیتے اس نے فون بند کیا تھا.

اور اب وہ ہسپتال میں آپریشن تھیٹر کے باہر کھڑی, دیوار سے ٹیک لگائے فرش کو گھورے جا رہی تھی. آئی تو وہ دل میں بہت کچھ لے کر تھی مگر ہسپتال کی وحشت سے اس کا دل مرجھا گیا تھا. نرس ایک دو بار باہر آئی, اس نے امید سے اسے دیکھا, شاید وہ کوئی خبر دے مگر نرس اسے نظر انداز کرتی آگے بڑھ جاتی.

اسے آپریشن تھیٹر میں پڑے لڑکے سے زیادہ اپنے گلٹی ہو جانے کی فکر تھی. اگر حمزہ کو کچھ ہو گیا تو؟ وہ ساری عمر خود کو معاف نہیں کر سکے گی. ہائے یہ پچھتاوے!

"حیا! حمزہ بالکل ٹھیک ہو جائے گا." جنت اس کے پاس کھڑی کہہ رہی تھی. وہ کچھ نہیں بولی. نظریں بدستور فرش پر جمی تھیں.

آپریشن تھیٹر کی سرخ بتی بجھی اور دروازے سے ڈاکٹر باہر نکلتے نظر آئے.

"مسز حمزہ؟" وہ ان دونوں کے پاس رکے تو حیا سیدھی ہو کر کھڑی ہوئی. مگر بولی کچھ نہیں.

"حمزہ کو تین گولیاں لگی تھیں, جو الحمدللہ ہم نے نکال لی ہیں." دل نے ٹھنڈی آہ بھری. شکر!

"پر." ڈاکٹر نے باری باری دونوں کو دیکھا اور حیا کا ابھرتا دل دوبارہ ڈوبنے لگا. مطلب مجھے ہی گلٹی ہونا ہے؟

"گولیاں لگنے کے بعد گرنے کے باعث جو ہیڈ انجری ان کو آئی ہے اس سے ان کے برین میں سویلنگ ہو گئی ہے. جس سے برین اسٹیم پر پریشر بڑھ رہا ہے. اگر ان کو اگلے اڑتالیس گھنٹوں میں ہوش نہیں آتا تو یہ کوما میں چلے جائیں گے." جنت نے حیا کا بازو مضبوطی سے پکڑا گویا حوصلہ دے رہی ہو. "اور کوما سے باہر آنے پر ہو سکتا ہے ان کو چیزیں دوبارہ سیکھنی پڑیں. ہی مے فیس پرابلمز ان سپیکنگ, واکنگ آرر میمبرنگ ادھر تھنگز. یو نو کائینڈ آف میموری لاس." ذرا توقف کے بعد وہ دوبارہ بولے. "یا پھر وہ اپنا ذہنی توازن کھو دیں." ڈاکٹر نے آخری خدشہ ظاہر کیا. حیا کو لگا کسی نے اس کا دل مٹھی میں بھینچ کر چھوڑا ہے. کیسے اپنی بد دعائیں واپس لے وہ!

"لیکن آپ دعا کریں. اللہ شفا دے گا آپ کے ہسبنڈ کو." ڈاکٹر کہہ کر چلا گیا اور حیا کو لگا کوریڈور میں کھڑا ہر شخص اسے ملامتی نظروں سے دیکھ رہا ہے. اسی ہی کی تو بد دعائیں ہیں یہ!

وہ کتنے ہی لمحے وہاں بت بنے کھڑی رہی. اس کے سامنے حمزہ کو او ٹی سے آئی سی یو میں شفٹ کیا گیا. وہ نالیوں سے جکڑا جسم اس نے ایک بار بھی نہیں دیکھا تھا. وہ خود کو گلٹی ہونے کی اذیت نہیں دینا چاہتی تھی. یہ پچھتاوے ہی تو ہیں جو انسان کو زہر کی طرح کھا جاتے ہیں. وہ بھی اس پچھتاوے سے بھاگنا چاہتی تھی.

****

آئی سی یو کے باہر پولیس موجود تھی. رات اترے لگی تو فریحہ ہاسپٹل آئی. اس کی یہاں حمزہ کے ساتھ ڈیوٹی تھی. اس نے حیا اور جنت کو ڈرائیور کے ساتھ گھر بھجوا دیا تھا. ہاں حمزہ کے گھر. اس گھر کے ساتھ حیا کی کئی تلخ یادیں جڑی تھیں. وہ تھکے سے قدم اٹھاتی اوپر حمزہ کے کمرے کی طرف بڑھی. دروازہ کھولتے ہی وہ ہی مسکراتا بھوری آنکھوں والا حمزہ. فریم کے پاس گئی. اس میں اپنا عکس برا لگنے لگا تو پیچھے ہٹ گئی. سب ویسا ہی تھا جیسا وہ چھوڑ کر گئی تھی. سیف کھولی سامنے حمزہ کے کپڑے لٹکے تھے. اسے اچنبھا ہوا اس کے کپڑے کہاں تھے؟ اوہ. پھر ہونٹ سکیڑے. اسی تصویروں والے ڈبے میں اب حیا کے کپڑے بھی تھے. ڈیش آدمی! اپنے کپڑوں کو یوں رلتا دیکھ وہ بس اتنا کہہ سکی. اس نے کپڑے نکال کر بیڈ پر رکھے تا کہ لانڈری بھجوا سکے. تبھی اس کا فون بجا.

"مسز ہارون" فون پر جگمگا رہا تھا. اس نے فون کان سے لگایا.

جی مسز ہارون؟

تم ایسا کیسے کر سکتی ہو حیا. وہ غصے سے بولی اور حیا گڑبڑائی.

"می. میں نے..." ردابہ نے اس کی بات کاٹ دی.

"تم میرے بچے کو یوں لاوارثوں کی طرح اکیلا چھوڑ کر کیسے آسکتی ہو؟" پیچھے اسے ڈاکٹر ہارون کی آواز آرہی تھی جو شاید ردابہ کو تسلی دے رہے تھے.

"میں نے پہلے دن کہا تھا تم میرے بچے کے قابل نہیں ہو. وہ اتنا پیارا پیار کرنے والا لڑکا ہے. پر تم تو چاہتی ہو وہ مر جائے. تم اس وقت بھی اس سے اپنا انتقام لے رہی ہو. "وہ غصے سے بولے جارہی تھیں. ڈاکٹر ہارون اور انیقہ اس کو ہمت کرنے اور صبر کرنے کا کہہ رہے تھے. حیا کا دل چاہا وہ بھی چلائے پر اس سے پہلے وہ کچھ کہتی اسے ردابہ کے پھوٹ پھوٹ کر رونے کی آواز آنے لگی.

"اگر میں وہاں ہوتی... کبھی تمہارے رحم و.. رحم و کرم پر اسے نہ چھوڑتی... پر میں مجبور ہوں... میں نہیں آسکتی.. پلیز میرے بچے کے پاس چلی جاؤ... حیا.. اسے ہماری ضرورت ہے. پلیز. "وہ روتی رہی. اور فون بند ہو گیا.

حیا نے کپڑے وہیں چھوڑے, اپنا لانگ اسٹریپ والا بیگ کندھے پر ڈالا اور ڈرائیور کے ساتھ دوبارہ ہاسپٹل آگئی. ردابہ کے الفاظ اب تک سنائی دے رہے تھے.

"تم تو چاہتی ہو وہ مر جائے."

وہ تیز تیز قدم اٹھاتی آئی سی یو کے سامنے آکر رکی.

"تم آکیوں..." اس سے پہلے فریحہ اس کی طرف آتی وہ کھٹ سے دروازہ کھول کر اندر چلی گئی. فریحہ اندر آئی کچھ کہنا چاہا مگر حیا نے انتہائی بے رخی سے کہہ دیا کہ وہ اپنے ہسبنڈ کے ساتھ کچھ وقت چاہتی ہے. جب وہ باہر چلی گئی تو وہ حمزہ کی طرف مڑی.

"تم آج اگر اس بیڈ پر ہو تو تمہاری اپنی وجہ سے. میری بد دعاؤں کی وجہ سے نہیں. "وہ اس کے سر پر کھڑی دبا دبا غرا رہی تھی.

"حیا تم نے یہ کیا. وہ کیا."

"میرے بچے کے قابل نہیں ہو تم. زندگی خراب کر دی اس کی. پریشان کیا اس کو. مسز ہارون تمہاری وجہ سے ہر بار مجھے ذلیل کرتی ہیں."

"اگر ان کو لگتا ہے کہ میں چاہتی ہوں تم مر جاؤ. تو ہاں میں چاہتی ہوں تم مر جاؤ." وہ غراتی کبھی کمرے میں ٹہلنے لگتی اور کبھی اس کے بیڈ پر ہاتھ جمائے اس کے منہ پر جھک جاتی.

"ہاں میں نے اپنی ہر نماز میں کہا تم مر جاؤ. وہ اب اس کے منہ پر جھکی تھی. کیوں نہیں مرتے تم؟ کیوں میری زندگی سے چلے نہیں جاتے."

"کیوں مجھے کہیں چین نہیں لینے دیتے." اب کہ آواز رندھ گئی. وہ وہیں بیڈ کے پاس رکھے اسٹول پر بیٹھ گئی. آنکھوں سے آنسو گرتے جا رہے تھے. کتنی دیر بعد آواز آئی جو اسے خود بمشکل سنائی دی.

"آئی ایم سوری حمزہ. آئی ایم سوری." حمزہ کے چادر سے نکلے بازو پر دونوں ہاتھ رکھے وہ روئے جا رہی تھی. غصہ ٹھنڈا ہو گیا تھا. اسے تو حمزہ کے خود پر چلانے کی عادت تھی. مگر اب وہ چلا رہی تھی وہ چپ لیٹا تھا. نہ پہلے کی طرح اسے گھورا, نہ پکڑ کر دیوار سے لگا کر دھمکیاں دیں. اب کے حمزہ کی اپنے بازوؤں میں دھنستی انگلیوں کے بجائے درد دل میں ہوا تھا.

"میں نے کبھی تمہارے مرنے کی دعا نہیں کی. مسز ہارون کو لگتا ہے میں تمہیں مرتا دیکھنا چاہتی ہوں. میں صرف تمہیں اس تکلیف سے گزرتا دیکھنا چاہتی تھی جس سے میں گزری. بے بس ہونے کی." پہلے کہی اپنی باتوں کو وہ خود ہی رد کر رہی تھی. سر اب حمزہ کے بازو پر رکھے اپنے ہاتھوں پر تھا. اور آنسو بدستور گر رہے تھے. کئی ساعتیں یوں ہی گزر گئیں. آنکھیں رگڑتے اس نے اپنا سر اٹھایا. کچھ لمحے یوں ہی وینٹیلیٹر پر پڑے حمزہ کو دیکھتی رہی پھر جانے دل میں کیا خیال آیا حمزہ کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھاما اور اپنے ہونٹ اس کے ہاتھ پر رکھ دیے. اسے لگا اے سی کی

خنکی میں بھی اس کے ماتھے پر پسینہ تھا. کومہ تک پہنچے انسان کو کیا پتا اس پر کیا گزری. اس نے سر جھٹکا, حمزہ کا ہاتھ دوبارہ سلیقے سے اپنی جگہ رکھا اور باہر آ گئی.

اور بیڈ پر لیٹا شخص شور, گولیوں سے ہوتا شیری پر آ ٹکتا!

** *

باہر رات اتر رہی تھی. عشاء کی آذان ہوئے آدھ گھنٹا گزرا تھا. وہ علی کے گھر کھانے کی میز پر بیٹھے تھے، علاقہ کلئیر کرتے اور واپس آ کر قانونی کاروائیاں نمٹاتے ان کو اگلا پورا دن بھی لگ گیا تھا. فریحہ مسلسل علی کو حمزہ کے بارے میں اپ ڈیٹ کرتی رہی تھی اور اب بھی وہ ڈاکٹر کی کہی باتیں دہرا رہی تھی. وہ حمزہ کو دیکھنے ہاسپٹل جانا چاہتے تھے مگر فریحہ نے زبردستی انکورات کے کھانے کے لیے یہ کہہ کر روک لیا تھا کہ 'خود تندرست رہو گے تو اس کا خیال رکھو گے' اور بادل نخواستہ اب میز پر بیٹھے بے دلی سے وہ منہ میں نوالے ٹھونس رہے تھے. حمزہ چاہے کم بولتا تھا پر اس کے ہونے کا رعب اور احساس ہمیشہ رہتا تھا، اور آج وہ کمی سب کو کھل رہی تھی.

"پھر کیا ہوا وہاں؟" ابھی وہ سب ساتھ بیٹھے تو فریحہ ان سے وہاں ہوئے تمام تر معاملے کی تفصیلات لے رہی تھی.

پلیٹ میں مقصد چمچ چلاتے علی نے سر اٹھایا اور بتانے لگا.

"گولی کی آواز سن کر ہم اس گھر کی طرف بڑھے، گھر کا نقشہ حمزہ کو پہلے ہی دانی دے چکا تھا." پلیٹ میں گھومتے چمچ کے دائرے وسیع ہوتے گئے اور یہ چھوٹا لاؤنج تحلیل ہوتا بڑے محل نما تہہ خانے میں بدل گیا۔

ایک طرف حمزہ ہوش اور بے ہوشی کے درمیان فرش پر پڑا تھا، اس کے جسم سے خون ابل ابل کر فرش کو سرخ کر رہا تھا۔ آنکھیں بند تھیں مگر دور کہیں سے آتی آوازیں اس کے کانوں میں پڑ رہی تھیں۔ وہ اٹھنا چاہتا تھا، مگر جسم ساتھ نہیں دیتا تھا۔ بہت سے لوگ شیری پر جھپٹ رہے تھے، اور وہ گنگ آنکھیں پھاڑے حمزہ کے بے جان

ہوتے وجود کو دیکھ رہا تھا۔ یہاں کچھ نہیں ہو سکتا تھا وہ بہت لوگ تھے۔ سینکڑوں! اور کرنے کی ہمت تھی بھی کس میں؟ شیری کا اپنا سر بھاری ہوتا جا رہا تھا.

"فلیش کہاں ہے، کدھر چھپائی ہے، واپس کر دو" جیسی آوازیں سنتا حمزہ اندھیری گھاٹیوں میں ڈوبتا جا رہا تھا۔ عجیب شور تھا۔ تالیوں کا، ہنسنے کا، حیرت اور جھنجھلاہٹ سے ہوتی سرگوشیوں کا۔ اور پھر بیسمنٹ کی سیڑھیوں پر بھاری قدموں کی آوازیں آنے لگی۔ اس سے قبل کہ وہ چوکنا ہوتے، ہر طرف دھواں پھیلنے لگا، یہ آنسو گیس تھی.

شیروان نے جلدی سے اپنا منہ اپنی قمیص کے اندرونی حصے سے ڈھانپا اور شیری کو بھی پکڑتے ایک طرف لے گیا۔ اب وہاں کا ماحول مختلف تھا۔ مرد نما عورتیں گلا پھاڑ پھاڑ کر کھانستے، آنکھیں مسلتے، ادھر ادھر گرتے پڑ رہے تھے، پوری بیسمنٹ میں منہ پر ملٹری ماسک چڑھائے پولیس اہلکار پھیل چکے تھے اور گرفتاریاں ہو رہی تھیں، کچھ منٹوں کی تگ و دو کے بعد علی شیری اور شیروان تک پہنچ گیا تھا۔ اور خاموش نشاندہی پر وہ حمزہ کی طرف بھاگے جو اب اپنے حواس مکمل طور پر کھو چکا تھا۔ بیسمنٹ میں پھیلا دھواں علی کی پلیٹ میں گھومتی چمچ میں آ سمویا۔ اس ہولناک حادثے کا تذکرہ کرتے ماحول دوبارہ وحشت زدہ ہو گیا تھا۔ کھانے سے دل اچاٹ تھا۔ دوسروں کو مار کر جسم گھسیٹنے اور اپنوں کا خون آلود جسم اٹھانے میں بہت فرق ہوتا ہے اور پھر ایسے اپنے کا جو ان سب کے ملنے اور جڑنے کی وجہ ہو تو سوگواری بجا تھی.

"میں اور زویان حمزہ کو لے کر باہر چلے آئے، شیری اور شیروان کو بھی ریسکیو کر لیا گیا، شیری بضد تھا حمزہ کے ساتھ گاڑی میں آنے کو. ہاسپٹل تک اس کو لے کر جانا اذیت ناک تھا۔ خون بہہ بہہ کر جمنے کو تھا۔"

"شیری کا تمہیں بتا چکا حمزہ کو دیکھ کر اس کی اپنی طبیعت بگڑنے لگ گئی تھی." علی نے جھرجھری لی اور خاموش ہو گیا۔

"دانی نے حمزہ کے ساتھ ایسا کیوں کیا؟ وہ تو اپنی مرضی سے گیا تھانا؟" فریحہ اب تک الجھی تھی۔ پھر شیروان نے آگے جوڑا۔

"دانی پر ان کو شک ہو گیا تھا، انہوں نے اس کی بیوی اور بچے کو قید کر لیا تھا اور اسی کے بدلے حمزہ کو ٹریپ کرنے کو کہا۔ اور بھابھی! فیملی آلویز کمز فرسٹ۔" بے دلی سے شان نے اچکا تا وہ اپنی پلیٹ پر جھک گیا۔ دانی نے غلط کیا وہ سب جانتے تھے, وہ حمزہ سے مدد لے سکتا تھا مگر خیر اب اس کا فیصلہ انہوں نے حمزہ کے لیے ہی چھوڑ دیا تھا۔

"بھابھی شیری ابھی تک اٹھا نہیں؟" سمایا نے فکر مندی سے پوچھا۔

"میں کھانے کا کہنے گئی تو وہ سو رہا تھا. شاید نیند کی دوا کا اثر ہے. " اور سمایا بس سر ہلا کر رہ گئی.

****

کل رات اس کے کمرے سے آنے کے بعد حیا اب تک واپس نہیں گئی تھی. ہاں تھوڑی دیر بعد وہ آئی سی یو کے باہر چکر لگا لیتی یا نرس سے حال احوال لے لیتی. اس کے دل میں ایک ننھے سے احساس نے جنم لیا تھا. جس کو وہ بار بار اپنے ذہن سے جھٹک رہی تھی.

"حیا وہ خاموش لیٹا ہے تبھی تمہارا دل اس کی طرف جھک رہا ہے ورنہ اس کی انگارے برساتی آنکھیں اور زبان تم دیکھ چکی ہو. اس نکاح کو کوئی رئیل معنی دینے کی کوشش مت کرو. " وہ اپنے آپ کو حمزہ سے دور رہنے کے لیے دلیلیں دے رہی تھی.

فجر ہونے میں ابھی وقت تھا اور وہ باہر ہسپتال کے لان میں پتھر کے بنے زمین سے ایک دو انچ اونچے بینچ پر بیٹھی گزرے دنوں کے بارے میں سوچنے لگی.

یہاں کیوں بیٹھی ہو؟ کافی کے دو مگ ہاتھ میں لیے جنت اس کے پاس آ بیٹھی. ایک مگ اس کی طرف بڑھایا اور دوسرے سے خود گھونٹ بھرنے لگی.

"جنت! تمہیں بھی لگتا ہے کہ میری بد دعاؤں کی وجہ سے اس کی زندگی خراب ہو رہی ہے؟" وہ افسردہ تھی.

"مجھے لگتا ہے تمہاری دعاؤں کی وجہ سے وہ ٹھیک ہو جائے گا." جنت نے پرجوش انداز میں کہا.

"میں اس کے لیے کوئی دعائیں نہیں کرتی. اور نہ کروں گی" حیا نے اسے گھورا. وہ اپنے اندر سر اٹھاتے احساس کو دبا رہی تھی.

"میں تمہیں حمزہ کی پچھلی زندگی کے بارے میں بتاؤں تب بھی نہیں؟" جنت نے ابرو اٹھاتے پوچھا.

"مجھے کوئی دلچسپی نہیں." خفا سی وہ مگ سے گھونٹ بھرنے لگی.

"حیا! حمزہ بہت اچھا لڑکا ہے." جنت اس کی بات نظر انداز کیے بتانے لگی. اور حیا نے اس کی بات اچک لی.

"مسز ہارون جب مجھ سے ملتی ہیں یہ ہی کہتی ہیں" اس نے بے نیازی سے کندھے اچکائے.

"اور کل تو ڈاکٹر ہارون بھی کہہ رہے تھے." وہ خود ہی ہنس دی.

"انسان تلخ نہیں ہوتے, زندگی تلخ بنا دیتی ہے." جنت کافی کے مگ میں دیکھتے بولتی گئی.

"میری زندگی سے زیادہ اس کی زندگی تلخ ہے؟ جنت بی بی! یہاں ہر کوئی بری زندگی ہی گزار رہا ہے. پر اس کا یہ مطلب نہیں آپ ان کی مجبوریوں کا فائدہ اٹھانے لگ جاؤ." وہ جنت کے حمزہ کی حمایت کرنے پر بھڑک اٹھی تھی.

جنت نے اسے نظر انداز کیا.

"حمزہ شوخ سا خوش مزاج لڑکا تھا. میں اسکول کے زمانے سے اسے دیکھتی آ رہی ہوں. وہ میں اور رانیہ بہت اچھے دوست تھے. اور پوری کلاس ہم سے پناہ مانگتی تھی." اسکول کی یادیں دماغ کے کسی کونے میں سر اٹھانے لگیں. پھر وہ رکی اور حیا کو دیکھا جسے یہ کہانی سننے میں کوئی دلچسپی نہیں تھی. وہ خالی لان اور رات کے اندھیرے سے کالے ہوتے گھاس کو دیکھ رہی تھی.

"رانیہ! حمزہ کی منگیتر." جب حیا نے نہیں پوچھا تو اس نے خود ہی واضح کر دیا. اور اندھیروں نے دیکھا حیا کے ماتھے پر ہلکے بل پڑے تھے. مگر وہ کچھ نہیں بولی.

"حمزہ اور رانیہ کے نکاح کو ایک ہفتہ تھا جب رانیہ مر گئی." حیا کی گردن میں گلٹی ڈوب کر ابھری. جنت کچھ دیر چپ بیٹھی رہی. تو حیا نے بے چینی سے گردن موڑی. جنت انگلی کے پوروں سے آنکھوں کے کونوں میں ابھرتے آنسو صاف کر رہی تھی.

"حمزہ سے بدلہ لینے کے لیے, ڈرگ ڈیلرز نے رانیہ کو اغواہ کر لیا اور اس پر حیوانیت کی انتہا کر دی." جنت نے مگ ایک طرف رکھ دیا. حیا اپنے مگ کے کناروں پر انگلی پھیرتے سنتی رہی.

"ان درندوں نے اس کے ساتھ اجتماعی زیادتی کی, اس کے جسم میں ڈرگز کے انجیکشن لگائے, حمزہ کے لیے نفرت بھرے جملے اس کے جسم پر گاڑے, وڈیو بنائی, حمزہ کو بھیجی." جنت نے ایک ہی سانس میں روداد سنائی. حیا کو اپنے رونگھٹے کھڑے ہوتے محسوس ہوئے. اپنی آنکھوں کی پتلیوں پر اسے گرم مائع کا احساس ہوا. مگر وہ پلکیں جھپکتے ان کو اندر اتار گئی. اسے لگتا تھا وہ جہنم کی سی زندگی گزار رہی ہے مگر دنیا میں عذاب تو رانیہ نے دیکھا تھا. کچھ دیر دونوں چپ بیٹھی رہیں. اور پھر حیا نے خود کو کہتے سنا. "حمزہ کو بہت صدمہ لگا ہو گا." جنت نے گردن موڑ کر اسے دیکھا.

"حیا! اس دن ہم نے اپنا شوخ, خوش مزاج حمزہ کھو دیا تھا. پھر ہم نے کبھی اسے پہلے کی طرح باتیں کرتے نہیں دیکھا."

"وہ چپ ہو گیا. بالکل چپ. وی رئیلی مس دیٹ اولڈ حمزہ. وہ پیارا سا لڑکا." وہ اداسی سے مسکرائی. یہ تیسری بار تھا جب حیا نے حمزہ کے لیے یہ لفظ سنا تھا. پیارا لڑکا! شاید اسکی خوبصورت شکل و صورت کی وجہ سے سب اسے پیارا بلاتے تھے. حیا نے سر جھٹکا اور دوبارہ اپنی توجہ جنت پر مرکوز کی. جو اب اسے آگے بتا رہی تھی.

"اس کے چند دنوں بعد حمزہ جب گھر آیا تو اس کو مارنے کے ارادے سے اس کی گاڑی میں بم فٹ تھا جو اتفاق سے اس کے والدین لے گئے۔ "حیا نے بے یقینی سے اسے دیکھا جیسے غلط سنا ہو۔

"پھر؟"

"اور وہ کبھی واپس نہیں آئے۔ "وہ چپ ہوئی اور دوبارہ بولی۔ "حمزہ ٹوٹ گیا۔ اور اس کے ٹوٹنے کے نشان اس کی شخصیت میں آج بھی دکھتے ہیں۔ "ماحول میں سوگواری چھا گئی تھی۔ حیا کو کافی کڑوی لگنے لگی۔ دل اسے ملامت کرنے لگا۔

"وہ اچھا لڑکا ہے حیا۔ مسز ہارون کہتی ہیں کہ ان اموات نے اس کی شخصیت کو ڈیمج کیا ہے۔ وہ ان اموات کا ذمہ دار خود کو سمجھتا ہے اور اس 'گلٹ' نے اسے ایسا بنا دیا ہے۔"

"گلٹ "حیا کا دل ڈوبا، وہ بھی تو ایک گلٹ سے بھاگ رہی ہے۔

"بہتر یہ ہی ہوتا کہ وہ خود اس فیز سے نکل آتا، مگر بہت دیر بعد پتا چلا کہ اس کے رویے کی وجہ ان رشتوں کو کھونا نہیں بلکہ خود کو اس لاس کا ذمہ دار ٹھہرانا ہے۔ اسے کسی کی ضرورت ہے حیا۔ "وہ علی حیا کی آنکھوں میں جھانکا اور آگے بولی۔

"کسی ایسے کی جو اسے سنے اور جس سے وہ اپنے دل کی بات کہہ سکے۔ "کہتے منہ موڑ لیا۔

"مگر اب یہ پرانا حمزہ نہیں رہا، کھلی کتاب جیسا، ہنستا، مسکراتا حمزہ۔ اب یہ پر اسرار سا بی ہیو کرتا ہے۔ دل کی سختی اس کے چہرے ہر نظر آتی ہے۔ کسی سے کام کے علاوہ بات نہیں کرتا، دل کی بات کرنا تو دور کی بات۔ "اس کی آواز میں مایوسی در آئی تھی۔

"پتا نہیں کب تک خود کو ناکردہ گناہوں کی سزا دے گا یہ۔ "وہ خفت سے اپنا مگ اٹھاتے اندر راہداری میں غائب ہو گئی۔

اور حیا کے گلے میں اٹکا آنسوؤں کا گولہ اب ابل ابل کر باہر آرہا تھا. وہ گلٹی ہو چکی تھی. دل اسے چھوڑ کر حمزہ کا ہو گیا تھا.

****

یہ ایک اونچا، سترہ منزلہ ہوٹل تھا. رات کی تاریکی سے 10،9 بجے کا گمان ہوتا تھا. ہوٹل کے وسیع لاؤنج میں پڑے صوفوں میں سے ایک پر ڈاکٹر ہارون ہاتھ میں موبائیل لیے بیٹھے تھے. یہ ڈنر کے بعد کا وقت تھا وہ ابھی ردابہ اور انیقہ کو کھانے کے بعد اوپر کمرے میں چھوڑ کر آئے تھے. ردابہ کو بڑی مشکل سے وہ سنبھالے ہوئے تھے اور ابھی بہتر یہ ہی تھا کہ وہ سو جاتی. وہ اب تک خود کو مضبوط رکھے ہوئے تھے مگر اپنے خون کے لیے کون کب تک ضبط کرتا؟ وہ بھی اب فون پر پرانی تصویریں کھولے بیٹھے تھے. جس میں وہی پرانا شوخ سا حمزہ نظر آرہا تھا. ہر تصویر میں اس کا کام انیقہ اور رانیہ کی تصویروں کو بگاڑنا ہی ہوتا تھا. اور اب جو تصویر ڈاکٹر ہارون کھولے بیٹھے تھے وہ اس دن کی تھی جب حمزہ کا سی ایس ایس کا رزلٹ آیا تھا اور تصویر میں ڈاکٹر ہارون اس سے گلے مل رہے تھے. "یو میڈ اس پراؤڈ بوائے." تصویر ہلنے لگی. گلے ملتے انہوں نے سرگوشی کی تھی جس پر حمزہ کھلے دل سے مسکرا رہا تھا۔ یہ شاید تب ہی تھا جب آخری بار انہوں نے حمزہ کو گلے لگایا۔ اس کے بعد وہ ملائشیا چلے گئے اور جب آئے تو ہانیہ والے حادثے نے حمزہ کو بہت بدل دیا تھا۔ وہ گھر کم ہی آتا تھا۔ اور پھر ڈاکٹر ہارون کے بھائی اور بھابھی کی موت۔ ماضی کی یادوں میں گم ڈاکٹر ہارون نے جھرجھری لی۔ سرد آہ ان کے لبوں سے خارج ہوئی۔ انگلی سے اسکرین کو ایک طرف کرتے وہ اگلی تصویر پر رکے۔ چھوٹا سا چھ سات سال کا حمزہ ڈاکٹر ہارون کی پیٹھ پر بیٹھا اپنے گھوڑے کو آگے بڑھنے کا حکم دے رہا تھا۔ اور نیچے ڈاکٹر ہارون سر ہلاتے اسے تنبیہ کر رہے تھے کہ ہاتھ اوپر رکھے ورنہ اس کی گدگدی سے وہ اسے نیچے گرادیں گے۔ اداس مسکراہٹ لبوں پر پھیلی۔ اگلی تصویر حمزہ کی منگنی کی تھی۔ وہ رانیہ کے ساتھ بیٹھا شرارت سے کیمرے کے لینز میں دیکھ رہا تھا۔ "پیارا لڑکا۔" وہ اب بھی مسکرا رہے تھے اور پھر فون کی اسکرین پر

دائرے بنتے چلے گئے اور انہوں نے خود کو حمزہ کے گھر اس کے کمرے کے باہر کھڑے پایا۔ دروازہ کھولا تو سامنے حمزہ ردابہ کی گود میں سر رکھے چھت کو گھور رہا تھا۔ ردابہ اس کے بال سہلاتے اسے کچھ بتا رہی تھی۔ ڈاکٹر ہارون کو دیکھ کر وہ سیدھا ہو گیا۔

"آجائیں چاچو!" وہ اداسی سے مسکراتے کہہ رہا تھا۔ "ہمارا بیٹا کیسا ہے؟؟" ڈاکٹر ہارون وہیں صوفے پر بیٹھ گئے۔ "ٹھیک ہوں۔" ہونٹ بھینچے پھر اس نے ہلکا سا کہا۔ "گڈ۔" ٹانگ پر ٹانگ رکھتے حمزہ کے کمرے کا جائزہ لیتے وہ کہہ رہے تھے۔ "ردابہ اپنا سامان دیکھ لو، رات دس بجے کی فلائٹ ہے ہماری اسلام آباد کی۔" ردابہ نے ایک نظر حمزہ کو دیکھا پھر ڈاکٹر ہارون کو۔ حمزہ نے لب کاٹے۔ "میں سوچ رہی تھی کچھ دن یہیں رہوں حمزہ کے پاس، ویسے بھی یہ ایک ماہ چھٹی پر ہے۔" حمزہ نے امید بھری نظروں سے ڈاکٹر ہارون کو دیکھا۔ "ردابہ ہم یہاں نہیں رہ سکتے، ہمارا اپنا گھر ہے، بیٹی ہے جس کے اسکول کا حرج ہو گا۔ پھر انسٹیٹیوٹ میں بہت سا کام پڑا ہے۔" وہ چپ ہوئے اور حمزہ نے لب کاٹتے ہوئے آنکھیں سکیڑی۔ بھوری آنکھیں اور چھوٹی ہو گئیں۔ "چاچو! آپ اور انیقہ چلے جائیں، ماسی کو میرے ساتھ رہنے دیں۔ یہاں مجھے اب وحشت ہوتی ہے۔ اکیلے بیٹھے سب یاد آتے ہیں۔" وہ ریکویسٹ کر رہا تھا۔ ردابہ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے گال تک چھوا۔ وہ اس کو ہمیشہ بہت پیارا تھا۔ شاید انیقہ سے بھی زیادہ مگر وہ کسی کے سامنے کہتی نہیں تھی۔ اب بھی وہ خود بھی اس کے پاس رکنا چاہتی تھی۔ کہنے کو لب کھولے مگر ڈاکٹر ہارون اٹھ کر بیڈ تک آئے حمزہ کے قریب ہوئے۔ "جینٹل مین۔ آئی نو یو آر ویری بریو۔ اس سب سے تمہیں خود لڑنا ہے۔ تم ہمارا فخر ہو۔ بی اسٹرونگ۔" اس کے کندھے کو مضبوطی سے تھامے انہوں نے حمزہ کو ہلایا۔ حمزہ نے زبردستی مسکراتے سر ہلایا۔ "ماسی کو رہنے دیں" دوبارہ منت کی۔ ماسی نے بے بسی سے ڈاکٹر ہارون کو دیکھا۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں اجازت چاہی۔ وہاں انکار تھا۔

"چاچو پلیز. چند دن کی تو بات ہے."

"اور چند دن پھر اگلے چند اور دن میں بدل جائیں گے۔" انہوں نے سر جھٹکا اور اس سے پہلے حمزہ کچھ کہتا ڈاکٹر ہارون کھڑے ہو گئے۔ "حمزہ یو ہیو ٹو فائٹ فار یور سیلف۔" پھر افسردہ سی ردابہ کی طرف دیکھا۔ "آپ چلنے کی تیاری کریں۔ میں اپنے انسٹیٹیوٹ کا حرج نہیں کروا سکتا۔" وہ کہہ کر باہر نکل گئے۔ لہجہ سرد سا تھا۔ ردابہ نے حمزہ کو کچھ کہنے کو منہ کھولا مگر وہ بھی کہے سنے بغیر چلا گیا اور پھر تب آیا جب ڈاکٹر ہارون اپنی بیوی اور بیٹی کے ساتھ اسلام آباد پہنچ چکے تھے۔ اس دن چاچو بھتیجے کا رشتہ ہمیشہ کے لیے کٹ گیا تھا۔ اس نے کہا کچھ نہیں تھا مگر ہارون کے ساتھ اس کا رویہ سرد ہو گیا تھا۔

ایک ٹھنڈی آہ ڈاکٹر ہارون کے ہونٹوں سے نکلی۔ وہ دوبارہ موہاٹل کے لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ انہوں نے تر ہوتی آنکھ کے کونے پر انگلی رکھی۔

"بابا جب حمزہ بھائی کو پتا چلے گا نا کہ آپ نے ان کے لیے ہی ماما کو ان سے دور کیا تھا تو وہ سارے شکوے بھلا کر پہلے کی طرح آپ کے کلوز ہو جائیں گے۔" ڈاکٹر ہارون کو پتا ہی نہیں چلا انیقہ کب نیچے آئی۔ وہ اب ان کے کندھے پر ہاتھ رکھے کھڑی تھی۔ "میں بس چاہتا تھا وہ ردابہ یا کسی کا بھی سہارا نہ ڈھونڈے، وہ خود اپنے ٹکڑوں کو واپس جوڑے۔ انیقہ ہم انتظار کرتے ہیں کہ کوئی آئے گا اور ہمیں ہماری ٹف فیز سے نکالے گا بٹ ہمیں خود اپنا بازو پکڑ کر خود کو تکلیفوں سے نکالنا پڑتا ہے، وہ ردابہ کے پیچھے چھپ کر حقیقت سے بھاگنا چاہتا تھا۔" آواز میں تکلیف در آئی تھی۔ "ارے بابا! وی آل نو آپ حمزہ بھائی سے کتنا پیار کرتے ہیں۔" باپ کی گردن کے گرد بازو ڈالے وہ اب ان کا گال چوم رہی تھی۔

"کاش حمزہ کو بھی اس بات کا احساس ہو جائے۔" انیقہ کے گال کو تھپتھپاتے انہوں نے سوچا۔

* *

صبح کب کی روشن ہو چکی تھی۔ زویان، شیروان، عنایا اور سمایا کو پک کرتا ابھی علی کے گھر کے باہر کھڑا تھا۔

وہ شیری کا انتظار کر رہے تھے۔ جسے اس کی طبیعت کی ناسازی کے باعث فریحہ نے یہیں روک رکھا تھا۔ بلیو جینز اور آدھے بازوؤں والی نیلی ٹی شرٹ پہنے، گیلے بال پیچھے کو بنائے وہ گیٹ سے باہر نکل رہا تھا۔ گاڑی کے قریب آیا، دروازہ کھولا اور رسمی سلام کرتے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لی۔

"تیری طبیعت ٹھیک ہے؟" آگے بیٹھے شیروان نے اسے مخاطب کیا۔

"تجھے افسوس ہو رہا ہو گا کہ میں بچ گیا۔" بند آنکھوں سے ہی اس نے کہا۔ سب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ اب بھی شیروان کو تپا رہا تھا۔

"ہماری اتنی قسمت کہاں!" شیروان نے کہہ کر آہ بھری اور سب محفوظ ہوتے رہے۔

پچھلے دو دن سے شیری کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ کھسروں میں سے تو وہ بحافظت آ گیا تھا مگر حمزہ کی ابتر حالت، خون آلود جسم بار بار اس کی آنکھوں کے سامنے آتا۔ ایسا نہیں کہ اس نے پہلے کبھی لوگوں کو گولیاں لگتے نہیں دیکھی، مگر اپنے بھائی کو پہلی بار لگتے دیکھی تھی۔ واپسی پر راستے میں ہی اس نے الٹیاں کرنا شروع کر دی تھیں۔ ڈاکٹر کی دوائیوں کے زیر اثر وہ غنودگی میں ہی رہا۔ حقیقت سے بھاگنے کا آسان طریقہ ہے کہ آپ سو جائیں۔ وہ بھی سوتا رہا۔

"حمزہ سر ٹھیک ہو جائیں گے نا؟" آنکھیں کھول کر وہ آگے کو جھکا۔ سب کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ اور پھر زرا سنبھلے انداز میں سمایا نے اسے تسلی دی۔

"انشاءاللہ، وہ بالکل ٹھیک ہو جائیں گے۔" اور شیری نے اثبات میں سر ہلاتے دوبارہ سیٹ کی پشت سے ٹیک لگاتے آنکھیں بند کر لی۔ وہ کھویا ہوا، ویران سا لگتا تھا۔

* *

لاہور کی سڑکوں پر وہی بے ہنگم ٹریفک اور گاڑیوں کا شور تھا. ہسپتال میں مریض اپنی اپنی تکلیفیں لیے پڑے تھے.

اور اسی ہسپتال کے ایک پرائیویٹ کمرے میں وہ دنیا جہاں سے بے خبر پچھلے دو دن سے اندھیروں کا سفر کر رہا تھا.

رنگت پھیکی پڑی ہوئی, چہرہ بے تاثر اور وینٹیلیٹر ماسک سے ڈھکا ہوا!

دماغ جہاں کل تھا آج بھی وہیں ہلکورے لے رہا تھا. شیری اور اس پر جھپٹتے ہاتھ!

کمرے کا دروازہ بے آواز کھلا اور بند ہو گیا. چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی وہ اب اس کے سر پر کھڑی تھی.

"ڈاکٹر کہہ رہا تھا تم میں بہتری آ رہی ہے, بہتری آ رہی ہے تو تم اٹھتے کیوں نہیں ہو؟" وہ خفا سی بول رہی تھی.

آنکھوں میں رات کی سرخی اب تک تھی اور وہ سوجی ہوئی لگتی تھیں.

"بہتری آ رہی ہے تو وہ اٹھ بھی جائیں گے." آواز پر حیا پیچھے مڑی شیری سپاٹ سا چہرہ لیے بیڈ کے بائیں طرف پڑے اسٹول پر آ بیٹھا. حیا جو حمزہ کو ڈانٹنے کا اور ارادہ رکھتی تھی (ظاہر ہے کیوں کہ وہ سن نہیں سکتا تھا) ڈھیلی سی پیچھے صوفے پر جا بیٹھی. اور پھر سر تب اٹھایا جب شیری کو حمزہ سے بات کرتے سنا.

"آپ کیوں آئے تھے وہاں؟ آپ کو مجھ پر بھروسہ نہیں تھا؟" وہ بے بس سا شکوہ کر رہا تھا. "اگر آپ کو کچھ ہو گیا نا تو میں خود کو کبھی معاف نہیں کروں گا." "لو بھئی! پچھتاوے والوں کی قطار میں کھڑا ہوتا ایک اور شخص.

"ماسی, چاچو, میں ہم سب آپ کے لیے بہت پریشان ہیں." وہ چپ ہوا اور ادھر حیا کے چہرے پر ناگواری آئی. 'ہاں میں تو یہاں لڈیاں ڈال رہی ہوں.' وہ شیری کی پشت کو گھور رہی تھی.

"اور ماسی نے آپ کے لیے بہت سارا پیار بھیجا ہے." وہ اب حمزہ کے ماتھے پر جھکا پیار کر رہا تھا. اور ادھر حیا نے ہونٹ سکیڑے. اوہ! مسز ہارون کا پیاریوں دینا ہوتا ہے. اور پھر اپنی سوچ پر اس نے خود ہی لعنت بھیجی.

"شیری! تم لوگ مجھے ناپسند کرتے ہو؟" وہ فرش کو گھورتے آہستہ سے بولی. اور حمزہ پر جھکے شیری نے سر اٹھایا.

"ناپسند کرتے تو آپ کو اب تک اپنے ساتھ نہ رکھا ہوتا." وہ بے تاثر سا کہہ رہا تھا.

"نہیں میرا مطلب حمزہ...." اس نے جملہ ادھورا چھوڑا اور شیری اسٹول پر پیچھے گھوما.

"بھابھی! حمزہ بھائی پوری دنیا میں صرف ایک انسان سے نفرت کرتے ہیں." حیا کا دل دھڑکا. شاید اسی سے.

"اور وہ انسان وہ خود ہیں. ہی ہیٹ ہم سیلف." وہ واپس حمزہ کی طرف مڑ گیا. حیا کے اعصاب ڈھیلے پڑے. اسے آج سمجھ آیا حمزہ کی تصویر کے نیچے انگریزی میں لکھا وہ فقرہ. "ہیٹ می بکز آئی ہیٹ مائی سیلف." اس نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگا لی.

"اور وہ آپ سے نف.." جملہ ادھورا رہ گیا. حیا نے دیکھا وہ کمرے سے ملحق باتھ روم کی طرف بڑھ رہا تھا, حیا اس کے پیچھے لپکی اور اب وہ سنک پر جھکا قے کر رہا تھا.

"تم ٹھیک ہو." وہ متفکر نظر آنے لگی. وہ اب بھی منہ کھولے جھکا ہوا تھا.

"ڈاکٹر کے پاس چلیں؟" وہ اب نل کھولے منہ پر پانی مار رہا تھا.

"نہیں. میں ٹھیک ہوں, شاید میں زیادہ ٹینشن لے رہا ہوں." ٹشو کھینچتے وہ باہر آ رہا تھا. حیا نے اسے راستہ دیا. "بھائی کا خیال رکھیے گا." آہستہ سے کہتے وہ دروازے تک گیا اور پھر واپس مڑا. "وہ آپ کو ناپسند نہیں کرتے." پھر دروازہ کھلا اور بند ہو گیا.

"اب تم بھی اٹھ جاؤ مسٹر حمزہ. ہم سب کو آپ سے بہت شکایتیں ہیں" وہ جو پہلے اس پر غصہ کرنے آئی تھی اب ہلکا محسوس کر رہی تھی.

"آپ کی ماسی, چاچو اور شیری سب آپ سے بہت پیار کرتے ہیں اور میں." اس نے ڈرامائی پاز دیا. "اور میں بھی." اپنے الفاظ سے محفوظ ہوتے وہ دل کھول کر مسکرائی. "لیکن بتانا مت کسی کو." وہ مسکراہٹ دباتے اسے گھور رہی تھی. اور تبھی دوبارہ دروازہ کھلا مسکراہٹ غائب ہوئی اور ماتھے پر بل پڑے. یہ سب کو اسی وقت آنا ہوتا ہے. خفگی

سے پیچھے مڑی تو سفید شلوار قمیص زیب تن کیے حمزہ کی نرس ٹرے اٹھائے بیڈ کی طرف آ رہی تھی. اسے خاص حمزہ کے لیے رکھا گیا تھا. حیا کو دیکھ کر وہ مسکرائی مگر حیا بے تاثر رہی.

"آپ ان سے بیٹھ کر یہ جو باتیں کرتی ہیں. کیا یہ آپ کو سنتے ہیں؟" وہ مگن سی ٹرے سے وائپس اٹھاتے کہہ رہی تھی.

"نہیں" حیا نے کندھے اچکائے.

"شاید ہاں. "نرس نے ایک گیلا ٹشو حمزہ کے چہرے پر رکھتے ہوئے کہا. حیا گڑبڑا گئی. اور ابھی جو اس نرس کے آنے پر وہ خفگی تھی وہ ہوا ہو گئی.

"اکثر جب کومہ کے پیشنٹس ہوش میں آتے ہیں تو وہ بتاتے ہیں ان کو اپنے آس پاس ہوتی باتیں سنائی دیتی تھیں. اور یہ تو بس بے ہوش ہیں. تو ہو سکتا ہے یہ آپ کو سن رہے ہوں."

حیا کی گردن میں گلٹی ڈوب کر ابھری. وہ تو پتا نہیں کیا اناپ شناپ بول رہی تھی. اس نے گھور کر سر جھکائے کام کرتی نرس کو دیکھا.

"بس یہ ہی کرنے آئی ہو" حمزہ کے منہ کی طرف آنکھوں سے اشارہ کیا. "یا کچھ اور کام بھی ہے؟"

"ابھی تو فیس واش کرنا تھا اور..."

"ٹھیک ہے میں کر دوں گی. اس کی بیوی ابھی زندہ ہے" وہ آگے کو جھکی اور اس کی ٹرے سے وائپس اٹھا لیے. نرس ہکا بکا سی اسے دیکھتی رہی. "تم جاؤ. "اوپر دیکھے بغیر اس نے کہا اور نرس اپنی ٹرے اٹھا کر باہر نکل گئی. وہ اب حمزہ کے منہ کو نرم ٹشو سے رگڑ رہی تھی.

"اگر سن بھی لیا ہے تو کیا؟ ڈرتی نہیں ہوں میں تم سے. "اور یہ کہتے ہوئے بھی اس کا ہاتھ کانپا تھا.

****

اندھیرے چھٹنے لگے, پتلیاں بند آنکھوں کے نیچے ہلنے لگیں. دماغ سفر کر کر کے تھک گیا تھا. آنکھیں کھلیں. بند ہو گئیں. دوبارہ کھلیں, روشنی تیز لگی دوبارہ بند کر لی گئیں. اور پھر یہ اندھیرا اجالا کتنی دیر چلتا رہا. یہاں تک کہ روشنی آنکھوں میں چبھنا بند ہو گئی. سامنے دیوار پر پینٹنگ لگی تھی. یہ کون سی جگہ ہے وہ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا. جسم میں درد سے ٹیسیں اٹھ رہی تھیں. کہنیوں کے بل اٹھنے کی کوشش کی مگر کندھوں کے زخم ابھی بھرے نہیں تھے اٹھتا اٹھتا وہ دوبارہ بیڈ پر ڈھے گیا. آنکھیں سختی سے بند کر لیں. پھر کئی لمحے یوں ہی گزر گئے. دماغ بیدار ہوتا گیا. آنکھیں کھول کر وہ سیدھا کمر کے بل لیٹا کمرے کا جائزہ لیتا رہا. تبھی دروازہ کھلا اور اس نے نیم وا آنکھیں دوبارہ بند کر لیں. کیوں یہ اسے بھی نہیں پتا تھا. وہ دیکھ نہیں پایا اندر آنے والا کون ہے. کوئی آ کر اس کے پاس اسٹول پر بیٹھا, ہاتھ تھاما اور اس کے ماتھے پر جھک گیا. "بہت مس کر رہا ہوں میں آپ کو." آنے والا بولا تو حمزہ کو اپنی روح میں سکون اترتا محسوس ہوا. اس کی آنکھوں کے کونے گیلے ہونے لگے یہاں تک کہ ایک آنسو لڑھک کر باہر آ گیا. شیری جو اب اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں دبا رہا تھا چونکا. اپنا ہاتھ بڑھا کر اس کے نیچے گرتے آنسو کو انگلیوں کے پوروں پر اٹھایا. "بھائی؟" کانپتی آواز کے ساتھ اسے پکارا. اور بھائی نے آنکھیں کھولیں, جن میں سرخ دھاریاں,, گزرے دنوں کی کہانی, زخموں کی تکلیف اور شیری کو سلامت دیکھ کر سکون تھا. "آپ کو ہوش آ گیا؟" وہ حیرت اور خوشی کی سی کیفیت میں کچھ دیر خود کو یقین دلاتا رہا اور جب حمزہ کی آنکھیں کھلی رہیں تو وہ اس پر گر گیا اور بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگا. حمزہ نے ہاتھ بڑھانا چاہا مگر کندھے اکڑے ہوئے تھے وہ نہیں اٹھا سکا. کچھ منٹ یوں ہی گزر گئے. وہ روتا رہا اور حمزہ آنکھیں بند کیے گزری قیامت کو سوچتا رہا. جب کافی دیر شیری نہیں اٹھا تو حمزہ نے بند آنکھیں کھولیں.

"بس کر.... یار! میرا سانس... رک... رہا ہے." وہ بمشکل بول پایا. اس کی زبان خشک تھی. شیری اس سے الگ ہوا. اس کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں لیا.

"آپ کو اندازہ نہیں میں نے یہ دن آپ کے بغیر کیسے گزارے. میں اب تک گھر نہیں گیا." کافی دیر شیری اس سے باتیں کرتا رہا, کیسے اسے لے کر آئے, ردابہ کہاں ہے, کیوں نہیں آئی, کب آئے گی, دانی نے غداری کیوں کی اور یہ کہ اب وہ جیل میں ہے اور حمزہ کو اس کا فیصلہ کرنا ہے. وہ ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ اسے سنتا رہا یہاں تک کہ شیری چپ ہو گیا.

"میں بیٹھنا چاہتا ہوں." حمزہ نے اپنے بے جان پڑے بازؤوں اور پھر بیڈ کو دیکھا. تب شیری کو احساس ہوا اسے ڈاکٹر کو بلانا چاہیئے تھا. وہ سر کھجاتا معذرت کرتا ڈاکٹر کو بلانے باہر گیا. اور حمزہ پر سکون سا چھت کو دیکھتا رہا.

****

حیا کو اپنے کپڑوں میں سے دوائیوں کی بو آنے لگی تھی, وہ کپڑے بدلنے حمزہ کے گھر چلی گئی تھی اور ابھی تھوڑی دیر پہلے واپس آئی تھی جب اسے پتا چلا حمزہ کو ہوش آ گیا ہے. وہ خوش ہوئی تھی یا پریشان ہو گئی تھی وہ نہیں جانتی تھی. حمزہ ٹھیک ہو جائے گا یہ خوشی اور حیا کو واپس جانا پڑے گا یہ پریشانی کی بات تھی.

کمرے کا دروازہ بند تھا باہر بہت سے سادہ کپڑوں والے سیکیورٹی اہلکار تھے. وہ اچنبھے میں تھی کہ حمزہ کو ملنے کون آیا ہے جو اتنی بھگدڑ مچی ہے.

"منسٹر پنجاب حمزہ سے ملنے آئے ہیں." جنت نے سرگوشی کی تھی.

""کیوں؟" وہ حیران ہوئی تھی.

"حمزہ ان کے قریبی پولیس آفیسرز میں سے ہے." آواز اب بھی سرگوشی سے اونچی نہیں تھی. تبھی کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک لمبا چوڑا گھنی مونچھوں والا آدمی, کلف لگی سفید شلوار قمیص اور سیاہ جیکٹ میں ملبوس باہر آیا. اس کے پیچھے فریحہ, علی اور زویان بھی تھے. آدمی ان دونوں کے پاس رکا. بغور حیا کو دیکھا.

"مسز حمزہ؟"

"جی۔" اس نے اعتماد سے کہا۔ اور آدمی کی سنجیدگی مسکراہٹ میں ڈھل گئی۔ "مجھے ثقلین کہتے ہیں۔ حمزہ کا دوست ہوں۔ خوش رہو۔" اپنا تعارف اور حیا کو خوش رہنے کی دعا ایک ساتھ دے کر، اس کے سر پر ہاتھ رکھتا وہ آدمی اپنی شاہانہ سیکیورٹی کے ساتھ باہر نکل گیا۔

"عجیب آدمی ہے۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے مڑی مگر جنت وہاں نہیں تھی۔ دروازہ کھل کر بند ہوا تھا۔ اور وہ یقیناً حمزہ سے ملنے گئی تھی۔ حیا گہرا سانس لیتے وہیں کرسی پر ڈھے جانے کے سے انداز میں بیٹھی اور آنکھیں موند لی۔

جاگتے حمزہ کے سامنے جا کر کھڑے ہو جانا آسان نہیں تھا۔

"آپ یہاں کیوں بیٹھی ہیں؟" شیری باہر سے آ رہا تھا اس کو وہاں دیکھ کر رکا۔ "ویسے ہی" اس نے گود میں رکھی انگلیوں کو مروڑتے ہوئے ایک نظر اس پر ڈالی اور دوبارہ انگلیوں کو دیکھنے لگی۔ وہ سیاہ عینک کے پیچھے سے اسے دیکھتا رہا یہاں تک کہ وہ دوبارہ بولی۔

"وہ مجھ سے ناراض ہو گا۔"

"وہ آپ کا پوچھ رہے تھے۔" لاپرواہی سے کہتا وہ دروازے میں گم ہو گیا۔ اور حیا مشکوک نظروں سے دروازے کو گھورتی رہی۔

****

ردابہ اور ہارون رات گئے لاہور پہنچے تھے اور اب وہ حمزہ کے کمرے میں اس کے ساتھ موجود تھے۔ حمزہ کا بیڈ زرا اوپر کو اٹھا دیا گیا تھا۔ ردابہ اس کے پاس اسٹول پر بیٹھی تھی اور ڈاکٹر ہارون حمزہ سے رسمی حال احوال پوچھنے کے بعد پیچھے صوفے پر بیٹھے شیری سے باتیں کر رہے تھے۔ گزرے دنوں کی بابت سن کر ردابہ نے دوبارہ رونا شروع کر دیا تھا اور اب وہ حمزہ کو ڈانٹ رہی تھی۔ جب وہ چپ نہیں ہوئی تو حمزہ نے نقاہت زدہ سی آواز شیری کو دی۔

"شیری! لاہور میں پانی کا مسئلہ حل ہوا کہ نہیں؟" ڈاکٹر ہارون سے باتیں کرتا شیری چونکا۔

"نہیں بھائی."

"توٹنکیاں بھرلو,ماسی ازان ایکشن."وہ سنجیدہ سا بولا. آنسوؤں کے ساتھ ہنستے ردابہ نے ایک تھپڑ اس کے بازو پر جڑا اور وہ درد سے کراہا.

"آپ لوگوں کی اپنی مصروفیات بھی ہیں,میں پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا."وہ اب سنجیدہ اپنے اوپر پڑی چادر کو دیکھتے کہہ رہا تھا.ڈاکٹرہارون نے پہلو بدلہ,ردابہ کی مسراہٹ بھی غائب ہوگئی تھی.کمرے میں تناؤ سا در آیا تھا."ایسا کیوں سوچتے ہو حمزہ. تم ہمارے بچے ہو."وہ دوبارہ جذباتی ہوگئی تھی.

"جی جانتا ہوں."اس نے مسکراتے ہوئے کہا. شکوہ جہاں تھا وہاں پہنچ گیا تھا.

"ہیلو!حمزہ بھائی."انیقہ پرجوش سی اندر داخل ہوئی. حمزہ کے چہرے کا تناؤ ختم ہو گیا تھا.

"ہائے. کیسے آنا ہوا آپکا؟"حمزہ نے اسے مصنوعی خفگی سے گھورا.

"میرا بھائی ہے نا,بڑا ہیرو بنتا ہے,گولیاں مرواکر ہسپتال میں پڑا ہے.اسے ہی دیکھنے آئی ہوں"وہ بھی اسی کے لہجے میں بولی. حمزہ نے اپنی عزت افزائی پر سر کو خم دیا.

"میرا بھائی ہیرو بنتا نہیں,ہیرو ہے."شیری نے حتمی انداز میں ناگواری سے کہا.

"تم تو رہنے دو,بھائی کے چمچے."وہ اسٹول سنبھالتے ہوئے بولی. شیری تلملا اٹھا.

"بدتمیز"وہ منہ میں بڑبڑایا.

اور سب اس امر سے بے خبر کہ حیا گھر واپس جاچکی ہے دوبارہ حمزہ کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف ہوگئے.

****

باہر رات تاریک اور گہری ہوتی جارہی تھی.پرندے کب کے گھروں کو لوٹ چکے تھے.مغرب کی نماز پڑھ کر حمزہ کے کمرے میں آگئی تھی. دایاں ہاتھ بائیں گال کے نیچے رکھے,کروٹ لیے وہ ڈریسنگ کے شیشے میں اپنے عکس کو

دیکھ رہی تھی. اور دوسرے ہاتھ سے بیڈ پر بے ترتیب لکیریں کھینچ رہی تھی. وہ چند لمحے یوں ہی دیکھتی رہتی پھر جب آنکھوں پر ہوا کا دباؤ بڑھتا تو جھپک کر دوبارہ شیشے کو گھورنے لگتی. دماغ الجھی گتھیاں سلجھانے کی کوشش کر رہا تھا. کیسے وہ خوش باش اپنے گھر تھی, اغوا کر کے کسی کوٹھے پر لے جائی گئی, وہاں سے ایک آدمی اسے اپنے گھر لے آیا, نکاح کیا, اور دوبارہ اسے بے گھر کر دیا. اب دوبارہ وہ آدمی اس کی زندگی میں آگیا تھا مگر ایسے کہ اب وہ اسے چھوڑ کر کبھی جانے نہیں دینا چاہتی تھی. کیونکہ وہ سمجھ گئی تھی یہ قسمت تھی جس نے اسے حمزہ کے گھر لا پٹخا تھا.

اس کا فون وائبریٹ ہوا تو وہ اٹھ کر بیٹھی. ڈاکٹر ہارون کالنگ. اس نے بجھے دل سے فون کان پر لگایا.

"اسلام علیکم سر!"

"گھر پر ہوں." دوسری طرف کی بات سن کر وہ دوبارہ بولی.

"اسلام آباد؟ صبح جانا ہے؟" وہ یک دم غیر آرام دہ نظر آنے لگی تھی.

"پر سر! میں... یہیں رہنا.. چاہتی ہوں.." اس نے اٹکتے ہوئے کہا.

ڈاکٹر ہارون نے کان سے فون ہٹایا اور دوبارہ کان سے لگایا. "مگر آپ کہاں رہیں گی؟" وہ حیران تھے.

"اپنے شوہر کے ساتھ." اس نے خود کو کہتے سنا. اور ادھر ڈاکٹر ہارون کے چہرے پر خوشگوار حیرت پھیلی..

"یو مین حمزہ کے ساتھ؟"

"جی" وہ آہستہ سے بولی.

"مگر ردابہ اور پھر حمزہ؟" ان کی خوشی ہوا ہوئی.

"میں نے فیصلہ لے لیا ہے سر, میں سب کو کنوینس کر لوں گی." وہ گردن اٹھاتے اعتماد سے بولی اور ڈاکٹر ہارون کے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے.

اور جب تم چاہو کچھ کرنا پھر ساری دنیا کہتی رہے تم نہیں کر سکتے مگر تم کر کے دکھاتے ہو.

****

اگلی صبح حیا کی زندگی میں ایک نئی کرن کی مانند تھی جو اگلی کئی کرنوں کے ساتھ اجالا بننے والی تھی. ردابہ کو وہ منا چکی تھی. آخر کو ردابہ نے بھی یہ ہی سوچا تھا مگر یہ فیصلہ حیا خود لے لے گی اس پر اسے حیرت ہوئی تھی. سو یہ معرکہ سر ہوا. پر اگر معرکہ زیادہ خوفناک تھا اور حیا کے لیے جان لیوا. وہ جو حمزہ کے ہوش میں آنے کے بعد ایک بار بھی اس کے کمرے میں نہیں گئی تھی اب اسے 'منانے' یہاں آئی تھی.

اس کے کمرے کے باہر کھڑی وہ گہرے سانس لے رہی تھی. جب پریشانی بڑھ جائے تو اپنا اعتماد بحال کرنے کو یہ طریقہ ڈاکٹر ہارون نے اسے سکھایا تھا. وہ ہر زاویے سے سوچ کر آئی تھی. میکسیمم کیا ہو جائے گا یہ بھی اس نے لکھا تھا. اس نے ایک نظر سیل کے نوٹ پیڈ میں لکھے پوائنٹس پر ڈالی.

دروازے سے بیڈ تک کا فاصلہ عبور کرنا مشکل تھا. مگر وہ اعتماد سے کرے گی. اس نے گردن اکڑائی. وہ اسے دیکھ کر حیران ہو گا. وہ اس کی حالت سے محفوظ ہو گی. حیرت غصے میں بدل جائے گی, وہ بھی سپاٹ چہرہ لیے اسٹول پر بیٹھ جائے گی. غصے میں وہ چلانے لگے گا.

میں اسے بازو سے پکڑ کر چپ کرواؤں گی جیاے وہ مجھے کروا دیتا تھا اور اسے بتاؤں گی کہ میں اس کے ساتھ رہوں گی.

ہاں بس! اس نے بالوں کو ہاتھ سے پیچھے جھٹکا. اور بنا کچھ سوچے سمجھے دروازے کے ہینڈل پر رکھا ہاتھ گھمایا, دروازہ اندر کو دھکیلا اور منظر واضح ہوتا گیا. وہ اسی طرح سرہانے سے اٹھے بیڈ پر ٹیک لگائے بیٹھا تھا, درمیانی سی عمر کی وہی نرس اس کے کندھے کی بینڈاج کر رہی تھی. حیا کا ایک ایک قدم بھاری ہوتا گیا. وہ جو اتنی پلاننگ کر کے آئی تھی ہوا ہو گئی. دل پھٹ کر باہر آنے کو تھا وہ آدمی اپنے ہوش و حواس میں اس کے سامنے بیٹھا تھا. ایک لمحے کو اس نے سوچا دروازہ کھولے اور بھاگ جائے. مگر وہ اب سر اٹھا کر اسے ہی دیکھ رہا تھا. حیا کو اپنے کانوں سے دھواں نکلتا

محسوس ہوا,وہ جل رہے تھے, پیروں کی لغزش اسے محسوس ہو رہی تھی مگر وہ چلتی رہی یہاں تک کہ اس کے بیڈ کے قریب پہنچ گئی. وہ اب بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا. پلکیں جھپکے بغیر یک ٹک!

"میں تم سے کچھ بات کرنے آئی ہوں. پھر تم کچھ بھی کہو غصہ کرو, چلاؤ, کوئی فرق نہیں پڑتا." وہ اپنے ہاتھوں کی کپکپاہٹ چھپانے کو ان کو آپس میں جوڑے ہوئے تھی اور نظریں چادر سے ڈھکی حمزہ کی ٹانگوں پر تھیں. اسے پاس رکھے اسٹول پر بیٹھنے کا ہوش بھی نہیں رہا تھا.

"یہ مت سمجھنا کہ پہلے کی طرح تم مجھے ڈرا دھمکا لو گے اور میں تمہارے خوف سے پیچھے ہٹ جاؤں گی." اسے اپنا ماتھا تپتا محسوس ہو رہا تھا. وہ اس کی نظریں خود پر محسوس کر رہی تھی. ایک دم گلے کی گلٹی ابھری اور نیچے کہیں گم ہو گئی. اس نے نظر اٹھا کر اس قاتل مریض کو دیکھا جس کی نگاہیں ابھی بھی اس پر جمی تھیں. ایک لمحے کو آنکھیں ملی. بہت کچھ ان آنکھوں سے ان چھوٹی بھوری آنکھوں تک گیا. حیا نے اپنی ہڑبڑاہٹ چھپانے کو ایک نادیدہ لٹ منہ سے ہٹائی.

"میرا فیصلہ نہیں بدلے گا." نرس کو نظر انداز کیے اس نے ایک ایک لفظ چبا کر کہا. آواز کانپ رہی تھی مگر یہ صرف وہ ہی جانتی تھی. وہ کچھ نہیں بولا, کتنی دیر اسے یوں ہی دیکھتا رہا. اس کا رہا سہا اعتماد بھی ہوا ہونے لگا. آنکھوں میں بے چینی در آئی. اس نے کچھ کہنے کو لب کھولے مگر حمزہ کے الفاظ نے جیسے اس کی روشن صبح دوبارہ اندھیر کر دی. جو پہلی کرن آئی تھی وہ صدیوں کا سوگ لیے مڑ گئی. وہ ساکت سی اسے دیکھتی رہی.

"ڈو آئی نو یو مس؟" وہ اجنبیت سے بولا. 'میں مسز ہوں' وہ تصیح کرنا چاہتی تھی مگر بے یقینی سی بے یقینی تھی, وہ اسے دیکھتی رہی, دیکھتی رہی, یہاں تک کہ آنکھیں دھندلانے لگی. سامنے بیٹھے شخص کا عکس آنسوؤں میں جھلملانے لگا. اس کا تنفس تیز ہو گیا. وہ سرعت سے مڑی, موٹے موٹے آنسو گالوں سے لڑھکنے لگے, قدم کہیں

رکھتی وہ پڑ کہیں رہا تھا. اور پھر کھٹاک سے دروازہ کھلا اور بے آواز بند ہو تا گیا. وہ بند دروازے کو گھور تا رہا. نرس اس تکلیف دہ منظر کی گواہ بن گئ.

وہ اب تیز تیز قدم اٹھاتی راہداری میں آگے بڑھ رہی تھی. آنسو بدستور گرتے جارہے تھے, ساری رات کے جاگتی آنکھوں سے دیکھے خواب اس آدمی نے ایک لمحے میں چکنا چور کر دیے تھے. وہ اسے بھول گیا؟ حیا کو بھول گیا. اسے یقین نہیں آرہا تھا. شاید یہ اس کے اپنے کیے کی سزا تھی. اگر بے فضول بددعائیں دی جائیں تو وہ عرش سے ٹکرا کر دینے والے کو واپس آجاتی ہیں. دور اپنے بچپن سے باپ کی آواز آئی تھی. اس کی اپنی بددعائیں اس کا تعاقب کرتی آپہنچی تھیں. آنسوؤں کے گرنے کی رفتار بڑھ گئی, دل میرا تھن میں دوڑ تارہا, کان, ہاتھ اور ماتھا تپ تپ کر دھواں ہوتے رہے اور یک لخت دماغ ماؤف ہو گیا.

اب واپس ہسپتال کے کمرے میں دیکھیں تو وہ اب تک بند دروازے کو دیکھ رہا تھا. نرس اب دوسرے کندھے کی پٹی بدل رہی تھی.

" آپ ان کو نہیں جانتے؟" اس نے دوائی لگی روئی سے اس کے کندھے کو دبایا, وہ زخم کے درد سے کراہ کر ہوش میں آیا. سوالیہ نظروں سے نرس کو دیکھا.

" آپ ان کو نہیں جانتے؟ میں پچھلے تین دن سے ان کو دن رات یہاں بیٹھے دیکھ رہی ہوں. اور آپ ان کو نہیں جانتے؟" وہ اب کندھے پر پٹی کر رہی تھی. حمزہ نے آنکھیں سکیڑی, پھر بند دروازے کو دیکھا.

" آف کورس میں اسے جانتا ہوں. " وہ بڑبڑایا. نرس نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا. دونوں میاں بیوی پاگل ہیں؟

* *

جب اسے ہوش آیا تو اس نے خود کو حمزہ کے کمرے میں اس کے بیڈ پر لیٹے پایا. کسی عورت کی جانی پہچانی آواز کانوں میں پڑ رہی تھی. آواز کس کی تھی؟ وہ پہچان نہیں پا رہی تھی. تھوڑی دیر وہ یوں ہی لیٹی چھت کو گھورتی رہی, یہاں تک کہ حواس بحال ہو گئے. سب کچھ دوبارہ فلم کی ریل کی طرح نظروں کے سامنے چلنے لگا. ان آنکھوں میں اجنبیت تھی. اس کو اپنا دم گھٹتا محسوس ہوا.

وہ کہنیوں کو بیڈ پر ٹکائے اٹھی. صوفے کی طرف گردن گھمائی جہاں ردابہ فون پر بات کرتی دکھائی دی. حیا کو اٹھتے دیکھ کر انہوں نے فون بند کیا اور اس کی طرف آئی.

"کیسا محسوس کر رہی ہو؟" وہ بے چینی سے پوچھ رہی تھی.

"لاسٹ (کھوئی ہوئی). وہ مجھے نہیں پہچانتا. مسز ہارون. ہی مائیٹ ہیو لاسٹ ہز میموری" آنکھوں میں سرخ دھاریاں نمایاں ہونے لگی. اور آنکھیں ابلنے کو تھیں. جب ردابہ نے اس کی گود میں گرے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھاما. اس کے ہاتھ سرد تھے, بالکل برف!

" حیا! جب میں نے تمہیں اس گھر سے نکالا, مطلب انسٹیٹیوٹ بھیجا. "اس نے تصیح کی. "تو میں نے یہ ہی سوچا تھا کہ کچھ عرصے بعد تمہیں کسی بہانے یہاں بھیج دوں گی تا کہ تم حمزہ کو اس فیز سے نکال سکو. تب میں صرف حمزہ کی ماں بن کر سوچ رہی تھی مگر اب جب اس کے ساتھ زندگی گزارنے کا فیصلہ تمہارا اپنا ہے تو یاد رکھنا تم اکیلی نہیں ہو. اسلام آباد کا ردابہ نگر تمہارا میکہ ہے. "وہ اس کا ہاتھ دباتے دھیرے سے مسکرائی. پھر دوبارہ بولی. " مگر ردابہ تمہاری ساس ہے. " مسکراہٹ غائب ہو گئی. یہ کیا رشتہ بنا تھا. حیا کو سمجھ نہیں آیا.

"حمزہ سے لڑ کر تم اسلام آباد آ سکتی ہو. "وہ اب مسکراہٹ دبا رہی تھی. "لیکن اگر میرے بچے کو پریشان کیا نا.. " ردابہ نے تنبیہی انداز میں انگلی اٹھائی. "میں ساس کی طرح پیش آؤں گی. "انداز ہلکا پھلکا تھا. اور ساتھ ہی وہ سنجیدہ ہو گئی.

"حیا! حمزہ مینٹلی اَن سٹیبل ہے. ہی از مینٹلی ان ہیلتھی. "اس نے ٹھنڈی سانس لبوں سے خارج کی اور دوبارہ نگاہیں حیا کے چہرے پر مرکوز کر لیں.

"ہم اپنے بچوں کی جسمانی بیماریوں کا تو خیال رکھتے ہیں مگر ذہنی بیماری کو ہم معیوب سمجھتے ہیں, پاگل ہونا سمجھتے ہیں, ہر ذہنی مریض پاگل نہیں ہوتا حیا."

"بچے! تمہیں اس گھر میں حمزہ کے ساتھ نہیں اس کی عادات کے ساتھ رہنا ہے. تو پہلے اس کی نفسیات سمجھنے کی کوشش کرنا."

"بلکہ ہر لڑکی کو سائیکالوجی اتنی ضرور پڑھنی چاہیئے کہ اسے لوگوں کی نفسیات سمجھ آنے لگ جائے پھر وہ اپنے سسرال میں جا کر روبوٹ نہیں بنے گی بلکہ لوگوں کو ان کی نفسیات کے مطابق لے کر چلے گی. "حیا نے بس گردن ہلائی.

"ایک کہانی ہے, سنو گی؟ "حیا کو لگا وہ ڈاکٹر ہارون کا فی میل ورژن ہے. اس نے اثبات میں سر ہلایا.

"ایک آدمی کی دو بیویاں تھیں, ایک خوبصورت مگر سڑیل تھی اور دوسری شکل صورت کی بس ٹھیک تھی مگر اخلاق اور مزاج کی بہت اچھی تھی. تو اس آدمی کے کسی دوست نے پوچھا کہ 'یار تیری پہلی بیوی اتنی خوبصورت ہے تو اصولاً دوسری تمہیں اس سے بھی زیادہ خوبصورت لانی چاہیئے تھی. "اس نے حیا کے ہاتھ چھوڑے اور سیدھی ہو کر بیٹھ گئی.

"تو اس آدمی نے کہا یہ بات سچ ہے کہ پہلی میں نے خوبصورتی دیکھ کر سلیکٹ کی تھی مگر دوسری میں نے اخلاق, کردار دیکھ کر سلیکٹ کی وہ آسانیاں پیدا کرنے والی ہے. تو اس دوست نے پوچھا اس کی خاص بات کیا ہے؟ آدمی کہنے لگا اس کی نانی کی نصیحت بڑی خاص بات ہے. "ردابہ کی نظریں اب تک اس کے چہرے پر جمی تھیں.

"میری بیوی بتاتی ہے کہ جب وہ پیدا ہوئی تو اس کی نانی نے اسے گود میں اٹھایا اور کہا 'اللہ تمہیں فرشتہ دے.' وہ بڑی ہوتی گئی اور اس کی نانی اسے یہ ہی دعا دیتی رہی کہ بیٹی اللہ تمہیں فرشتہ دے. لڑکی کو شعور آنے لگا تو ایک دن اس نے اپنی نانی سے کہا, نانی فرشتہ تو کوئی نہیں ہوتا. تو بچے! اس لڑکی کی نانی نے بڑی خوبصورت بات کہی. اس نے کہا 'نہیں بیٹا! دو ہی چیزیں ہوتی ہیں یا فرشتے ہوتے ہیں یا حیوان ہوتے ہیں.' لڑکی حیران ہوئی کہ کیسے تو اس کی نانی کہنے لگی 'عورت جو ہوتی ہے نا وہ انسان کو حیوان بنا دیتی ہے, یہ اتنی ٹینشن دیتی ہے, اتنی فرسٹریشن بڑھا دیتی ہے کہ بندے کو ہارٹ اٹیک آجاتا ہے. اور میں تمہیں دعا دیتی ہوں کہ تمہارا اخلاق اتنا اچھا ہو کہ جو تمہیں ملے وہ فرشتہ بن جائے." ردابہ نے دوبارہ حیا کا ہاتھ تھاما.

"بچے عورت کے پاس کنوینسنگ پاور ہے, تبھی سگریٹ کے اشتہار میں بھی عورت کھڑی ہوتی ہے, اللہ نے اسے یہ صلاحیت دی ہے کہ وہ مرد کو فائٹر بنا دے, زندگی کی جنگ لڑوائے."

"اور یاد رکھنا عورت مین کو سپر مین بنا سکتی ہے." اب ردابہ دل کھول کر مسکرائی تھی. اور پھر مسکراہٹ سمٹی.

"حمزہ کو کسی کا سہارا نہیں, ساتھ چاہئیے. سہارا اسے میں دے سکتی تھی مگر ساتھ تم دے سکتی ہو." ہاتھوں پر گرفت اور بڑھ گئی.

"اور ہاں برداشت مت کرنا صبر کرنا کیوں کہ حکم صبر کا ہے." وہ مسکرائی اور حیا الجھی سی ان کو دیکھنے لگی. "اگر وہ

غصہ کرے, چیزیں ادھر ادھر پھینکے اس پر صبر کرنا لیکن اگر وہ تمہیں جسمانی نقصان پہنچائے یا کردار کشی کبھی کرے تو اسے برداشت مت کرنا."

"حیا نکاح وہ رشتہ ہے جس میں میاں, بیوی اور تیسرا اللہ ہے, دس شوڈبی یور پرائیویسی ود حمزہ! اگر پیار تم دونوں کے بیچ ہے نا تو لڑائی جھگڑے بھی اپنے تک رکھنا یہ ہی ایک مضبوط رشتے کی بنیاد ہے."

"اور ہاں بارش وہ ہی اچھی ہوتی ہے جس کے قطرے آرام آرام سے گریں, تیز بارش سیلاب لاتی ہے, زمینیں سیر اب نہیں کرتی. تو فوراً سے اسے بدلنے کی کوشش مت کرتا, آرام آرام سے آگے بڑھنا تاکہ اسے تمہاری, محبت, کیئر سب جزب کرنے کا وقت ملے, ورنہ تیزی سے گرنے والے قطرے ندی نالوں میں بہہ جاتے ہیں."

"ٹھیک ہے؟" اور حیا نے صرف اثبات میں سر ہلایا اور پھر الجھی ہوئی سی بولی.

"مسز ہارون وہ مجھے نہیں پہچانتا. اس کی میموری.." بات ادھوری رہ گئی, ردابہ نے اس کی بات کاٹ دی. اس کی میموری میں ٹھکانے لگاتی ہوں. بد تمیز لڑکا!" وہ خفا سی اٹھ کھڑی ہوئیں. حیا کو کچھ سمجھ نہیں آیا. ردابہ فون کان سے لگاتی باہر نکل گئی.

* *

باہر سورج زمین کو دہکا رہا تھا, مگر ہسپتال کے اس پرائیویٹ کمرے میں اے سی کی ٹھنڈک برقرار تھی. دروازہ کھول کر اندر جاؤ تو سامنے بیڈ پر حمزہ سرہانے سے اٹھے بیڈ پر ٹیک لگائے بیٹھا تھا, اس کے دائیں طرف شیری ڈش میں ایک باؤل رکھے وقفے وقفے سے چمچ حمزہ کے منہ تک لے جاتا, اور بائیں طرف پڑے اسٹول پر بیٹھی انیقہ دونوں ہاتھوں میں سیل فون لیے زرا کی زرا نظر اس پر ڈال لیتی. شیری کے پیچھے دیکھو تو دیوار کے پاس پڑے صوفے پر ردابہ ٹانگ پر ٹانگ جمائے حمزہ کو چبھتی نظروں سے دیکھ رہی تھی.

"شیری تم پریشان حال لگتے ہو." فون کو چہرے کے سامنے سے ہٹاتی انیقہ نے ایک نظر اس پر ڈالی.

"تم جیسی ڈائن جس کی زندگی میں ہو وہ پریشان حال ہی ہو گا." وہ تنک کر بولا. انیقہ نے ہنسی چھپانے کو فون دوبارہ چہرے کے سامنے کر لیا. وہ دوبارہ باؤل سے سوپ والی چمچ اٹھاتا حمزہ کے منہ تک لایا. جواب بغور اسے ہی دیکھ رہا تھا. اس نے منہ نہیں کھولا.

"شیری کچھ چھپا رہے ہو؟" حمزہ اسے کریدتی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا. کن اکھیوں سے وہ ردابہ کا بگڑا موڈ دیکھ سکتا تھا مگر وہ انجان بنا رہا. شیری نے چمچ والا ہاتھ نیچے گرایا, ایک دم ڈھیلا پڑا مگر پھر قدرے سنبھل کر بولا.

"میں کیوں کچھ چھپاؤں گا؟" آواز میں بے زاری تھی, وہ اب بے وجہ باؤل میں چمچ ہلا رہا تھا. حمزہ کی تسلی نہیں ہوئی.

"شیشہ دیکھا ہے؟ تمہاری آنکھوں کے نیچے حلقے بن رہے ہیں, تمہاری آنکھیں اندر کو دھنستی جا رہی ہیں. اور پھر تم کہہ رہے ہو کچھ نہیں چھپا رہے." وہ برہم تھا. تبھی ردابہ کا فون بجا اور وہ باہر نکل گئی.

"ہو سکتا..... ہے." انیقہ نے فون چہرے کے سامنے سے ہٹائے بغیر الفاظ کو کھینچ کر ادا کیا. "کسی لڑکی وڑکی کا چکر ہو. یو نو....." وہ آگے بھی کچھ کہنا چاہتی تھی مگر بات ادھوری رہ گئی.

"تم اپنی زبان بند رکھو گی؟" شیری تقریباً چلایا تھا. انیقہ نے ایک دم ڈر کر اسے دیکھا. ماحول میں سنگینی در آئی. انیقہ کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے.

"میں.. تو بس... مذاق..." الفاظ منہ میں ہی دم توڑنے لگے. وہ بڑے بڑے قدم اٹھاتی باہر چلی گئی. شیری نے آنکھیں سختی سے بند کر کے کھولیں. حمزہ کے تاثرات یک دم بدل گئے تھے. "یہ کیا بدتمیزی ہے شیری؟" وہ دبا دبا غرایا. "آئی ڈونٹ نو, میں اس کے ساتھ یوں نہیں بولنا چاہتا تھا." وہ کوئی جواب نہیں بنا پایا. حمزہ کی نظریں اس کے چہرے کی بے زاری پڑھنے کی کوشش کر رہی تھیں. کچھ تو بدلا تھا.

"میں اس سے سوری کر لوں گا." وہ دفعتاً اٹھا اور انیقہ کے پیچھے لپکا. تبھی ردابہ اندر داخل ہوئی. وہی سپاٹ سا بے چہرہ, جا کر صوفے کر بیٹھ گئی, نظریں اب بھی حمزہ کے چہرے پر جمی تھیں. حمزہ کا دماغ الجھا ہوا تھا.

کچھ لمحے خاموشی کی نظر ہو گئے, حمزہ سامنے دیوار کو گھورتا رہا اور ردابہ اسے. حمزہ کی برداشت جواب دینے لگی.

"کچھ کہنے آئی ہیں تو کہہ لیں." نظریں اب بھی دیوار پر تھیں. اور ردابہ کو تو جیسے یہ ہی انتظار تھا وہ اٹھ کر بیڈ کی طرف آئی. شیری کے چھوڑے اسٹول پر بیٹھ گئی. "تم نہیں جانتے وہ لڑکی کون ہے؟" وہ آنکھیں سکیڑے اسے

دیکھ رہی تھیں۔ "کون سی لڑکی؟" وہ انجان بنا رہا۔ "میں تھپڑ لگاؤں گی تمہیں اور تمہارا سارا میموری لاس ٹھیک ہو جائے گا۔" ردابہ نے دھمکی دینے کے ساتھ اس کے بازو پر تھپڑ جڑ بھی دیا تھا۔ حمزہ نے سنجیدگی سے گردن گھما کر اسے دیکھا۔ "میری زندگی میں کسی کی گنجائش نہیں ہے۔"

"میرا بچہ تم اکیلے رہ جاؤ گے۔" اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کے گال پر رکھا۔

"میں ہمیشہ اکیلا ہی رہا ہوں ماسی! مجھے عادت ہے۔" اس نے خفا سی نظر ردابہ پر ڈالی۔ جیسے کچھ یاد کروایا ہو۔

"حمزہ بھول جاؤ اس بات کو، اب اپنی زندگی میں آگے بڑھو۔" ردابہ نے اس کے چہرے پر رکھا ہاتھ گرا لیا۔

"آپ کو مجھے نہیں بتانا چاہئیے تھا کہ اسے آپ نے بھجوایا ہے؟" ردابہ کو اس سوال کی امید نہیں تھی وہ سٹپٹائی۔

"کس نے کہا تم سے۔۔حیا۔۔نے؟" وہ الجھ گئی تھی۔

"کم آن ماسی! میں نے اتنے سال پولیس میں، اور پھر پچھلے چار سال ایجنسی سے منسلک رہ کر یوں ہی نہیں گزار دیے۔ ہم لوگوں کو قبروں سے بھی ڈھونڈ نکالتے ہیں۔" آنکھوں میں سرخی اتر آئی۔

"اب عدالت لگا لو مجھ پر، جو کیا تمہارے لیے ہی کیا تھا، تم ہی اس سے تنگ تھے۔" ردابہ کو تو برا ہی لگ گیا تھا۔

"تو اب کیوں لائی ہیں؟" وہ بے تاثر سا دیوار کو گھورتا کہہ رہا تھا۔

"وہ یہاں رہنا چاہتی ہے۔" ردابہ نے آہستہ سے کہا۔

"اوکے! جس کو جہاں رہنا ہے رہے، مگر میرے سے دور رہے۔" وہ حتمی انداز میں بولا۔ چلو مسئلہ حل ہو گیا تھا چاہے جیسے بھی سہی۔ وہ جانتی تھی اس سب کے پیچھے ناراضگی صرف ہارون سے ہے۔ اور باقی اس قہر کی زد میں ہیں۔

****

اگلے دو دن سست اور بے زار سے گزرے۔ حیا نے خود کو حمزہ کے کمرے میں قید رکھا اور حمزہ اپنے ڈسچارج ہونے کا انتظار کرتا رہا۔ ڈاکٹر ہارون ایک دو کام نمٹا کر پہلے ہی اسلام آباد جا چکے تھے، جنت کی چھٹی بھی اس کے ساتھ ہی ختم

ہو گئی تھی. باقی رہ گئے ردابہ اور انیقہ تو حمزہ کی حالت سنبھل چکی تھی وہ بھی آج صبح ہی اسلام آباد کے لیے نکل گئے تھے.

مغرب کے بعد حمزہ کو ڈسچارج ہو کر گھر آنا تھا اور پانچ دن بعد آج شیری نے اس گھر میں قدم رکھا تھا. وہ سیڑھیاں پھلانگتا اوپر آیا, حمزہ کے کمرے میں داخل ہوا پر وہاں تو وبال مچا تھا, پورا کمرہ بکھرا پڑا تھا اور حیا دوپٹہ کندھے سے اپنی کمر پر باندھے اس کی سیف میں جھکی تھی.

"یہ کیا حال کر رکھا ہے آپ نے کمرے کا؟ حمزہ بھائی دیکھیں گے تو جان لے لیں گے." وہ واقعی پریشان نظر آنے لگ گیا تھا. حیا چونک کر سیدھی ہوئی اور پھر بھنوؤں کو سکیڑتی اس کی طرف آئی. "تمہارے بھائی کو تو میں بعد میں دیکھ لوں گی, پہلے تم بتاؤ زرا." سینے پر ہاتھ باندھے اب وہ اس کے سامنے کھڑی تھی.

"تم نے مجھ سے کہا تھا حمزہ میرا پوچھ رہا تھا." وہ نظریں اس کی آنکھوں پر جمائے ہوئی تھی. "مگر جب میں اندر گئی تو اس نے مجھے پہچاننے سے بھی انکار کر دیا." آخری الفاظ اس نے دانت پیستے ہوئے کہے تھے. بے اختیار شیری کا ایک ہاتھ بالوں میں گیا. اور سر کھجاتے وہ پر سوچ انداز میں بولا. "آپ باہر بیٹھی تھیں, مجھے اچھا نہیں لگا تو.. میں.. نے.. جھوٹ کہا تھا." وہ رک رک کر بولا. حیا نے ایک ٹھنڈی سانس لبوں سے خارج کی اور واپس سیف کی طرف مڑ گئی.

"دونوں بھائی ایک جیسے ہیں. جھوٹے!" وہ بڑبڑائی. شیری کے کانوں تک اس کی آواز نہیں گئی تھی. ورنہ وہ احتجاج ضرور کرتا.

"حمزہ بھائی کی شرٹ دے دیں. شام کو وہ گھر آ رہے ہیں." وہ اب بھی دروازے میں کھڑا تھا.

ہونہہ۔ حیانے برہم سی نظر شیری پر ڈالی اور سیف کے اوپر والے پورشن سے اس کی شرٹس دیکھنے لگی۔ وہ واپس مڑی تو اس کے ہاتھ میں ایک سیاہ ٹی شرٹ اور سیاہ جینز تھی۔ حمزہ کے کندھوں کے زخموں کی مناسبت سے اس نے کھلے گلے کی ٹی شرٹ نکالی تھی۔

"نائس چوائس بھابھی۔" شیری نے شرٹ تھامتے اسے سراہا۔ باہر گیا اور پھر واپس آیا۔ "بائے دی وے! حمزہ بھائی آپ کو پہچانتے نہیں، تو آپ کیا کریں گی اب؟" اس کے ذہن میں آیا تو وہ پوچھنے واپس آیا تھا۔ "اسے میں بتاؤں گی کہ حیا کون ہے، اور ایسا بتاؤں گی کہ وہ ساری زندگی نہیں بھولے گا۔" وہ گردن تان کر کھڑی تھی۔ شیری کے لب بے اختیار گہری مسکراہٹ میں ڈھلے۔

"مزہ آئے گا۔" اس نے بائیں آنکھ دبائی۔

"بہت مزہ آئے گا۔" حیانے شیطانی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔ دونوں کا ایک ساتھ لگایا قہقہہ گھٹن زدہ ماحول کا تناؤ کم کر گیا۔

* *

عشاء کی نماز پڑھ کر وہ کچن میں آگئی تھی۔ جہاں بی اماں مزے مزے کے کھانے بنانے میں مصروف تھیں۔ شیری، شیر وان اور زویان حمزہ کو گھر لانے کے لیے نکلے تھے علی اور باقی لوگ اس کے استقبال کو گھر پر موجود تھے۔ سمایا اس وقت حیا کے ساتھ کچن میں کھڑی تھی اور وہ اس سے گزرے دنوں کا احوال سن رہی تھی۔ بریانی، قورمے اور تکوں کی مہک پورے لاؤنج میں پھیلی ہوئی تھی۔ دفعتاً علی کی آواز پر سمایا باہر نکلی اور حیا کچن کے ریکٹینگل سے، جس سے لاؤنج کا منظر واضح ہوتا تھا، باہر دیکھنے لگی۔

سیاہ شرٹ اور جینز میں ملبوس وہ نقاہت سے قدم اٹھاتا اندر داخل ہوا تھا۔

"بھائی, بھائی, بھائی." علی اس کی طرف بڑھا اور اس کے گرد بازو لپیٹتے گلے لگایا. حمزہ کے زخم کافی بہتر تھے, جواباً اس نے بھی علی کے گرد بازو لپیٹے. علی نے پیچھے ہوتے ہوئے عادتاً ایک مکا اس کے بائیں کندھے سے نیچے سینے پر مارا اور وہ درد سے کراہا.

"جاہل انسان اب یہ واقعی درد کرتا ہے." اس نے دبا دبا سا احتجاج کیا. علی نے مسکراتے ہوئے دونوں ہاتھ اٹھا کر معذرت کی اور سب وہیں لاؤنج میں محفل سجا کر بیٹھ گئے.

اب اگر کھڑکی سے دیکھو تو حیا سفید شلوار, قمیص میں ملبوس کھڑی تھی, سیاہ دوپٹہ گلے سے لگا تھا اور سیدھے لمبے بال کمر کو چھو رہے تھے. ہلکے میک اپ کے ساتھ بھی وہ کافی سجی سنوری لگ رہی تھی. شاید عرصے بعد تیار ہوئی تھی اسی لیے!

وہ ٹانگ پر ٹانگ جمائے لیٹنے کے سے انداز میں صوفے پر نیم دراز تھا.

"جوس لے لیں." نسوانی آواز پر اس نے چونک کر آنکھیں کھولیں وہ شیشے کا گلاس چھوٹی ڈش میں رکھے معصومیت سے مسکراتے اسے ہی دیکھ رہی تھی. حمزہ نے اپنی پھیلی ٹانگیں سمیٹی اور تھوڑا سنبھل کر بیٹھ گیا. وہ خوبصورت لگ رہی تھی. یہ پہلا خیال تھا جو اسے آیا, اس نے فوراً اس کے چہرے سے نظریں ہٹائیں, پھر ایک نظر لاؤنج میں بیٹھے لوگوں پر ڈالی جو اب اسے ہی دیکھ رہے تھے. حمزہ نے ہاتھ بڑھا کر گلاس اٹھایا, دو گھونٹ بھرے اور آنکھوں پر آنکھیں جمائے گلاس واپس رکھ دیا. اس کی آنکھوں میں بے نیازی تھی اور سامنے آنکھوں میں محبت, احساس, اور اعتماد تھا. وہ مڑنے لگی تو علی کی آواز اسے سنائی دی.

"حیا ایک گلاس پانی پلیز!" اور چند سیکنڈ بعد وہ گلاس علی کو تھما رہی تھی. پھر گلاس واپس لیتے ہوتے وہ نرمی سے اس سے مخاطب ہوئی.

"علی بھائی! آپ مجھے حیا بھی کہہ سکتے ہیں, لیکن اگر آپ مجھے بھابھی کہیں گے." زرا کی زرا نظر ٹی وی کا چینل بدلتے حمزہ پر ڈالی جس کے کان ادھر ہی تھے, "تو مجھے بہت اچھا لگے گا." علی نے مسکراہٹ دباتے بمشکل کہا. "ضرور حیا بھابھی!"

اور حیا بھابھی اعتماد سے سر اٹھائے, حمزہ بھائی کے سامنے سے گزرتی کچن میں غائب ہو گئی.

****

کھانے کا میز سج چکا تھا, سربراہی کرسی پر حمزہ گود میں نیپکن پھیلائے بیٹھا تھا, اس کے دائیں طرف شیری اور بائیں طرف کی کرسی خالی تھی, پھر آگے سمایا, زویان, علی اور شیروان بیٹھے تھے.

"مجھے تو یہ سب دیکھ دیکھ کر بھوک لگ رہی ہے." علی نے ہاتھ ملتے میز پر دیکھا.

"میں نے حمزہ صاحب کی پسند کا کھانا بنایا ہے." بی اماں برتن سیٹ کرتی پر جوش سی بولیں. کھانا شروع ہو گیا. حمزہ اپنی پلیٹ میں قورمہ ڈال رہا تھا جب سفید جوڑا زیب تن کیے حیا کچن سے برآمد ہوئی.

"آپ کو ڈاکٹر نے سپائسی کھانے سے منع کیا ہے." وہ اب اس کے سر پر کھڑی مسکراتی ہوئی کہہ رہی تھی. "آپ کے لیے میں نے الگ کھانا بنایا ہے." اس حمزہ کے سامنے سے قورمے کی پلیٹ اٹھالی. اور حمزہ جبڑے بھینچے اسے دیکھتا رہا.

"ووہو! چشمِ بد دور! چشمِ بد دور!"

"واؤ"

"لکی حمزہ سر!"

آوازیں سنائی دیں. اور حمزہ نے بےزاری سے ان پر ترش نظر ڈالی. وہ کوشش کر رہا تھا کہ حیا کو جواب نہ ہی دے. تو ویہ چپ رہا.

"کیابات ہے بھابھی! کھانے وانے!ہاں؟"شیری جس کی پلیٹ اب تک خالی تھی ایک مشکوک مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا. جواباً مسکراہٹ دباتے حیانے کندھے اچکائے. "میں نے دلیہ اور کھچڑی بنائی ہے" وہ اب جھک کر اس کے سامنے دو باؤل رکھ رہی تھی.

"اوہ"اب کہ افسوس کیا گیا.

"پوور حمزہ بھائی. "شیری نے پلیٹ میں بریانی ڈالتے کہا.

حمزہ کا ہاتھ اپنی کنپٹی مسل رہا تھا. اور نظریں حیا کے حرکت کرتے ہاتھوں پر تھی. "ڈاکٹر کی ہدایات کے مطابق آپ کے کھانے اور دوائیوں کا خیال میں رکھتی رہوں گی. اینڈ یو آر ویلکم!حیانے سر کو خم دے کر نہ کہے گئے شکریہ کا جواب دیا. حمزہ نے اچنبھے سے اسے دیکھا.(زیادہ ہی نہیں بول رہی؟) پھر سر جھٹک کر باؤل ہاتھ سے پرے ہٹایا.

" آئی ڈونٹ وانٹ ٹو ایٹ آل دس" وہ ہاتھ بڑھا کر قورمہ پکڑنے لگا تھا جب شیری نے زور سے چمچ پلیٹ میں مارا.

"اتنے سال ہو گئے ہیں آپکو کھانا بناتے لیکن مجال ہے کبھی ڈھنگ کا کھانا بنایا ہو" مخاطب بی اماں تھی. سب ہونقوں کی طرح اس کی شکل دیکھ رہے تھے. حمزہ کا بڑھتا ہاتھ رک گیا. چہرے پر سختی در آئی.

"شیری! یہ کیا طریقہ ہے بڑوں سے بات کرنے کا. "مگر شیری نے اس کو نظر انداز کر دیا تھا.

" آپ عورتوں سے بہتر وہ.. وہ کھسرے اچھا کھانا بنا لیتے ہیں. کم از کم کھانے کو دل تو کرتا تھا. "وہ اب کھڑا ہو گیا تھا. حمزہ کے ہاتھ کی رگیں پھولنے لگی تھیں. شیری کو یہ کیا ہو گیا ہے. غصے کی جگہ پریشانی نے لے لی تھی.

"کم آن شیری!میں نے وہ کھانا کھایا ہے انتہائی فضول ہوتا تھا. "شیروان نے مذاق اڑانے سے کے انداز میں کہا.

شیری کی انگلی شیروان کی طرف اٹھی. "اپنا منہ بندر کھو. "اس کی ہوا میں اٹھی انگلی لرز رہی تھی. ماتھا پسینے سے تر تھا. حمزہ کی طرف سے دیکھو تو اس کا پورا جسم کپکپا رہا تھا. حمزہ میز کا سہارا لیتے کھڑا ہونے لگا اور پھر کراہ کر کرسی پر

گر گیا. حیا اس کی طرف بڑھی اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا, حمزہ کا ہاتھ اب کندھے کے نیچے سینے پر تھا. شیری اس کی طرف مڑا اور دوبارہ اٹھتے حمزہ کی طرف ہاتھ اٹھایا. "بیٹھ جائیں آپ, مجھے کوئی لیکچر نہیں سننا. "لہجہ تلخ تھا.
" کھانا بھی ڈھنگ کا نہیں دے سکتے. "بڑبڑاتا وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا. علی اس کے پیچھے جانے کو کھڑا ہوا مگر حمزہ نے اسے روک دیا. "میں بعد میں اس سے بات کرلوں گا, فی الحال اسے اس کے حال پر چھوڑ دو. "اس نے ایک نظر حیا کو دیکھا جو اس کو کندھے سے پکڑے ہوئی تھی وہ پیچھے کو اپنی کرسی پر بیٹھ گئی. اور پھر خاموشی سے کھانا ختم کیا گیا اور سب اپنے گھروں کو نکل گئے.

****

گیارہ بجے تمام کام نمٹا کر وہ اوپر سیڑھیوں کی طرف بڑھی نظر حمزہ کے کمرے پر تھی, جس کے پیچھے وہ غالباً حیا کا انتظار کر رہا تھا. (یہ حیا کا خیال تھا) وہ کمرے کے سامنے جا کر کھڑی ہوئی گہر ا سانس اندر کو کھینچا. دو دن کی گئی اپنی پلاننگ کو ایک لمحے میں دہرایا. اور دھڑکتے دل کے ساتھ دروازہ کھولا, منظر واضح ہوا, کمرے میں زرد روشنی تھی, آنکھیں سکیڑ کر دیکھو تو حمزہ بیڈ پر سنگھار میز کی طرف کمر کے بل سیدھا لیٹا تھا, آنکھوں پر بازو دھرا تھا, اب اس کے نیچے آنکھیں کھولی تھیں یا بند وہ جان نہیں پائی. چھوٹے اور محتاط قدم اٹھاتی وہ سنگھار میز کے سامنے پڑے اسٹول پر جا بیٹھی جس میں سے اب حمزہ کا ایک رخ نیم تاریکی میں نظر آرہا تھا. وہی سیاہ شرٹ جس کا گلہ آگے سے کھلا تھا. شیو پہلے سے بڑھی ہوئی تھی, وہ بظاہر سوتا ہوا لگتا تھا. حیا نے ہلکے سے کنکھارا.
"ویلکم بیک ٹو دی ہوم مسٹر حمزہ!" اور مسٹر حمزہ اپنی جگہ سے ہلے بھی نہیں. "مجھے پتا ہے تم جاگ رہے ہو. "لاؤنج میں بیٹھا عزت دار 'آپ' کر کے مخاطب کیا جانے والا شوہر اب 'تم' ہو گیا تھا.

"ٹڈیاں بھی بولنے لگ گئی ہیں۔" وہ بڑبڑایا۔ آواز حیا کو سنائی دی مگر کیا بولا تھا وہ غور کرتی رہی۔ پھر چپکے سے اٹھی اور حمزہ کے دوسری طرف پڑے خالی بیڈ پر دھپ سے بیٹھ گئی۔ حمزہ نے فوراً آنکھوں سے بازو ہٹایا، بھوری چھوٹی آنکھوں نے گھور کر حیا کو دیکھا جو بظاہر بے نیازی سے اپنے فون پر جھک گئی تھی۔

"تم۔۔" ایک کہنی بیڈ پر ٹکائے دوسرے ہاتھ کی انگلی اس کی طرف اٹھائی۔ مگر زخم تازہ تھا بیڈ پر پڑی کہنی وزن برداشت نہیں کر سکی اور وہ کراہ کے رہ گیا۔

"جب نہیں ہوتا تو کیوں خود کو زحمت دیتے ہو۔" جھٹکے سے حمزہ کی طرف مڑی، بال پھسل کر حمزہ کے گالوں کو چھو رہے تھے، تھوڑا آگے جھکی۔ اور زور دے کر جملہ مکمل کیا "ڈئیر۔۔ حمزہ۔۔۔ سر!" اندر اس کا اپنا دل دھک دھک کر رہا تھا، مگر وہ مسکراتی رہی، کچھ لمحے یوں ہی آنکھوں ہی آنکھوں میں گزر گئے، حمزہ کا اپنا دل بے ترتیب ہونے لگا تھا، وہ اس کے پاس تھی۔ بالکل سامنے۔ اس پر جھکی ہوئی۔ اس نے بیڈ کو مضبوطی سے تھاما اور اس سے پہلے کہ وہ کوئی ردِ عمل دیتا دروازے پر دستک ہوئی، حیا بجلی کی سی تیزی سے سیدھی ہو کر بیٹھ گئی، حمزہ کا اٹھتا ہاتھ دوبارہ بیڈ پر گر گیا۔

دروازہ کھلا، شیری اندر داخل ہوا۔ بال گیلے تھے وہ شاید نہا کر آیا تھا اور پہلے سے بہتر دکھ رہا تھا۔

"میں اندر آجاؤں؟" وہ اندر کھڑا ہی پوچھ رہا تھا۔ حمزہ نے آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔ "تم اندر ہی کھڑے ہو لڑکے" شیری کے پاس سے گزرتی حیا نے اسے یاد دلایا۔ اور وہ جھینپ کر اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگا۔ حیا سنگھار میز کے سامنے پڑے اسٹول پر جا بیٹھی اور شیری حمزہ کے پیروں میں دوسری طرف پڑی خالی جگہ پر بیٹھ گیا۔

"بھابھی آپ نے بلایا تھا مجھے؟" حمزہ سے ڈرتے اس نے حیا کو بیچ میں گھسیٹا۔ اور وہ 'سیریسلی؟' والی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ چند لمحے اشاروں میں منت کی گئی اور حیا نے کنکھار کر حمزہ کو مخاطب کیا۔

"آجی سنیں آپ کا بھائی آپ سے بات کرنا چاہتا ہے۔" اپنی مسکراہٹ چھپاتے وہ قدرے سنجیدگی سے بولی۔ اور آجی نے بازو آنکھوں سے ہٹا کر اسے گھورا۔ (ٹڈی)

ااسے پہلے کہ وہ چند اور منٹ حیا کو سخت ست سنانے مین گزار تا (اپنے خیالوں میں) شیر ی بول پڑا.

"آئی ایم سوری بھائی." وہ اب سر جھکا کر بیٹھا تھا. حمزہ نے اوپر ہوتے بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگائی.

"میں جان سکتا ہوں یہ تمہارے رویے کی وجہ کیا ہے؟"حمزہ کی آنکھوں میں پریشان سی خفگی تھی.

"میں نہیں جانتا." تین لفظوں میں جواب آیا. حیا شیشے میں ان کے عکس دیکھ سکتی تھی.

"مجھے اس کھانے سے الٹی آتی ہے. میرے اندر کچھ ہے. جو مجھے سکون نہیں لینے دیتا." آواز میں بے بسی در آئی.

"اور کیا ہے تمہارے اندر؟"حمزہ مضطرب نظر آنے لگا تھا. شیر ی نے ایک نظر حیا کو دیکھا, حمزہ نے بھی نظر اس کی طرف گھمائی. اس کی پشت تھی اس طرف.

"میں نہیں سن رہی. "کانوں سے ٹاپس اتارتی وہ بولی اور شیر ی نے سر جھٹکا. "نہیں جانتا کیا ہے."

"تم مجھ پر بھروسہ کر سکتے ہو. "حمزہ کی آواز اسے دور سے آتی سنائی دی.

"آپ پر ہی تو بھروسہ ہے. "وہ سرک کر آگے آگیا تھا حمزہ کے پاس. اور سر اس کے سینے پر گرا دیا تھا.

"میں ٹھیک نہیں ہوں حمزہ بھائی. "وہ سامنے لگے ٹی وی کی سیاہ اسکرین کو دیکھتے کہہ رہا تھا.

"یار پتا تو چلے کیا ہوا ہے. کیا مسئلہ ہے؟ کیوں ٹھیک نہیں ہو تم؟"وہ اس کی کمر تھپک رہا تھا. حیا دونوں ہاتھ گود میں گرائے, شیشے میں ان کا عکس دیکھتی رہی. خون کا رشتہ نہیں تھا مگر سگے بھائیوں سے بڑھ کر تھا.

"سمایا نے کہا ہے کہ صبح ڈاکٹر کے پاس جائیں گے. شاید کچھ پتا چل سکے. "وہ اب حمزہ سے الگ ہو رہا تھا. زرد روشنی میں شیر ی کا رنگ اور زرد دکھ رہا تھا.

"ہاں ٹھیک ہے, تم فکر نہیں کرو, میں تمہیں کچھ نہیں ہونے دوں گا. ہاں؟"وہ اس کے گال پر ہاتھ رکھے اسے یقین دلا رہا تھا. شیر ی اس کے ہاتھ کو دباتا کھڑا ہو گیا. ابھی وہ دروازے تک گیا تھا کہ واپس مڑا. اف! اس کی یہ جاتے جاتے مڑنے کی عادت.

"اینڈ سوری حیابھابھی! میں نے آپ لوگوں کا مومنٹ سپائل کر دیا۔" سنجیدہ سا کہہ کر وہ دروازہ بند کرتا باہر نکل گیا۔ حیانے ہاتھ منہ پر رکھ کر مسکراہٹ چھپائی۔ حمزہ کا رنگ فق ہوا تھا۔ مگر وہ ڈھٹائی سے یوں ہی بیٹھا دروازے کو دیکھتا رہا۔ اور اب وہ سمایا کو میسج کر رہا تھا۔

"ڈاکٹر کی رپورٹ مجھے ای میل کر دینا۔" دوسری طرف سے فوراً جواب آیا تھا۔ "اوکے سر!"

حیا کپڑے تبدیل کر کے حمزہ کے مخالف سمت بیڈ پر بیٹھی موسچرائزر سے ہاتھ مل رہی تھی۔ حمزہ شیری کی حالت کے مطابق متوقع بیماریوں کا اندازہ لگا رہا تھا جب اس نے حیا کو تکیہ سیٹ کرتے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگاتے دیکھا۔ اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

"وہ صوفہ تمہارے لیے ہے۔" اس نے حیا کو صوفے کا رخ دکھایا۔ "یہ میرا کمرہ ہے۔" حیانے بند آنکھوں سے کہا۔

"یہ میرا... کمرہ... ہے۔" حمزہ نے چبا کر کہا۔

"اتنا شوق ہے تو خود جا کر صوفے پر.." وہ احتجاج کرتی سیدھی ہوئی مگر اس کا بازو حمزہ کی گرفت میں آچکا تھا۔ "ایک بار کہی بات تمہیں سمجھ نہیں آتی؟" وہ اس سے چند انچ دور تھا۔ حیا کی سانس تھم گئی۔ گلے میں گلٹی ڈوب کر ابھری، وہ جانتی تھی اس کی ہر پلاننگ اس ایک لمحے آکر غارت ہو جانی تھی، اور وہ لمحہ آن پہنچا تھا۔ حمزہ کی آنکھیں اس پر جمی تھیں۔ وہ خود اس کی خالی آنکھوں میں گم ہونے لگا تھا اور یکا یک حیانے فیصلہ لیا، اسے حمزہ سے ڈرنا نہیں تھا۔ بالکل نہیں ڈرنا تھا۔ دھڑکتے دل کے ساتھ اس نے دونوں بازو حمزہ کی گردن میں حمائل کیے، لبوں کو زبردستی کھینچ کر مسکرائی، "غصہ کرتے تم اور بھی پیارے لگتے ہو۔" وہ مسکائی اور حمزہ اس ناگہانی آفت پر کرنٹ کھا کر پیچھے ہوا۔ سیاہ شرٹ کو گردن سے پکڑ کر اوپر کو کھینچا۔ "کیا بے ہودگی ہے۔" وہ شعلہ بار آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا اور وہ مسکراہٹ دبائے اس کی حالت سے محفوظ ہو رہی تھی مگر گزرے لمحے کی کپکپاہٹ ابھی تک باقی تھی۔ وہ ہاتھوں کو

پیچھے کیے آپس میں رگڑ رہی تھی. حیا کا پلڑا بھاری ہو گیا تھا. اب وہ کہاں سوتی ہے کہاں نہیں, حمزہ نے دوبارہ تذکرہ نہیں کیا اور منہ پھیر کر لیٹ گیا.

****

دونوں کی رات یوں ہی اس ایک لمحے میں مقید ہو گئی تھی. حمزہ کبھی شیری کے بدلتے رویے کے بارے میں سوچنے لگتا اور پھر سوچ بھٹکتے ہوئے بیڈ کے دوسری طرف لیٹی حیا پر آرکتی. اچھی بھلی چلی گئی تھی اب آئی اور دوبارہ اس کے حواسوں پر چھانے لگی تھی.

دوسری طرف حیا تو ہوا میں تھی. اس نے حمزہ کو چاروں شانے چت کیا تھا. (آیا بڑا)

رات لمحہ بہ لمحہ سرکتی رہی. سیاہ آسمان چھپ گیا اور صبح کی سفیدی پر سورج کی لالی ابھرنے لگی, حیا بیڈ سے اٹھی, حمزہ کو دیکھا, وہ زیادہ دیر کندھے پر وزن نہیں ڈال سکتا تھا. تو اب اوپر چھت کی سمت منہ کیے سویا پڑا تھا. وہ کچھ دیر یوں ہی اسے دیکھتی رہی. رات کا منظر آنکھوں کے سامنے لہرایا, لب مسکراہٹ میں ڈھلے, اور بے اختیار ہونٹوں سے پھسلا. "پیارا لڑکا."

اپنے الفاظ پر وہ چونکی. اور محفوظ سی ہوتی دروازے کی طرف بڑھی, ہینڈل گھما کر پیچھے کو کھینچا وہ نہیں کھلا. ایک بار, دوبار مگر وہ نہیں کھلا. اسے وہ پہلی رات یاد آئی جب وہ دروازہ نہیں کھول سکی تھی اور حمزہ کے ہینڈل گھماتے ہی دروازہ کھلتا چلا گیا تھا. پرانی حیا ہوتی تو ڈر جاتی مگر اب کے اس کے پاس اعتماد تھا اور اپنی بیڈ پر پڑی غافل محبت پر بھروسہ تھا سو وہ واپس مڑی اور اسے بازو سے ہلایا. وہ نہین ہلا تو زور سے ہلا کر بولی.

"اٹھو, مجھے یہ دروازہ کھول کر دو. "محبت سوتی بنی رہی تو حیا نے ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ کر دبایا اور وہ کراہ کر اٹھا.

"بے غیر..." گالی اس کے منہ میں ہی رہ گئی. وہ آنکھیں پھاڑے سامنے کھڑی تھی. اور وہ ناگواری سے منہ میں کچھ بڑبڑاتا دوبارہ آنکھیں موند کر لیٹ گیا.

"یہ دروازہ کھول کے دو۔" وہ قریباً چلائی اور حمزہ نے فٹ سے بازو آنکھوں سے گرایا۔ آنکھوں میں پہلی سی ناگواری نہیں تھی، چمک تھی فاتحانہ چمک۔

"دروازہ کھولنا کوئی راکٹ سائنس نہیں ہے۔ خود کھول لو۔" برا سامنہ بناتے وہ منہ پھیر گیا۔

"سمارٹ نہیں بنو۔ کھولو یہ۔" وہ دونوں ہاتھ کمر پر رکھے کھڑی تھی۔ اور وہ ازل کا بے نیاز ڈھیٹ بن کر لیٹا رہا۔ جب وہ نہیں اٹھا تو حیا ٹانگ پر ٹانگ جمائے اسٹول پر بیٹھ گئی۔

"ہم تم ایک کمرے میں بند ہوں۔" پھر ایک نظر حمزہ پر ڈالی۔ "اور چابی کھو جائے۔" وہ آنکھیں گھماتی اونچا گنگنا رہی تھی۔ حمزہ کو تو گویا لگ گئی تھی۔ ایک لمحے میں دماغ نے مسافت کی اور رات کا منظر دماغ کے نہاں خانے میں نظر آیا۔

وہ کہنیوں کے بل اٹھا اسے گھورا اور شرٹ ٹھیک کرتا دروازے تک آیا، "یہ آخری بار ہے" گھوم کر انگلی اٹھائی، وہ اب دروازہ کھولے اسے باہر کا رستہ دکھا رہا تھا۔

"شکریہ مسٹر ہسبنڈ" اس کے پاس سے گزرتے اس نے سر کو خم دیا۔ (آیا بڑا)

اس کے پیچھے کھٹاک سے دروازہ بند ہوا۔ (ٹڈی)

****

حیا کو کمرے سے نکال کر وہ دوبارہ سو گیا تھا پھر اس کی آنکھ گیارہ بجے کھلی، کچھ دیر وہ یوں ہی بیڈ پر لیٹا چھت کو دیکھتا رہا، سائڈ ٹیبل سے فون اٹھایا اور ایک پیغام سمایا کے نام چھوڑا۔

"ڈاکٹر سے کہنا رپورٹ ڈائریکٹ مجھے میل کرے، آئی وانٹ ٹو ہینڈل دس میٹر مائی سیلف۔"

اور پھر فون دوبارہ ٹیبل پر ڈال دیا۔ زخم ابھی مندمل نہیں ہوئے تھے، کندھے اکڑے پڑے تھے۔ بمشکل اٹھتا وہ سیڑھیاں پھلانگتا نیچے آیا۔ اور کچن کی ریکٹینگل ونڈو سے اندر جھانکا۔ جہاں سے کچن کا بس ایک رخ واضح ہوتا تھا، جب کہ اندر سے باآسانی پورا لاؤنج دیکھا جا سکتا تھا۔

"بی اماں!کافی ہی دے دیں. " کہہ کر اس نے رخ پھیرا اور پھر دوبارہ بجلی کی سی تیزی سے کچن کی طرف مڑا. حیا کافی کا مگ کاؤنٹر پر رکھ کر مڑ رہی تھی. بھوری آنکھوں کو سکیڑ کر کچن کو اسکین کیا گیا. اور پھر وہ اس کو نظر انداز کرتے آواز دی.

"بی اماں!کافی میں آپ کے ہاتھ کی بنی لوں گا. "وہ مڑ گیا. اندر سے کوئی اعتراض نہیں کیا گیا. تھوڑی دیر بعد وہ لاؤنج میں تھا, جب حیا کچن سے نمودار ہوئی, بال جوڑے کی طرح اوپر بندھے دے, جس میں سے لٹیں نکل کر اس کے چہرے اور گردن کو چھو رہی تھیں. حمزہ نے کن اکھیوں سے دیکھا وہ کافی کا مگ پکڑے اسی طرف آ رہی تھی.

'ہونہہ. اس کے ہاتھ کی کافی تو میں نہیں لوں گا. 'اس نے سوچا اور پھر اس کی وہاں آمد سے انجان بنتے ٹی وی پر نظریں مرکوز کر لی. حیا اب اس کے بالکل پاس آ گئی تھی حمزہ نے ایک گہرا سانس لیا اور کچھ کہنے کو لب کھولے مگر اس سے پہلے ہی وہ اس کے پاس سے گزر کر دوسری طرف اس کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئی. ٹانگ پر ٹانگ جمائی. اور کافی کا مگ لبوں سے لگایا. پھر مسکرا کر حمزہ کو دیکھا اور سر کو خم دیا, حمزہ دانتوں پر دانت جمائے اپنی خوش فہمیوں پر لعنت بھیج رہا تھا اور رہ رہ کر اسے غصہ حیا پر آ رہا تھا. (ٹڈی نہ ہو تو)

"بی اماں!میری کافی لے آئیں اب آپ" وہ جھلا کر بولا. مگر کچن خاموش رہا. یہاں حیا کے ساتھ بیٹھ کر وہ اور برا محسوس نہیں کر سکتا تھا. اٹھ کر کچن کی طرف جانے لگا اور پھر حیا کی آواز پر چونک کر مڑا.

"بی اماں چھٹی پر ہیں. "وہ اپنے مگ پر جھکی تھی.

"کیا مطلب چھٹی پر ہیں؟ کس سے پوچھ کر؟ "حمزہ ناسمجھی کے عالم میں اسے دیکھ رہا تھا.

"اس گھر کی مالکن سے پوچھ کر. "اس نے بے نیازی سے کندھے اچکائے.

"ہو دی ہیل مالکن؟ "وہ گلے کے بل چلایا, حمزہ کا منہ حلق تک کڑوا ہو گیا تھا. آنکھیں شعلے برسانے لگی تھیں. حیا سہم گئی, پھر خود کو کمپوز کرنے لگی.

"آئی.. آئی ایم دی مالکن." وہ اٹک اٹک کر بولی. اور حمزہ نے جھپٹ کر اسے بازو سے پکڑا اور ایک گھٹنہ صوفے پر موڑتے حیا کے اوپر جھکا.

"تم اس گھر کے فیصلے نہیں لے سکتی ہو. میں چپ ہوں اسے میری کمزوری مت سمجھو, میں کتنا برا ہو سکتا ہوں, تمہیں یاد ہو گا." انگلیاں بازوؤں میں دھنستی جا رہی تھیں. اور تکلیف سے حیا کی آنکھیں آنسوؤں سے بھرنے لگی تھیں.

"حمزہ. تم نے مجھ سے نکاح کیوں کیا تھا؟" خود کو چھڑوانے کی کوشش کیے بغیر وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے آہستہ سے بولی. یک دم اس کے بازو پر گرفت ڈھیلی ہو گئی اور وہ نظریں چرا گیا.

"تم واپس چلی جاؤ." وہ کھڑا ہو گیا, گلے میں گلٹی ابھری اور بہت سے سچ لیے اندر گم ہو گئی.

"کہاں؟" وہ اب بھی شاک میں بیٹھی تھی.

"ڈاکٹر ہارون کی انسٹیٹیوٹ." اس نے چاچو کہنے سے احتراز کیا اور اسے دیکھے بغیر فرش پر نظریں گھماتا رہا.

"تم جانتے تھے میں کہاں ہوں؟ اور تم مجھے لینے نہیں آئے؟" حیا کی آنکھوں میں حیرت, دکھ, افسوس سب تھا.

"آئی ایم ناٹ آنسر ایبل ٹو یو. (میں تمہیں جواب دہ نہیں ہوں)" اب کہ لہجہ سخت ہو گیا اور وہ سیڑھیاں چڑھتا اپنے کمرے میں گم ہو گیا.

ہونہہ. حیا نے سر جھٹکا. کافی ٹھنڈی ہو چکی تھی. اور اب اندر جانی بھی کس کے تھی. وہ مگ اٹھا کر کچن میں آ گئی. حمزہ جانتا تھا وہ کہاں ہے, پھر بھی اسے واپس لانے کی کوشش تک نہیں کی, اسے صدمہ لگا تھا.

* *

حیا دل گرفتہ سی کھانا بنانے لگ گئی تھی. بی اماں کو چھٹی دی تھی تو اب ان کا کام بھی تو اسے ہی سنبھالنا تھا. کھانا چولہے پر رکھے وہ لاؤنج میں آئی, ایک نظر حمزہ کے بند دروازے کو دیکھا, اور پھر ٹی وی آن کر کے بیٹھ گئی. بے ترتیب

چینل بدلتی رہی اور پھر ایک چینل پر رکی. یہ مارننگ شو تھا جس کے نیچے پٹی چل رہی تھی,'شوہر کو قابو کرنے کے طریقے' حیا نے سر جھٹکا اور چینل بدل دیا. دل میں خیال آیا دیکھنے میں کیا حرج ہے تو دوبارہ وہ ہی چینل لگا لیا. جس پر ہوسٹ دوسری کچھ سیلیبریٹی مہمانوں سے شوہر کو قابو کرنے کے گر پوچھ رہی تھی. حیا نے احتیاطاً آواز دھیمی کر لی.

"آدمی کے دل کا رستہ پیٹ سے ہو کر گزرتا ہے, تو اگر آپ چاہتی ہیں کہ شوہر آپ سے پیار کرے تو اسے اچھے اچھے کھانے بنا کر کھلائیں." ایک مہمان سیلیبرٹی چہک چہک کر بتا رہی تھی. اور باقی لوگ اسے سراہ رہے تھے.

"شوہر کو.. قابو کرنے کے طریقے." وہ مردانہ آواز پر چونکی, پیچھے شیری دونوں ہاتھ صوفے کی پشت پر جمائے کھڑا تھا. وہ پہلے سے کمزور لگتا تھا.

"مجھے پتا ہی نہیں چلا تم کب آئے." وہ چہرے پر آئی لٹ کو اب کان کے پیچھے اڑیس رہی تھی. وہ چل کر سامنے آ گیا.

"جی! آپ اپنے شوہر کو قابو کرنے کے طریقے دیکھنے میں اتنی مصروف تھیں تو آپ کو کیسے پتا چلتا." وہ مسکراہٹ دبائے کھڑا تھا.

"یوں ہی سامنے آ گیا تھا چینل." وہ خفگی سے بولی. "تم بتاؤ بلڈ ٹیسٹ ہو گیا؟" حیا نے موضوع بدلا.

"جی ہو گیا رپورٹ ابھی نہیں آئی." کہتا وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھا اور پھر پلٹا.

"سوچیں حیا بھابھی اگر حمزہ بھائی کو پتا چلے کہ آپ ان کو قابو کرنے کے طریقے ڈھونڈ رہی ہیں تو کیا ہو گا؟" وہ معصوم سی شکل بنائے کھڑا تھا. حیا نے اسے گھورا.

"تم مجھے دھمکی دے رہے ہو؟"

"نہیں آپ کے بھیانک شوہر کو مد نظر رکھتے انجام سے ڈرا رہا ہوں." وہ موڈ میں تھا.

"میرا شوہر بھیانک نہیں ہے۔" حیا نے دبا دبا سا احتجاج کیا۔ اور شیری گردن پیچھے پھینک کر ہنسا۔ حیا کو تو برا ہی لگ گیا۔ اور اس نے چینل بدل دیا۔

شیری اپنی ہنسی روکتا اپنے کمرے کی طرف بڑھا اور پھر دروازے سے مڑا۔

"بھابھی! حمزہ بھائی کے دل کا رستہ پیٹ سے نہیں، مجھ سے ہو کر گزرتا ہے۔" اس نے تفخر سے اپنے سینے پر انگلی سے دستک دی، بائیں آنکھ دبائی۔ اور دروازہ بند کر دیا۔ حیا کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔ اور دوبارہ وہی چینل لگا کر بیٹھ گئی۔ ابھی چند منٹ ہی گزرے تھے کہ اس نے دیکھا حمزہ کمرے سے باہر آیا اور اب سیڑھیاں اتر رہا تھا، اس کا چہرہ غصہ سے سرخ پڑ رہا تھا۔ حیا کو کچھ سمجھ نہیں آیا۔ اس نے فوراً چینل بدلا مگر حمزہ لمبے ڈگ بھرتے اب شیری کے کمرے کے باہر کھڑا دروازہ بجا رہا تھا۔ حیا کھڑی ہو گئی۔ یہ نارمل نہیں تھا۔

شیری نے دروازہ کھولا اور حمزہ اسے دھکیلتا اندر گیا، حیا ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ وہ پیچھے جائے یا نا تبھی کمرے میں سے حمزہ کے چلانے کی آواز بلند ہوئی اور بے اختیار حیا کے قدم کمرے کی طرف اٹھے اب وہ دروازے میں ششدر کھڑی تھی۔ حمزہ دونوں ہاتھوں سے شیری کا گریبان پکڑے ہوا تھا۔ غصے سے اس کے ہاتھ کی رگیں پھولی ہوئی تھیں۔ شیری کنفیوز سا اس کے ہاتھوں میں جکڑا کھڑا تھا۔

"بھائی۔ میری بات تو۔۔" اس نے لب کھولے مگر حمزہ نے اسے پیچھے دھکیلا۔

"ڈونٹ کال می بھائی۔" وہ چلایا۔ اور ایسا چلایا کہ دروازے میں کھڑی حیا کو لگا اس کا دل سینے سے باہر آ گرے گا۔

شیری الگ دکھ اور صدمے سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"تم نے مجھے، مجھے ذلیل کروا کر رکھ دیا شیری۔ میں شیری، شیری کرتا نہیں تھکتا تھا۔ اور تم نے مجھے ذلیل کروا دیا۔ ڈرگز لیتے ہو تم؟ ہاں! کب سے یہ نشے کر رہے ہو تم؟ تم نے ایک بار نہیں سوچا مجھے پتا چلے گا تو مجھ پر کیا گزرے گی؟" شیری نے کچھ کہنا چاہا مگر حمزہ کب سن رہا تھا۔ حیا گنگ دیکھے گئی۔

"میں تمہیں اس گند سے نکال کر لایا, ایک اچھی زندگی دی. مگر تم نے. تم نے شیری اس گند کو ہی چنا." وہ شیری کی طرف بڑھا اور اسے دوبارہ گریبان سے پکڑ لیا. حیا ہوش میں آئی اور آگے بڑھی. حمزہ کے بازو کو پکڑ کر شیری کو چھڑوانا چاہا.

"چھوڑو اسے. پیچھے ہٹو." وہ چلا کر رہ گئی. حمزہ نے ایک کاٹ دار نظر اس پر ڈالی اور اپنا بازو جھٹکا. حیا کا ہاتھ نیچے گر گیا.

"میرا بھائی نہیں تھا, تمہیں بھائی بنایا. پیار دیا. اپنے بچے کی طرح پالا." اس کا تنفس تیز ہو رہا تھا. شیری اس کے ہاتھوں میں بے یقینی اور صدمے سے کھڑا بس اسے ہی دیکھے جا رہا تھا.

"مگر شاید تم اسی قابل تھے شیری. تم وہیں ان گنڈوں میں رہتے, لوگوں کو مارتے, نشے کرتے. تم اسی قابل تھے."

"میرا بھائی نشئی نہیں ہو سکتا, کبھی بھی نہیں."

وہ چیخ چیخ کر تھک گیا تو اسے قریباً دھکیلتے ہوئے پیچھے ہوا.

"ٹوڈے آئی لاسٹ دی اونلی ممبر آف مائی فیملی!" اس کی آواز میں رنج تھا. وہ دروازے کو زور سے بند کرتا باہر نکل گیا. حیا اور شیری یوں ہی کھڑے کھلتے, بند ہوتے دروازے کو دیکھتے رہے. حیا حمزہ کے پیچھے نکلی مگر وہ بیرونی دروازے سے باہر جا رہا تھا. تو وہ واپس کمرے میں آگئی. جہاں شیری سر دونوں ہاتھوں میں گرائے کھڑا تھا.

"شیری! حمزہ تم سے بہت پیار کرتا ہے. وہ پریشان ہے. تم ڈرگز لیتے ہو, تمہیں کچھ ہو گیا تو وہ ٹوٹ جائے گا." حیا محتاط الفاظ کا چناؤ کر رہی تھی.

"میں نے کبھی ڈرگ نہیں لی." حیا کو بمشکل آواز سنائی دی اور وہ وہیں اس کے سامنے فرش پر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی.

"تم ڈرگز نہیں لیتے؟" شیری نے نفی میں گردن ہلائی.

"پھر؟" حیا الجھ گئی تھی.

"بھائی کو مجھ پر یقین نہیں." اس کی آواز میں بے یقینی سی بے یقینی تھی.

"نہیں وہ پریشان ہو گیا ہے." حیا نے صفائی دی.

"نہیں ان کو مجھ پر یقین نہیں." وہ دل گرفتہ سا اٹھا اور باہر نکل گیا.

حیا لاؤنج میں آئی, ٹی وی بند کیا اور سیڑھیاں چڑھتی کمرے میں چلی گئی.

****

چار بجنے کو تھے مگر حمزہ اور شیری دونوں کا کچھ پتا نہیں تھا. حیا اس نئی صورتحال سے پریشان نظر آ رہی تھی گھر کا ماحول یک دم بگڑ گیا تھا. پہلے اس نے سوچا ڈاکٹر ہارون کو کال کرے مگر نہیں اسے اپنے گھر کا مسئلہ خود سلجھانا تھا. اس نے سمایا کو گھر بلا لیا تھا اور ساتھ ہی اسے شیر وان کو بلانے کا بھی کہا تھا. وہ دونوں شیری کے قریبی دوست تھے. اس وقت وہ شیری کے کمرے میں بیٹھے اس غیر متوقع انکشاف پر بحث کر رہے تھے.

"بالکل بھی نہیں حیا بھابھی! شیری تقریباً ہمارے ساتھ ہی ہوتا ہے ہمیں کبھی نہیں لگا کہ وہ ہائی ہے." شیر وان اور سمایا تو جیسے شاک میں آ گئے تھے.

"شیری مجھ سے کچھ نہیں چھپاتا, وی آر بیسٹ فرینڈز." سمایا اپنی طرف سے واضح کر رہی تھی.

ہمم! حیا پر سوچ انداز میں گویا ہوئی. "رپورٹ کی ہارڈ کاپی جو میں نے رسیو کی ہے اس کے مطابق ڈرگز لیے اسے چند دن ہو گئے ہیں, پچھلے دنوں کچھ ایسا ہوا؟" اور تبھی سمایا کی آنکھیں چمکی.

"شیر وان! وہاں مشن پر. تم لوگ تھے پچھلے دنوں اور اور جب شیری کی طبیعت بگڑ رہی تھی وہ کہہ رہا تھا اسے یہ کھانا نہیں پسند. تو مطلب وہ لوگ کھانے میں کچھ ملاتے تھے. اوہ گاڈ." سمایا کا سر چکرا گیا.

"نہیں یار۔"شیر وان کو اس کی کہانی ہضم نہیں ہوئی تھی۔"میں بھی وہ کھانا کھاتا رہا ہوں۔مجھے کچھ کیوں نہیں ہوا؟"وہ مطمئن نہیں ہوا تھا۔

"تم لوگ ہمیشہ ساتھ کھانا کھاتے تھے؟"وہ دونوں اپنے تجربے کے مطابق ہر پہلو پر غور کر رہے تھے اور حیا ان کو موڈریٹ کر رہی تھی۔

"نہیں۔وہ پریمیم ممبر تھا وہ اندر بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے اور ہم.."آنکھیں حیرت اور شاک سے پھیلنے لگیں۔"ہم باہر بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے۔"شیر وان بیڈ سے قریباً اچھلا تھا۔

"بھابھی اگر حمزہ سر کو پتا چلا وہ بہت غصہ کریں گے۔"سمایا نے اپنے خدشے کا اظہار کیا اور حیا بمشکل مسکرائی۔اب اسے کیا بتاتی کہ تماشہ پہلے ہی ہو چکا ہے۔

"تم دونوں کھانا کھا کر جانا۔"حیا باہر آگئی تھی۔

****

زرد تھال دور افق میں کب کا الٹ چکا تھا۔صبح سے بنا کھانا یوں ہی دھرا رہ گیا تھا,وہ بھی مغرب پڑھ کر کمرے میں ہی رک گئی تھی۔رپورٹ کے مطابق ڈرگز اس کے جسم میں اتنی سرایت کر چکی ہے کہ اس کا جسم عادی بن چکا ہے, پہلے وہ اپنے جسم میں ڈرگ کی موجودگی سے بے خبر تھا مگر اب جب کہ وہ جان چکا ہے تو وہ اسے پانے کے لیے کسی بھی حد تک جا سکتا تھا اور اس سے چھٹکارا قریباً ناممکن تھا۔اور اس وقت حیا موبائل پر نشے کے عادی لوگوں پر مختلف آرٹیکل اور کتابیں کھول کر بیٹھی تھی۔تبھی دروازہ کھلا اور سست قدم اٹھاتا حمزہ اندر داخل ہوا,حیا کو نظر انداز کرتا وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کھڑا ہوا۔اس نے ابھی تک سیاہ شرٹ اور جینز پہن رکھی تھی۔

"شیری نظر نہیں آرہا۔"رسٹ واچ اتارتے اس نے سرسری سا پوچھا۔

"ہوں. باہر گیا تھا." حیا موبائل پہ جھکی رہی. حمزہ اب سیف سے کپڑے نکال کر واش روم میں جا رہا تھا. پانچ منٹ بعد جب وہ نکلا تو بیڈ پر کھانا لگا پڑے تھے. اسے واقعی بہت بھوک لگی تھی. ایک نظر حیا پر ڈالی, اسے یوں اس کے کہے بغیر کھانا رکھ دینا اچھا لگا تھا. حیا نے کن اکھیوں سے دیکھا وہ سفید وی گلے والی شرٹ اور سیاہ جینز پہنے ہوئے تھا, شرٹ کو بازوؤں سے کلائیوں تک موڑا ہوا تھا.

"شیری کچھ کہہ رہا تھا." بیڈ پر بیٹھتے وہ دوبارہ حیا سے مخاطب ہوا, وہ تھکا ہوا نظر آتا تھا. "ہاں, یہی کہ وہ ڈر گز نہیں لیتا اور یہ کہ تمہیں اس پر بھروسہ کرنا چاہیئے تھا." حمزہ نے ہونٹ بھینچے. اس نے منہ میں نوالہ رکھا اور پھر حیا کو دیکھا. "اچھا کھانا بناتی ہو."

"ہاں؟" حیا نے چونک کر سر اٹھایا.

"میں نے کچھ کہا؟" وہ حیرت سے پوچھ رہا تھا. حیا نے اسے خفگی سے دیکھ کر سر جھٹکا. جب وہ کھانا کھا چکا تو موبائل پر کسی کا نمبر ملاتے کھڑا ہوا. بیل جاتی رہی مگر کسی نے فون نہیں اٹھایا. پھر اس نے دوسرا نمبر ملایا.

"ہاں شیروان! شیری تمہارے ساتھ ہے؟" یک دم وہ فکر مند نظر آنے لگ گیا تھا. "میری بات کرواؤ اس سے." دوسری طرف شاید مثبت جواب ملا تھا.

"اچھا جب وہ اٹھے تو اس سے کہنا شرافت سے گھر آجائے." حمزہ نے حتمی کہا اور فون بند کر دیا. حیا برتن اٹھا چکی تھی اور اب بیڈ کی چادر ٹھیک کر رہی تھی. حمزہ تھوڑی دیر اسے دیکھتا رہا پھر سر جھٹک کر شیشے کے سامنے کھڑا ہو کر اپنی بڑھتی شیو پر ہاتھ پھیرنے لگا. شیشے میں حیا کا عکس نظر آتا تھا تو وہ نرمی مگر سنجیدہ سے لہجے میں گویا ہوا.

"اور کچھ کہہ رہا تھا شیری میرے بارے میں."

"ہاں کہہ تو رہا تھا" وہ چپ ہو گئی. حمزہ نے اچنبھے سے دیکھا اور واپس مڑا. "کیا؟"

"یہ ہی کہ تم کتنے غصے والے, کھڑوس سے انسان ہو" وہ سنجیدہ تھی.

"شیری نے ایسا کہا؟" وہ حیران ہوا تھا.

"بالکل." وہ ڈھٹائی سے بولی.

"الفاظ تو تمہارے لگتے ہیں." وہ دوبارہ شیشے کی طرف مڑ گیا تھا.

"اللہ معاف کرے." حیا نے کانوں کو ہاتھ لگائے. "تمہیں لگتا ہے میں تمہارے بارے میں ایسا سوچتی ہوں؟" وہ معصوم سی شکل بنا کر صوفے سے کھڑی ہو گئی تھی.

"نہیں." وہ مسکرایا. "تم مجھ سے بہت پیار کرتی ہو." وہ قدم قدم اس کی طرف بڑھ رہا تھا. "اور میں نے تمہیں آج تک بتایا ہی نہیں کہ میں نے تم سے نکاح کیا کیونکہ مجھے تمہیں دیکھتے ہی پیار ہو گیا تھا." وہ اب اس کے سامنے کھڑا تھا. "تم بہت اچھی ہو حیا. مجھے معاف کر دو." وہ اب اسے اپنے کندھے سے لگا رہا تھا. حیا کو لگا یہ خواب ہے. اس نے خود کو چٹکی بھری,

"آوچ." وہ ہوش میں آئی. وہ دور شیشے کے پاس کھڑا تعجب سے اسے دیکھ رہا تھا. شرمندہ سی وہ دوبارہ صوفے پر بیٹھ گئی. "تمہیں ایک بار ڈاکٹر سے مل لینا چاہیئے, شیری کے لیے یہ ڈرگ چھوڑنا آسان نہیں ہے." چہرے پر آئی لٹ کو پیچھے کرتے وہ حمزہ سے کہہ رہی تھی. "مس حیا..." حیا نے دانتوں پر دانت رکھے اور چبا کر کہا. "آئی... ایم... مسز." حمزہ نے جواباً ہونٹ گول کیے. "اوہ! اوکے." پھر لیپ ٹاپ اٹھاتا بیڈ پر بیٹھ گیا. "میں ڈاکٹر سے مل آیا ہوں, اور جنہوں نے شیری کو اس عذاب میں دھکیلا ہے, ان سے بھی نمٹ آیا ہوں." وہ مصروف سا بولا. "میں شیری کو کبھی کچھ نہیں ہونے دوں گا."

حیا کو دوپہر والا ہنگامہ یاد آیا, وہ مشکوک سی اسے دیکھ رہی تھی. "تو اتنا غصہ کیوں کیا بے چارے پر.؟"

"تاکہ اب جب ہی نوز (وہ جانتا ہے) کہ اس کا جسم ڈرگ کا عادی ہے تو وہ اس ڈرگ کو لینا چاہے گا اور جب وہ ایسا کچھ کرے تو اسے یاد رہے کہ وہ مجھے کھو دے گا." اس کی آواز سنگین ہو گئی تھی.

پھر وہ خاموش اپنا کام کرتا رہا, کافی دیر بعد سر اٹھایا. وہ اب ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے اسٹول پر بیٹھی تھی.

"بی اماں کی چھٹی کب تک ہے؟" لیپ ٹاپ کی اسکرین پر انگلی گھماتے وہ کراؤن سے ٹیک لگا رہا تھا. حیا کا رنگ اڑا. گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی. اور وہ بال چہرے سے پیچھے ہٹاتے آہستہ سا بولی. "میں نے ان کی پکی چھٹی کر دی ہے." حمزہ نے بے یقینی سے اس کو دیکھا.

"غصہ مت کرنا اب." وہ خفا سی بالوں میں برش پھیرتی بولی. سینے پر بازو باندھے حمزہ مسکرایا. مگر فوراً ماتھے پر سلوٹ آئے. "تم جانتی نہیں ہو, میں کتنا برا پیش آ سکتا ہوں."

"ہاں اور جیسے میں ڈر گئی." اس نے برش والا ہاتھ ہوا میں ہلایا. حمزہ نے سر جھٹکا. اور دوبارہ لیپ ٹاپ پر جھک گیا.

"حمزہ تمہیں کیا پسند ہے." وہ شیشے میں اس کا عکس دیکھ رہی تھی. "خاموشی" وہ مصروف سا بولا. حیا کا پارا ہائی ہوا. مگر وہ ضبط کر گئی. (بد تمیز)

****

جب تک انسان اپنے مرض سے بے خبر ہو وہ ٹھیک رہتا ہے مگر مرض کی اطلاع گویا اسے مزید بیمار کر دیتی ہے. شیری کے جسم میں ڈرگز کے انکشاف نے اسے باور کروا دیا تھا کہ اس کی ضرورت وہ ڈرگ ہے. اب اس کی حالت اور بگڑنے لگی تھی, چیخنا چلانا, کھانا الٹ دینا. بد تمیزی کرنا, اسے بس وہ ہی کھانا چاہئیے تھا. اس کا گزارا جوس اور مختلف ڈرنکس پر ہی تھا, کھانے کے نام سے ہی وہ بدزن ہو گیا تھا. وہ دن بدن دبلا ہوتا جا رہا تھا, آنکھیں سیاہ حلقوں سے گھری تھیں.

حمزہ کی تو گویا نیند ہی اڑ گئی تھی. وہ کبھی اسے سمجھانے لگتا, کبھی غصہ کرتا. حمزہ کو پریشان دیکھ کر حیا الگ پریشان رہتی, غرض گھر میں عجیب تناؤ کی سی کیفیت تھی.

حیا کے دن رات مختلف کتابیں پڑھنے اور وڈیوز دیکھنے میں گزر جاتے.

عصر سے پہلے کا وقت تھا شیری دوائیوں کے زیر اثر سویا پڑا تھا, حمزہ کو باہر جانا تھا تو وہ شیری کے کمرے کو باہر سے لاک کر گیا تھا اور حیا کو سخت تاکید تھی کہ شیری کو باہر نہ جانے دے. حمزہ کو گئے آدھا گھنٹہ گزرا تھا جب اچانک اس نے زور زور سے دروازہ پیٹنا شروع کر دیا.

"دروازہ کھولو. کس نے بند کیا ہے مجھے, کھولو دروازہ" دروازہ مسلسل بج رہا تھا اور حیا مضطرب سی کمرے سے باہر آئی تھی.

"شیری کام ڈاؤن, حمزہ ابھی آتا ہے تو تم باہر آسکتے ہو." وہ دروازے کے پاس کھڑی تھی.

"آپ دروازہ کھولیں, میرا دم گھٹ رہا ہے. حمزہ بھائی میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہیں. کھولیں دروازہ."

وہ بے بسی سے بار بار ہاتھ دروازے پر مار رہا تھا. حیا کچھ دیر سوچتی رہی, "تم ٹھیک ہو؟" اس نے آہستہ سے پوچھا. "ہاں میں ٹھیک ہوں. بے فکر رہیں مجھے نشے کا دورہ نہیں پڑا ہوا." وہ بے زاری سے بولا.

حیا نے گہرا سانس لیا اور دروازہ کھول دیا.

"مجھے یقین نہیں آتا, حمزہ سر مجھے یوں کمرے میں بند کر دیں گے." وہ افسوس سے کہتا صوفے پر آبیٹھا.

"شیری! حمزہ پریشان ہے تمہیں لے کر." وہ پریشان سی کھڑی وضاحت دے رہی تھی.

"رہنے دیں بھابھی." وہ بے زار سا بے زار تھا. وہ کھڑی رہی. پتا نہیں شیری کیسے اس فیز سے نکلے گا. اس نے گہرا سانس لیا اور کچن کی طرف بڑھی.

"تم بیٹھو میں تمہارے لیے شیک لاتی ہوں." اس نے کچھ نہیں کہا.

تھوڑی دیر بعد شیک کے دو گلاس شیشے کی میز پر پڑے تھے. حیا اس سے ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہی اور وہ نخوت سے ہاں, ناں کرتا رہا. کچھ دیر خاموشی چھائی رہی اور پھر حیا نے اسے نرمی سے مخاطب کیا.

"شیری تم میرے ساتھ کل صبح واک پر چلو گے؟" شیری نے گلاس منہ سے ہٹاتے اچنبھے سے اسے دیکھا. "کیوں؟" یہ ہاں تھا. تو حیا اعتماد سے آگے ہوئی.

"تازہ ہوا میں سانس لیں گے تو ہم دونوں بہتر محسوس کریں گے."

"آپ کو کیا ہوا ہے؟" اس نے ابرو اٹھائے اور حیا رازداری سے اس کے قریب ہوئی.

"مجھے بھی عادت پڑ گئی ہے..." پھر مسکراہٹ دباتے شیری کو دیکھا. "تمہارے بھائی کی." وہ سر گوشی میں کہتی پیچھے ہوئی اور شیری بے وجہ ہنستا گیا.

شیری کو اپنی ڈرگ کی عادت سے جان چھڑوانے کے لیے صرف دوائیاں نہیں کچھ اور بھی چاہئیے تھا اور وہ اسے حیا دینے جا رہی تھی. مگر اس سے پہلے نشے کے عادی اس لڑکے کے گھر والوں کی کاؤنسلنگ ضروری تھی.

****

یہ تھانے کی پرانی مگر کشادہ عمارت تھی. ابھی حمزہ گاڑی پارک کر کے اندر گیا تھا. اس کے پیچھے اندر جاؤ تو پہلے ایک بڑا ہال نما کمرہ تھا جس میں تین مختلف جگھوں پر میز اور کرسیاں لگی تھیں, اس سے آگے حوالات بنی تھیں. تیسرے نمبر کے کمرے میں اندھیرا تھا اور مدھم بلب جل رہا تھا. جس کے نیچے دو کرسیاں لگی تھیں. ایک پر ٹانگ پہ ٹانگ جمائے حمزہ اور سامنے حاجن بی بی تھیں. وہ مضطرب نظر آتی تھیں. حمزہ کی آنکھوں میں غصہ اور نفرت تھی.

"اپنے ہی بندوں کو ڈرگ دینا. کچھ سمجھ نہیں آتا." حمزہ آگے کو جھکا.

"ہم تم لوگوں کی طرح نہیں ہین, جو اپنے ساتھیوں کو یوں ہی چکھلا چھوڑ دیں اور وقت آنے پر وہ ہماری کمر میں چھورا گھونپ دیں. ہونہہ." اس نے ہاتھ ہوا اٹھا کر نخوت سے نیچے مارا. اور حمزہ تلخ سا مسکرایا. بی بی حاجن کا اشارہ دانی کی طرف تھا.

"یہ بتاؤ! کچھ کو ڈرگ دینا کچھ کو نہ دینا کیا منطق ہے؟" حمزہ سنجیدہ تھا. بی بی حاجن خاموش منہ بناتی رہی. "بی بی حاجن.. " حمزہ نے دونوں ہاتھ میز پر مارے. "دوبارہ منہ سے نہیں پوچھوں گا." آنکھیں آگ برسا رہی تھیں. "کر لو جو کرنا ہے." بی بی حاجن نہیں مانی, حمزہ نے گھٹنے پر رکھے اپنے ہاتھ کو جنبش دی اور چار مردانہ ہاتھوں نے بی بی حاجن کو بالوں سے پکڑ کر سامنے رکھے پانی میں ڈبویا, سانس بند ہونے سے وہ ہاتھ پاؤں مارنے لگی, حمزہ نے دوبارہ ہاتھ اٹھایا اور اسے کھینچ کر باہر نکال لیا گیا. بی بی حاجن لمبے لمبے سانس لینے لگیں.

"ان کے, ان کے پاس ہمارے.. ہمارے... راز ہوتے ہیں.. ان کو ڈرگ دیتے ہیں تا کہ اگر وہ بھاگنا بھی چاہیں تو .... تو... اس ڈرگ کی طلب میں... واپس ہمارے پاس آئیں. کبھی ہمین چھوڑ کر نہ جا سکیں." وہ اکھڑتے سانس کے ساتھ طوطے کی طرح بولنے لگی.

"میرا دل چاہتا ہے تمہارے اندر بھی وہ ڈرگ گھولوں اور اتنی گھولوں کہ تم تڑپ تڑپ کر مر جاؤ. میں تو یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ تم لوگوں کا دل نہیں کانپتا ایسے کام کر کے. لیکن نہیں, نہیں,.." نفی میں گردن ہلاتا وہ اپنی جگہ سے اٹھا, گھوم کر حاجن بی بی کے پیچھے گیا. اور یک دم حاجن بی بی کی آنکھیں پھٹ کر باہر آنے کو ہو گئیں. باریک سی تار اس مرد نما عورت کی گردن پر تنگ ہوتی جا رہی تھی. حمزہ پوری قوت سے اسے جکڑے ہوئے تھا. بی بی حاجن کے منہ سے غوں غاں جیسی آوازیں نکل رہی تھیں. وہ خود کو چھڑوانے کی کوشش کر رہی تھی اور جب اسے لگا کہ روح جسم کا ساتھ چھوڑنے والی ہے تو حمزہ نے اس کے ڈھیلے پڑتے جسم کو جھٹکے سے چھوڑا. وہ توازن برقرار نہین رکھ سکی اور اوندھے منہ فرش پر گر گئی. سانس تھم گئی تھی. کتنی دیر روح کا تعلق جسم سے بحال ہونے میں لگ گئی. آنکھیں اٹھا کر حمزہ کو دیکھا جو دوبارہ پوری تمکنت سے اپنی کرسی پر براجمان تھا. اس کی آنکھیں آگ برسا رہی تھیں پھر وہ نیچے جھکا بی بی حاجن کو گریبان سے پکڑا.

"ایک جھٹکے میں نہیں ماروں گا,اپنے بھائی کے برباد ہونے والے ایک ایک لمحے کا حساب لوں گا. اسی طرح تڑپاؤں گا جیسے وہ تڑپتا ہے. آسانی سے مرنے نہیں دوں گا." وہ کچھ بول نہیں پائی. آواز ہی نہیں نکلتی تھی. اسے دوبارہ نیچے گراتے وہ اٹھ کھڑا ہوا. نیلے بلیزر کو کندھے سے جھاڑا گویا کوئی نادیدہ سلوٹ ختم کی ہو. اور لوہے کی سلاخوں کے ایک طرف بنے گیٹ سے باہر نکلا اور ساتھ کھڑے سپاہی کو لاک کرنے کا حکم دیتا آگے بڑھ گیا. اب اس کا رخ وہ کمرہ تھا جہاں علی اور فریحہ دانی کے ساتھ اس کے منتظر تھے. آج دانی کی قسمت کا فیصلہ بھی ہو جانا تھا. خراماں خراماں چلتے وہ اس عقبی کمرے میں داخل ہوا. علی اور فریحہ آپس میں باتیں کرنے میں مصروف تھے جب حمزہ کرسی کھینچ کر بیٹھا. دانی ایک کونے میں بیٹھا خاموش تماشائی بنا ہوا تھا. علی اور فریحہ حمزہ کو اتنے دن بعد یوں گھومتے پھرتے دیکھ کر خوش ہوئے تھے اور اب اس سے چائے کافی پوچھ رہے تھے.

"اوہوں! کچھ بھی نہیں. بس زرا گھر میں بور ہو رہا تھا تو ملنے چلا آیا." ایک نظر پیچھے بیٹھے دانی پر ڈالتے وہ کسی بھی خاطر مدارت سے منع کر رہا تھا.

"اور امید ہے اس کھسرے کو موت تک پہنچا کر تیری بوریت دور ہو گئی ہو گی." علی نے طنزاً کہا. اور حمزہ نے کندھے اچکائے.

"شیری از ان پین, آئی کینٹ ہیلپ مائی سیلف, جو کرے گا وہ بھرے گا بھی." اور فریحہ نے دفعتاً دانی کو دیکھا.

"حمزہ ڈاکٹر صباحت بہترین سائیکیٹرسٹ ہیں. ان کے علاج سے شیری ضرور ٹھیک ہو جائے گا. تم شیری کو ان سے ملنے کے لیے کنوینس کرو" فریحہ پچھلے کئی دن سے حمزہ کو شیری کے علاج کے لیے ڈاکٹر صباحت کے پاس لے جانے کا مشورہ دے رہی تھی. مگر شیری تو ڈاکٹر کے ذکر پر ہی پھٹ پڑتا تھا.

"یار وہ کسی کی نہیں سنتا. ہی از آؤٹ آف مائی کنٹرول." یک دم اس کے چہرے پر تفکر نظر آنے لگ گیا تھا.

"ایسا ہی ہوتا ہے,نشے کے عادی بچے ڈاکٹر وغیرہ سے یوں ہی بھاگتے ہیں. تم فکر نہیں کرو. وہ ٹھیک ہو جائے گا."

حمزہ نے اثبات میں سر ہلایا اور علی نے موضوع بدلا.

"خیر تو بتا حیا کیسی ہے؟"رکا,سوچا اور دوبارہ بولا. "آئی مین 'حیا بھابھی' کیسی ہیں؟" فریحہ نے ہلکا سا قہقہہ لگایا گویا وہ کہانی جانتی ہے اور حمزہ نے گہرا سانس کھینچا اور آگے کو جھکا.

"شی از چینجڈ ناؤ." پھر پیچھے کو ہوا دونوں ہاتھ باہم ملا کر سر کے نیچے رکھے. "اور اس نے بی اماں کی بھی چھٹی کر دی."

دونوں کو باری باری دیکھا اور زور دے کر کہا" پکی چھٹی. وہ بھی مجھ سے پوچھے بغیر. "وہ ناگواری سے بولا علی اور فریحہ گردن پیچھے پھینک کر ہنسے.

"حمزہ تم مانو یا نہ مانو بٹ دس لیڈی از یورز,ٹرولی یورز. "اور حمزہ نے ناک سے مکھی اڑائی. "واٹ ایور."

یکا یک حمزہ کرسی سے اٹھا اور پٹخنے سے کے انداز میں کرسی دانی کے سامنے رکھی. وہ حمزہ کے انتظار میں اتنے دن سے یہاں بند تھا. یہاں پہلے ہی اس کی کافی خاطر مدارت ہو چکی تھی جس کا واضح ثبوت اس کا نچلا ہونٹ تھا جو بری طرح پھٹا ہوا تھا اور بائیں آنکھ کے اوپر بھی زخم کا نشان تھا. حمزہ اب کرسی پر آگے کو جھکا دونوں ہاتھوں کی انگلیاں باہم ملائے ہوئے تھا.

"کہو اپنی وضاحت میں کچھ. "اس کی آنکھیں دانی کے چہرے پر جمی تھیں. دانی نے تھوک نگلا. علی اور دریحہ کو دیکھا جو دوبارہ باتوں مین مگن ہو گئے تھے گویا باور کروایا ہو کہ وہ اس سب سے لاتعلق ہیں. نہ کچھ دیکھا,نہ کچھ سنا.

"سر میں وضاحت دے سکتا ہوں."

"دو. "دوٹوک سا کہتے وہ کرسی سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور ٹانگ پر ٹانگ جمالی.

"انہوں نے میری فیملی کے زریعے مجھے بلیک میل کیا تھا,میرا بیٹا دو سال کا ہے سر!" وہ سانس لینے کو رکا.

میری ٹریننگ بہت سخت ہوئی ہے سر مگر. میرے بچے کو الٹا لٹکا کر نیچے پانی کے ٹینک میں بار بار ڈبوتے تھے. سر میرا بچہ بس دو سال کا ہے. وہ اسے مارتے نہیں تھے بس تکلیف دیتے تھے بار بار. اس ذہنی ٹارچر نے مجھے توڑ دیا. "اس کی آواز میں درد در آیا تھا.

"میں مجبور تھا.. سر. "اس نے سر جھکا لیا. حمزہ صدمے اور افسوس سے گردن نفی میں ہلا رہا تھا. "تم ایک بار مجھ سے بات کر کے دیکھتے میں ان کو کہیں سے ڈھونڈ نکالتا اور زندہ سلامت تم تک لاتا. "وہ تھوڑا آگے جھکا. "تم نے اپنی فیملی کے بدلے میری فیملی کو مصیبت میں دھکیل دیا دانی. "

"تم نے اپنی فیملی کے لیے میری فیملی کا سودا کر دیا. "اب کہ وہ چیخا, فریحہ اور علی انجان بنے رہے, پھر واپس مڑا اور گھوم کر ایک مکہ اس کے منہ پر جڑا.

"یہ مجھ پر بھروسہ نہ کرنے اور شیری کو مصیبت میں پھنسانے کے لیے. "پھر اسے گریبان سے پکڑ کر کھڑا کیا. " آئندہ میری فیملی کی حفاظت کرنا اور میں وعدہ کرتا ہوں مجھے اپنے خاندان کا محافظ پاؤ گے. "وہ اس کے کندھوں پر ہاتھ پھیرتے اس کے سلوٹ ٹھیک کر رہا تھا.

"جانے دو اسے. "علی کو اشارہ کرتے وہ خود باہر نکل گیا. فریحہ نے ٹھنڈی سانس باہر خارج کی.

"شیری کی وجہ سے پریشان رہتا ہے. ایسا کرو اسے کسی دن حیا کے ساتھ گھر پر بلا لو. "علی کو بھی آئیڈیا پسند آیا تھا. چلو مل بیٹھنے کا بہانہ ہی سہی!

****

رات سیاہ ہونے لگی, تو حیا کا انتظار بھی بڑھنے لگا. ابھی وہ لاؤنج میں بیٹھی بے ترتیب چینل بدل رہی تھی اور نظر کبھی کچن ونڈو کے اوپر لگے کلاک پر جاتی اور کبھی دروازے پر. وہی بیویوں کے چھ بجے کے بعد والا انتظار!

جب وہ بیٹھے بیٹھے تھک گئی تو وہیں صوفے پر نیم دراز ہو گئی, ابھی لیٹے چند ثانیے گزرے تھے کہ دروازے کی چرچراہٹ سنائی دی. اس نے منہ پر بازو رکھ لیا. بھاری قدم لاؤنج کی طرف بڑھے. بند آنکھوں کے ساتھ بھی اسے محسوس ہوا کوئی اس کے سر پر کھڑا ہے.

"بی اماں کھانا لگا دیں." اس کے پاس سے گزرتا وہ دوسرے صوفہ پر جا کر بیٹھ گیا. حیا سے کوئی بھی کام ڈائریکٹ کہنے کے بجائے یہ نیا طریقہ اس نے ڈھونڈ نکالا تھا.

"بی اماں گھر پر نہیں ہیں." وہ منہ سے بازو ہٹائے بغیر بولی. "تو جو ہے وہ لگا دے." وہ فون پر بٹن دباتے کہہ رہا تھا.

حیا بادل نخواستہ اٹھی.

"بی اماں یہ بی اماں وہ. انتظار میں کرتی ہوں اور..." وہ بولتے بولتے چپ ہوئی. لب مسکراہٹ میں ڈھلے. سفید بلیزر اس پر واقعی جچتا تھا. "یہ بلیزر آپ پر اچھا لگ رہا ہے." وہ چوکڑی مارے صوفے پر بیٹھی تھی اور حمزہ سامنے سنگل صوفہ پر ٹانگ پر ٹانگ جمائے اب اسے دیکھ رہا تھا. "مس حیا.." اور ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ حیا اپنی توہین ہونے دے فوراً بات اس کے ہونٹوں سے اچک لی. "کال می مسز." اور وہ سر جھٹک کر دوبارہ گویا ہوا. مگر اس بار مس, مسز کے تکلف کو چھوڑ دیا. "میں ہمیشہ اچھا لگتا ہوں. ان فیکٹ پانچ میں سے تین لڑکیاں تو ضرور مجھے مڑ کر دیکھتی ہیں." وہ پراسرار مسکراہٹ کے ساتھ بولا اور حیا نے ابرو اٹھائی.

"دل کے بہلانے کو غالب خیال اچھا ہے." (آیا بڑا پرستان کا شہزادہ. ہونہہ). یکایک حمزہ کو شیری کا خیال آیا. یوں ہی فون پر جھکا وہ اس کے کمرے کی طرف گیا اور پھر ٹھٹھکا, دروازہ کھلا تھا اور شیری وہاں نہیں تھا.

وہ انہی قدموں واپس لاؤنج میں آیا.

"شیری کے کمرے کا دروازہ کس نے کھولا؟" وہ حیا سے پوچھ رہا تھا جو کچن سے باؤل لیے باہر آئی تھی.

"میں نے۔" سپاٹ سے انداز میں کہتی وہ اب کھانے کی میز پر باؤل رکھ رہی تھی۔ "اگر اس نے خود کو کوئی نقصان پہنچایا یا ڈرگ لی, تو میں کس قدر برا پیش آؤں گا تم سوچ بھی نہیں سکتی ہو۔" وہ انگلی اٹھائے اسے تنبیہہ کر رہا تھا۔ مگر وہ اس کے لہجے کو نظر انداز کیے اس کے سامنے آکر کھڑی ہو گئی۔ ہاتھ سینے پر بندھے تھے۔

"حمزہ اگر تم اسے یوں کمرے میں بند کرو گے, اسے محسوس کرواؤ گے کہ وہ کتنا بے بس ہے, تو بلیو می وہ کبھی اس نشے کے اثر سے باہر نہیں نکلے گا۔ تمہارا یہ رویہ اسے احساس دلا رہا ہے کہ وہ کس قدر کمزور ہے خود کو کنٹرول نہیں کر سکتا, میرے سامنے جب تم اس پر چلاتے ہو, غصہ کرتے ہو, اسے لگے گا اس کی عزت نہیں ہے اور پتا ہے نشے کے عادی لوگوں میں کیا نہیں ہوتا؟" وہ چپ رہا تو وہ آگے بولی۔ "ان میں عزت نفس نہیں ہوتی, ان کی سیلف اسٹیم لو ہوتی ہے, ان کو لگتا ہے کہ عزت تو ویسے ہماری نہیں ہے تو کیوں ہم اس سکون دینے والی چیز سے دور ہوں؟ حمزہ تمہارے رویے سے وہ اس ڈرگ کے اثر سے تو نہیں نکلے گا بلکہ مزید ذہنی مریض بن جائے گا۔" وہ چپ ہو گئی اور دوبارہ کچن میں چلی گئی, حمزہ کے اعصاب ڈھیلے پڑے اور وہ قدم قدم چلتا سربراہی کرسی پر بیٹھا اور کہنیاں میز پر ٹکا کر سر ہاتھوں میں گرا لیا۔ پچھتاوے سر اٹھائے اپنے بلوں سے نکل آئے تھے۔ اس کی وجہ سے ہنستا کھیلتا شیری کس عذاب میں پڑ گیا تھا۔ اسے شیری کو وہاں بھیجنا ہی نہیں چاہیئے تھا۔ تاسف سا تاسف تھا, پچھتاوا سا پچھتاوا۔۔

میز پر پلیٹ رکھنے کی آواز سے اس نے سر اٹھایا۔ وہ اب اس کے پاس پڑی کرسی پر بیٹھ چکی تھی اور چائینیز رائس پلیٹ میں ڈال رہی تھی۔

"پریشان ہونے کی بات نہیں ہے۔" آج پہلی بار وہ اسے سن رہا تھا, چاہے شیری کے لیے مگر سن تو رہا تھا نا, تو اس نے بات آگے بڑھائی۔ "بس اسے یوں محسوس کرواؤ جیسے اسے کچھ ہوا ہی نہیں, اسے حوصلہ دو, یہ ازل کا غصہ گھر سے باہر چھوڑ کر آیا کرو۔ اسے اس کا حمزہ بھائی دو جو اس کی سپورٹ رہا ہے۔" کھانا سرو ہو چکا تھا مگر حمزہ سر جھکائے اس کی باتوں پر غور کر رہا تھا۔ جب وہ کافی دیر یوں ہی بیٹھا رہا تو حیا ہلکے سے کنکھاری۔

"حمزہ سر! آپ یہ تو نہیں چاہتے کہ میں یعنی حیا حمزہ فیاض بیگ اپنے ہاتھوں سے آپ کو کھانا کھلاؤں؟ اگر ایسا چاہتے ہیں تو سوری میں بہت تھک چکی ہو۔" اس نے مصنوعی جمائی لی اور ہاتھ منہ کے آگے رکھا۔ حمزہ نے ہلکے سے مسکراتے سر اٹھایا اور چھری کانٹا پہ ہاتھ سیٹ کیا۔

"تھینک یو۔" چاول منہ میں رکھتے وہ ہلکا سا بولا۔ اور حیا جی جان سے مسکرائی۔

"سوری کیا آپ کہہ رہے ہیں کہ آپ یعنی کہ متکلم خود حمزہ فیاض بیگ میرے شکر گزار ہیں اور مجھے آئس کریم کھلانے لے جانا چاہتے ہیں؟" حیا نے اس کے زرا سے شکریہ کو بڑھا چڑھا کر دہرایا۔ اور حمزہ نے بے نیازی سے کندھے اچکائے۔ "دل کے بہلانے کو غالب خیال اچھا ہے۔"

حیا گردن پیچھے پھینک کر ہنسی۔ اور ہنستی چلی گئی۔ حمزہ دوبارہ اپنی پلیٹ پر جھک گیا۔ (عجیب

جب کہ حیا دونوں کہنیاں میز پر ٹکائے، نظریں حمزہ پر جمائے، دل میں اس کے الفاظ دہراتی رہی۔

تھینک یو... تھینک یو!

مگر اس تھینک یو کے لیے وہ شیری کی قرض دار ہو گئی تھی۔

****

فجر ہوئے چند ساعتیں گزری تھیں اور آہستہ آہستہ کالی چادر آسمان سے سرکنے لگی تھی۔ وہ دونوں گھر کے مین گیٹ سے نکل کر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے خالی سڑک پر آگے بڑھ رہے تھے۔ حیا سبز، سفید کڑھائی والی قمیص پہنے بالوں کو جوڑے میں باندھے اوپر اسٹالر لپیٹے ہوئے تھی جبکہ شیری نارنجی ڈریس شرٹ کے ساتھ دونوں ہاتھ جیبوں میں اڑیسے اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ رفتار دونوں کی سست تھی کیوں کہ آج وہ یہاں واک نہیں بلکہ باتیں کرنے آئے تھے۔ حیا اسے اپنے گھر، باپ اور بھائیوں کے بارے میں بتا رہی تھی اور بدلے میں وہ اپنی کہانی سنا رہا تھا۔ اور اب شیری کی ڈرگ کی عادت زیر بحث تھی۔

"دوائیوں سے کوئی فرق محسوس ہوتا ہے؟" وہ عام سے انداز میں ہوچھ رہی تھی,بالکل ایک دوست کی طرح. شیری نے کندھے اچکائے. "شاید ہاں,شاید نہیں." اور حیا مسکرا دی. "جب بھوک لگتی ہے تو جسم کی ڈرگ کی طلب بڑھ جاتی ہے. آئی لوز کنٹرول" آواز میں بے بسی در آئی تھی.

"چلو کوئی نہیں!ہو جاؤ گے بہتر." وہ اسے تسلی دے رہی تھی. وہ زخمی سا مسکرایا.

"حمزہ بھائی تو ناراض ہوں گے."

اونہوں! نفی میں گردن ہلاتے وہ رکی. "وہ پریشان ہے."

"میں کیا کروں بھابھی!یہ میرے کنٹرول میں نہیں ہے,میرے جسم میں سوئیاں چبھنے لگتی ہیں,میں بے بس ہو جاتا ہوں." وہ واقعی تکلیف میں لگ رہا تھا.

"اور کیا لگتا ہے؟" حیا اسے سننا چاہتی تھی تو پوچھتی گئی اور وہ سب بتاتا گیا.سورج کی کرنیں افق سے نمودار ہونے لگیں,تو وہ واپسی کے لیے مڑ گئے. آج اس نئے امتحان کا پہلا دن تھا.شیری ہلکا محسوس کر رہا تھا جبکہ حیا کے کندھوں پر بوجھ بڑھ گیا تھا.اسے شیری کو اس عذاب سے نکالنا تھا.

****

وہ اپنے کمرے سے ملحق اسٹڈی روم میں بیٹھا علی کی بھیجی فائل,جس میں موجودہ کیس کی تفصیلات تھیں ان کو پڑھ رہا تھا,جب اس کا فون بجا. نظریں فائل پر جمائے اس نے ہاتھ بڑھایا اور پھر ایک نظر اسکرین کو دیکھا.

ثقلین کالنگ.

"اسلام علیکم ثقلین صاحب." وہ اب ایک بازو میز پر پھیلائے دوسرے سے فون سن رہا تھا.دوسری طرف سے حال احوال پوچھا گیا تو وہ مسکرا کر بولا.

"میں بہتر ہوں اور جانتا ہوں آپ نے فون صرف میری خیریت پوچھنے کو نہیں کیا تو مدعے پر آئیں." مسکراہٹ بر قرار رہی.

"ٹھیک ہے میں چکر لگاتا ہوں ایک دو دن میں."

"اوکے. اسلام علیکم" فون کان سے ہٹا کر سامنے کیا, استہزائیہ سر ہلایا اور ایک طرف میز پر ڈال دیا.

" سمجھتے ہیں پولیس ان کی ملازم ہے." دوبارہ فائل کھولتے وہ بڑبڑایا.

اب حمزہ کے کمرے میں دیکھو تو حیا بہت سے کاغذ سامنے پھیلائے بیڈ پر بیٹھی تھی. ہر کاغذ پر ایک الگ کہانی, الگ پوائنٹس نوٹ کیے گئے تھے. وہ شیری کو اعتماد میں لے رہی تھی. وہ پین دانتوں مین دبائے مختلف نکات پر غور کر رہی تھی جب کھانے کی ہلکی مہک اسے محسوس ہوئی, حمزہ نے ابھی لنچ کیا تھا اور شیری ویسے ہی کچھ نہیں کھاتا تھا. وہ متجسس سی بال باندھتے باہر نکلی سیڑھیاں اتر کر کچن کے دروازے تک پہنچی تو خوشگوار حیرت سے شیری کو دیکھا وہ کھانا گرم کر چکا تھا اب پلیٹ میں نکال رہا تھا.

"تم کھانا کھانے لگے ہو؟" وہ واقعی حیران ہوئی تھی.

"جی." خاموش سا وہ سر جھکائے دو پلیٹیں ڈش میں رکھے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا. حیا کو چند سیکنڈ لگے اس شاک سے نکلنے میں. ابھی تو اس نے کاؤنسلنگ شروع بھی نہیں کی تھی. اور شیری میں بدلاؤ آنے لگا تھا. سر جھٹکتی, مسکراتی وہ دوبارہ اپنے کمرے کی طرف بڑھی ابھی وہ آخری اسٹیپ پر تھی جب حمزہ کی اسٹڈی کا دروازہ کھلا اور وہ مصروف سا موبائل پر جھکا باہر آیا. یہ خوشگوار نیوز حمزہ کو دینا ضروری تھی تو وہ رکی.

"پتا ہے, شیری کھانا لے کر کمرے میں گیا ہے, وہ بدل رہا ہے." حمزہ نے سر اٹھایا. "گڈ." کہتے اس نے اپنے کمرے کے دروازے کو اندر دھکیلا اور پھر برق رفتار سے واپس مڑا.

"کیا کہا؟ شیری کھانا لے کر کمرے میں گیا ہے؟"

"ہاں اور..." وہ چہکتی آگے بھی بتانا چاہتی تھی مگر حمزہ اس کی بات سنے بغیر نیچے کی طرف بھاگا. حیا کو سمجھ نہیں آیا وہ خوش ہوا ہے یا پریشان.

"شیری دروازہ کھولو." آج پھر وہ اس کا دروازہ بجا رہا تھا. اندر سے کوئی جواب نہیں آیا. "شیری اگر تم نے کچھ لیا. تو بلیو می دوبارہ کبھی تمہیں میری شکل دیکھنے کو نہیں ملے گی. شیری.. شیری.." حیا ہکا بکا سیڑھیوں پر کھڑی تھی. اندر مکمل خاموشی تھی. ""شیری دروازہ کھولو." اب کہ وہ حلق کے بل چلایا. دروازہ بند رہا. تو اس نے دروازے کو اپنے کندھے سے دھکیلنا شروع کر دیا. حیا اب اس کے پیچھے کھڑی تھی.

نہیں نہیں. وہ بڑبڑاتا پیچھے ہٹا. سیڑھیاں پھلانگتا اپنے کمرے میں گیا اور پھر واپس آیا, دروازے پر ہاتھ رکھ کر دھکیلا اور دروازہ کھلتا چلا گیا, اندر قدم رکھتے ہی دائیں طرف گردن گھماؤ تو وہاں شیری بیڈ پر اوندھے منہ پڑا تھا. کھانے کے برتن میز پر پڑے تھے اور وہ خالی تھے. حمزہ نے شیری کو پیچھے کالر سے پکڑ کر کھینچا, اس کی آنکھوں میں سرخ دھاریاں ابھری ہوئی تھیں.

"کیوں کیا تم نے یہ شیری." وہ دانتوں کو جکڑے رنج سے بولا. مگر شیری اس وقت ہوش میں نہیں تھا. اس نے زرا سی آنکھیں کھولیں, دھندلا سا حمزہ کا سایہ نظر آیا اور دوبارہ آنکھیں بند ہو گئیں. حیا دم سادھے دروازے میں کھڑی تھی. اب حمزہ اس کی جیبیں چیک کر رہا تھا, وہاں کچھ نہیں تھا. میز, میز کے دراز کہیں کچھ نیا نہیں تھا اور پھر حمزہ نے شیری کو بیڈ کے دوسری طرف دھکیلتے میٹرس اٹھایا نیچے دو سفید پڑیاں تھیں, جن میں سے ایک کھلی پڑی تھی. اس نے دونوں پیکٹ مٹھی میں بھینچے, میٹرس اپنی پوری قوت سے بیڈ پہ مارا, اور قدم اٹھاتا دروازے کی طرف بڑھ گیا, حیا نے اسے دیکھ کر نظریں جھکا لیں. وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی شیری یہ کرے گا. حمزہ اسے دیکھے بغیر ساتھ والے کمرے کی سیڑھیاں اترتا بیسمنٹ میں غائب ہو گیا, تین لوگوں کو وہ پہلے ہی کھو چکا تھا اور آج شیری نے

بھی موت کا رستہ چن لیا تھا. آج وہ اس دن سے زیادہ نڈھال لگا تھا جب اسے گولیاں لگی تھیں, بے انتہا تکلیف تھی جو حمزہ کو اپنے سینے میں محسوس ہو رہی تھی.

****

سورج تپ تپ کر اداس پڑنے لگا تو افق کی اوٹ میں منہ چھپانے لگا. اس حویلی نما گھر کی دیواروں پر بھی اداسی یوں ہی پر پھیلائے بیٹھی تھی.

سیڑھیاں اترتے بیسمنٹ میں جاؤ تو وہاں حمزہ کانفرنس میز کی سربراہی کرسی پر بیٹھا بال پوائنٹ انگلیوں میں گھماتا, ٹانگ پر ٹانگ جمائے دور کسی غیر مرعی نقطے کو گھور رہا تھا, آنکھیں سرخ تھیں, چبھن آنکھوں سے لے کر سینے تک سرایت کر چکی تھی. تکلیف سی تکلیف تھی. سارے رشتے دیکھتے ہی دیکھتے اس کے ہاتھوں سے نکل گئے تھے. کیا تھا جو وہ سب کو بچا پاتا. سارے کاش, اگر اس کے چاروں طرف آ کھڑے ہوئے تھے. کاش وہ رانیہ کے ان ڈراؤنے خوابوں کو سمجھ پاتا, کاش وہ اپنی ماں کے اندیشوں کو سمجھ لیتا, کاش اس دن وہ خود اس گاڑی میں نکلا ہوتا اور ایسا کچھ ہوتا ہی نہ اگر وہ پولیس جوائن ہی نہ کرتا. اور کاش وہ شیری کو اپنے ساتھ کبھی کام کرواتا ہی نہ, اسے اپنی ٹیم کا حصہ ہی نہ بناتا, اسے اس مشن پر بھیجتا ہی نہ. وہ ان سب کا مجرم تھا یہ خیال از سر خود تکلیف دہ تھا.

"میں کیوں ہر بار ایک سی غلطی کرتا ہوں." اس نے کہنیاں میز پر ٹکاتے سر ہاتھوں میں گرا لیا.

اب زینے چڑھتے حمزہ کے کمرے میں جاؤ تو بیڈ کے دوسری طرف وہ جائے نماز بچھائے بیٹھی تھی. عصر کی نماز پڑھ کر وہ اب ہاتھوں کو دعا کے لیے اٹھائے ہوئی تھی.

"اے اللہ! میں اتنی عقل مند نہیں ہوں کہ اپنا اس دنیا میں بھیجے جانے کا مقصد سمجھ سکوں, پلیز مجھ سے کوئی کام لے لے, ایسا کام جو میری اور مجھ سے جڑے لوگوں کی زندگی بدل لے. پلیز اللہ جی, بے شک آپ ہی ہیں جو

اندھیرے میں روشنی دکھاتے ہیں۔" ہاتھ منہ پر پھیرتی وہ کھڑی ہوئی گئی۔ بیڈ پر بکھرے کاغذ سمیٹے اور زینے اترتی لاؤنج میں آگئی۔

وہاں ویسی ہی ویرانی چھائی تھی, سر جھٹکتی وہ کچن کی طرف آئی۔ فریج سے ٹھنڈے پانی کی بوتل نکال کر پانی گلاس میں انڈیلا اور سلیب سے ٹیک لگاتے اپنے اندر اتارا۔ ونڈو سے باہر نظر پڑی تو حمزہ کو بیرونی دروازے کی طرف جاتے دیکھا۔ پھر ایک نظر شیری کے کمرے پر ڈالی, دروازہ اب بند تھا یا شاید لاک!

گہرا سانس باہر خارج کرتے وہ اسٹوو کی طرف مڑی اور رات کے کھانے کی تیاری کرنے لگی۔

اپنے کمرے میں شیری اب بھی بے سدھ پڑا تھا, ڈرگ اس کے جسم میں سرایت کر چکی تھی اور عجیب تسکین تھی جو اس کے رگ و جاں میں اتری ہوئی تھی, کسی چیز کا ہوش نہیں تھا بس سکون تھا بہت سکون۔ مگر موت سے پہلے کا سکون!

****

پب کی باہر سے خستہ حال نظر آنے والی عمارت سر جھکائے رنگ برنگی دکانوں کے بیچ کھڑی تھی۔ اندر وہ ہی مدہوشی کا عالم تھا, لڑکے لڑکیاں نشے میں دھت میزوں اور ڈانس فلور پر اپنی پر سکون دنیا میں مگن تھے۔ وہ بھی ایک میز پر ٹانگیں لمبی کیے لیٹنے کے سے انداز میں بیٹھا تھا۔ تبھی وہ ہی حسین لڑکی آنکھوں میں گہرا کاجل لگائے اس کے سامنے آکر بیٹھ گئی۔

"پریشان لگتے ہو۔" حمزہ کے میز پر دھرے ہاتھ پر اس نے اپنا ہاتھ رکھا۔ اور وہ چونکا پھر زخمی سا مسکرایا۔"

"ہوں! سکون نہیں ہے۔ سکون کے لیے آیا ہوں۔" وہ اب سیدھا ہو کر بیٹھ گیا تھا۔ "ابھی سکون لے آتے ہیں۔"

لڑکی نے ویٹر کو وی بنا کر دو ڈرنکس لانے کا اشارہ کیا اور خود دونوں ہاتھ ٹیبل پر رکھ کر آگے کو جھکی۔ وہ کچھ بول رہی تھی, مگر حمزہ تو وہیں اٹکا تھا, وہ دو سفید پڑیاں, شیری کا مدہوش جسم, اپنے بھائی کو یوں دیکھنا واقعی تکلیف دہ تھا!

لڑکی نے چٹکی بجائی. تو وہ ہوش میں آیا. میز پر کوک جیسا مشروب پڑا تھا. حمزہ نے سوالیہ نظروں سے لڑکی کو دیکھا جو اپنا گلاس اب ہونٹوں سے لگا رہی تھی.

"لو. پر سکون ہو جاؤ گے. ہر پریشانی اور غم سے آزاد." وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی. ہاں ہر پریشانی سے آزادی ہی تو چاہئیے تھی. حمزہ نے ہاتھ بڑھا کر گلاس تھاما. اسے سامنے رکھ کر انگلیوں میں گھمانے لگا. یکایک گلاس کے شیشے میں شیری بیڈ پر بے سدھ پڑا نظر آیا. پر سکون, دنیا جہاں سے بے خبر. وہ کتنی ہی دیر اس گلاس کو دیکھتا رہا. اور پھر آہستہ سے گلاس کو اس کے منہ سے اٹھایا اور میز کی سائڈ پر چھوڑ دیا. گلاس چکنا چور ہو گیا, لڑکی نے گھبرا کر اسے دیکھا جو اب چابیاں جیب میں ڈال کر کھڑا ہو رہا تھا, لڑکی پھر کچھ کہہ رہی تھی وہ خفا نظر آتی تھی مگر حمزہ نہیں سن رہا تھا, دو نوٹ جیب سے نکال کر میز پر رکھے اور باہر کی طرف بڑھا. اس نے جان لیا تھا, اسے سکون نہیں شیری چاہئیے تھا اور شاید اسی میں سکون تھا.

اور سکون کب چیزوں سے بھاگنے میں ملتا ہے یہ ان کے مستقل حل سے ملتا ہے. غلط کو درست کرنے سے اور تکلیف دہ درست چیزوں کو قبول کرنے سے ملتا ہے!

****

اس کا سن ہوا جسم اب اپنی پہلی سی کیفیت میں لوٹنے لگا تھا. حواس بحال ہو رہے تھے. وہ بیڈ پر اوندھے منہ پڑا تھا. جب کسی نے دروازہ کھولا, اس نے کروٹ لی, آنکھوں کو مسلتے ہاتھ ہٹایا, دھندلا سا ہیولہ دکھائی دیا. وہ آنکھیں مسلتا اٹھ بیٹھا, اور آنکھیں سکیڑ کر دیکھا, دماغ کو سامنے کھڑے انسان کو پہچاننے میں کچھ وقت لگا. وہ حیا تھی.

"سارا دن یہیں پڑے رہنا ہے اب؟ نہا کر فریش ہو جاؤ. میں تمہارے لیے شیک بنا رہی ہوں." سپاٹ سا کہتی وہ واپس چلی گئی. وہ گرتا پڑتا کھڑا ہوا. اور سیف سے سیاہ شرٹ اٹھاتا واش روم میں گھس گیا. پانچ منٹ بعد وہ باہر نکلا تو پہلے سے تر و تازہ محسوس ہوتا تھا.

وہ باہر لاؤنج میں آیا, نظریں ادھر ادھر کسی کو ڈھونڈ رہی تھیں. حیا نے گلاس کھانے کی میز پر رکھے تھے. اور وہیں اس کا انتظار کر رہی تھی. حیا کو دیکھ کر وہ سر جھٹکتا اس کے عین سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا. اور اب شیک کو گھونٹ گھونٹ پی رہا تھا, حیا کی نظریں اسی پر جمی تھیں. اسے یوں اپنی طرف دیکھتے پا کر وہ نظریں چرا گیا.

"حمزہ تمہیں لے کر بہت پریشان ہے, شیری وہ بہت پریشان ہے." حیا نے ایک ایک لفظ پر زور دیا. شیری نے سر جھٹکا. "یہ میرے بس میں نہیں ہے اور.." وہ آگے بھی وضاحت دیتا مگر حیا نے اس کی بات کاٹ دی.

"کس کے بس میں ہے شیری؟"

" ہاں؟" وہ نا سمجھی سے اسے دیکھ رہا تھا.

"میں پوچھ رہی ہوں, تم کس کے بس میں ہو؟" شیری خاموش رہا. "کیا یہ ڈرگ تم سے زیادہ طاقت ور ہے؟" وہ اب بھی خاموش تھا, مگر جس پر بیتے وہ زیادہ جانتا ہے کہ اس ڈرگ کی طلب کتنی تکلیف دہ ہے. وہ اٹھ کر دوبارہ کمرے میں چلا گیا.

حیا کچھ دیر یوں ہی بیٹھی رہی. پھر عشاء پڑھنے کمرے میں چلی گئی. نماز پڑھ کر وہ کچن میں آگئی اور رات کے کھانے کی تیاری کرنے لگی. کھانا بن چکا تو وہ دوبارہ کمرے میں چلی گئی.

نیچے بیسمنٹ میں جاؤ تو اب وہاں حمزہ, علی, سمایا اور شیروان موجود تھے. عنایا اور زویان ایک کیس کے سلسلے میں شہر سے باہر تھے. سمایا ان کو موجودہ کچھ کیسز کے بارے میں بریف کر رہی تھی. سمایا کی آواز کے باوجود وہاں عجیب سی خاموشی تھی. اور پھر اس خاموشی کو شور نے توڑا, برتنوں کے شور نے. سیکنڈ کے دسویں حصے میں وہ پہچان سکتے تھے یہ شور کیسا ہے. حمزہ فوراً زینے چڑھتا لاؤنج میں گیا اس کے پیچھے باقی لوگ بھی وہاں آ گئے. حیا ابھی کمرے سے نکلی تھی اور اب سیڑھیاں اتر کر کچن مین ان سب کے پیچھے پہنچی. منظر واضح تھا. پورا کچن بکھرا پڑا تھا. حمزہ دونوں ہاتھوں سے شیری کو جکڑے ہوا تھا. پر شیری کی زبان پر ایک ہی جملہ تھا.

"وہ پیکٹ کہاں ہیں, مجھے میرے پیکٹ دیں. مجھے میرے پیکٹ چاہئیے" وہ کبھی چیخنے لگتا, کبھی بے بسی سے منت کرنے لگتا.

"شیری بس کر دے یار. نہ کریوں. "حمزہ اسے قابو کیے ہوئے تھا. " آپ نے ہی لیا ہے وہ. مجھے یاد ہے آپ آئے تھے, مجھے میرا پیکٹ واپس چاہئیے. "وہ چلایا اور پھر یک دم ڈھیلا پڑھتا حمزہ کی طرف مڑا. اس کے ہاتھوں کو تھامے وہ بے بسی سے منتیں کر رہا تھا. "پلیز حمزہ بھائی بس ایک بار. پلیز. میرا جسم ٹوٹ رہا ہے. پلیز حمزہ بھائی ایک بار. "پھر وہ کچن ونڈو کے باہر کھڑی حیا کی طرف مڑا. "بھابھی پلیز کہیں ان سے پلیز. بس ایک بار. "حمزہ ایک ہاتھ سے ماتھا پکڑے, آنکھیں سختی سے بند کیے کھڑا تھا. سب کتنا بدل گیا تھا. شیری کتنی اذیت میں تھا. یوں ہی چیختا, منتیں کرتا وہ حمزہ کی طرف واپس مڑا اور حمزہ نے اسے بازوؤں سے تھام لیا.

"بات سنو شیری! میری بات سنو. "

"تم ٹھیک ہو جاؤ گے, ہم ڈاکٹر کے پاس جائیں گے, تم ٹھیک ہو جاؤ گے. "وہ اسے بازوؤں سے ہلاتے کہہ رہا تھا. مگر شیری کب کسی کی سن رہا تھا. اس کی تکلیف بڑھ رہی تھی. "نہیں بھائی, مجھے سوئیاں چبھ رہی ہیں, میرا جسم نڈھال ہو رہا ہے. بھائی میں مر جاؤں گا اگر آپ نے وہ پیکٹ مجھے نہ دیا. "پھر اس نے حمزہ کے ہاتھ اپنے بازوؤں سے جھٹکے.

"مر جاؤں گا میں. سنا آپ نے. اگر آپ نے مجھے وہ نہیں دیا تو میں مر جاؤں گا. "اور تب زناٹے دار تھپڑ شیری کے منہ پر پڑا اور وہ ہل کر رہ گیا. علی نے آگے بڑھ کر حمزہ کو روکنا چاہا مگر حمزہ نے دور سے ہی ہاتھ اٹھا دیا.

"بہت ہو گیا اس کا تماشہ. ایسا بھی کیا ہو گیا جو یہ پاگل ہوا جا رہا ہے. نشئی بن گیا ہے یہ. میں نے یہ سب تو نہیں سکھایا تھا اس کو. "حیا یک ٹک ان کو دیکھتی رہی.

"اسے اتنا لحاظ نہیں کہ میں کتنی تکلیف میں ہوں,"

پھر اس نے انگلی شیری کی طرف اٹھائی, "اب اگر میں نے تمہارے منہ سے اس چیز کا نام بھی سنا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا. سمجھے تم؟" آخری دو الفاظ پر وہ دھاڑا. اور لمبے ڈگ بھرتا, زینے پھلانگتا اپنے کمرے میں جا کر دروازہ زور سے بند کر دیا.

وہ تھپڑ شیری کے منہ پر نہیں وہاں موجود لوگوں کے دلوں تک ضرب لگا کر گیا تھا. جیسے سب تڑپ اٹھے تھے. وہ آگے بڑھ کر شیری کو گلے لگانا چاہتے تھے, حوصلہ دینا چاہتے تھے, بہت کچھ تھا کہنے کو مگر الفاظ زبان تک نہ آتے تھے. شیری ان سب کو نظر انداز کرتا اپنے کمرے میں غائب ہو گیا. سب عجیب کشمکش میں تھے جب حیا نے ان کو مخاطب کیا.

"کھانا کھا کر جایئے گا آپ لوگ." علی بمشکل مسکرایا.

"مجھے فریحہ کو تھانے سے پک کرنا ہے. میں چلتا ہوں."

حیا اداسی سے مسکراتے اس کو دروازے تک چھوڑ کر آئی. دروازہ بند کر کے حیا شیروان اور سمایا کی طرف متوجہ ہوئی جو اب تک کچن کے باہر ہی کھڑے تھے.

"ہم بھی نکلتے ہیں بھابھی." وہ اکٹھے باہر آئے.

"لیکن مجھے تو شیری کے دوستوں سے بات کرنی تھی." وہ سینے پر بازو باندھے ان کو دیکھ رہی تھی. اور دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور کچھ کہے بغیر لاؤنج میں پڑے صوفوں پر بیٹھ گئے.

حیا حمزہ کا کھانا اس کے کمرے میں ہی دے آئی تھی, جانتی تھی اب وہ باہر نہیں آئے گا. سمایا نے میز پر برتن لگائے اور اب وہ تینوں میز پر اس طرح سے بیٹھے تھے کہ ایک طرف حیا بیٹھی تھی اور اس کے سامنے شیروان اور سمایا ایک ساتھ بیٹھے تھے. کھانے کے بیچ وہ ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے, حمزہ اور شیری کا کمرہ بدستور بند رہا. تبھی حیا نے سرسری شیری کا ذکر کیا.

"شیری سے ملنے نہیں آتے اب تم لوگ۔" وہ مسکراتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ کچھ سیکنڈ خاموشی رہی پھر شیروان بولا۔ "اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہوتی تو ہم اسے ڈسٹرب نہیں کرتے۔" حیا نے سمجھتے ہوئے سر ہلایا۔ "ہوں!" سمایا چمچ پلیٹ مین رکھتے ہوئے ہچکچاتے ہوئے بولی۔ "بھابھی! حمزہ سر، شیری کو ڈاکٹر کے پاس لے کر کیوں نہیں جاتے؟" حیا نے اپنی پلیٹ چھوڑی دونوں بازو میز پر رکھتے ہاتھ باہم ملائے۔

"پتا ہے سمایا! ڈرگ اڈکشن کیوں ہوتی ہے؟"

"ڈرگ استعمال کرنے سے۔" وہ فوراً بولی۔ حیا نے نفی میں سر ہلایا۔

"اونہوں! اڈکشن پر جو پہلی ریسرچ ہوئی تھی اس کے مطابق اڈکشن نشہ آور چیز کے استعمال سے ہی ہوتی ہے۔ ہیروئین ہم سب نے نام سنا ہے۔ اس کے 20 دن استعمال سے انسان کا جسم اس کا عادی ہو جاتا لیکن تمہیں پتا ہے جب کسی کی ہڈی ٹوٹتی ہے تو ہسپتال میں ایک دوا ان کو دی جاتی ہے Diamorphine۔ پتا ہے یہ کیا ہے؟" وہ چپ ہوئی اور سمایا جھٹ سے بولی۔ "ڈرگ۔" حیا نے اثبات میں سر ہلایا۔ کھانا تقریباً کھایا جا چکا تھا۔

"یہ ہیروئین کا دوسرا نام ہے، اور یہ ہیروئین بازاروں اور گلیوں میں ملنے والی ہیروئین سے کئی گنا زیادہ پیور اور اسٹرونگ ہوتی ہے۔ تو تم کیا کہتے ہو ہسپتال میں مہینوں علاج کے لیے پڑے رہنے والے لوگ اس ہیروئین کے عادی ہو جاتے ہوں گے؟" اس نے دونوں کو باری باری دیکھا۔ پھر پچھلی بات کو وہیں چھوڑا اور آگے بڑھی۔

"ویت نام کی جنگ میں فوجیوں کا ڈر بھگانے، گھر والوں کی یاد مٹانے اور ان کی ہمت بڑھانے کے لیے انہیں ہیروئین دی جاتی تھی۔ لوگ پریشان تھے کہ جب یہ لوگ جنگ سے واپس آئیں گے تو سب ہیروئین کے عادی ہو چکے ہوں گے۔ مگر جب جنگ سے واپس آئے تو حیران کن طور پر ان میں سے کوئی بھی اس نشے کا عادی نہیں ہوا تھا بلکہ انہوں نے خوش حال زندگی گزاری۔ اسی طرح ہسپتال میں پڑے مریض بھی اس پیور ہیروئین کے مہینوں استعمال کے باوجود اس کے عادی نہیں ہوتے۔" اس نے گہرا سانس خارج کیا۔"

"پتاہے کیوں؟ کیونکہ انسان معاشرتی جانور ہے,اس کی فطرت ہے کہ یہ لوگوں سے بانڈ بناتا ہے. یہ لوگ واپس اپنے گھروں کو لوٹ آتے ہیں جہاں ان کی فیملی دوست ان کے منتظر ہوتے ہیں."

اڈکشن کوئی کیمیکل یا پاؤڈر نہیں ہے یہ پنجرہ ہے. جب تک ہم خوش ہوتے ہیں ہم لوگوں سے بانڈ بناتے ہیں مگر جب ہم زندگی میں کسی وجہ سے ناکام ہو جاتے ہیں, پریشان ہوتے ہیں تو ہم اس پنجرے میں آجاتے ہیں اور اکیلا انسان پھر دوسری چیزوں کے ساتھ بانڈ بنالیتا ہے پھر چاہے وہ موبائل ہو, سوشل میڈیا ہو, ناولز ہوں یا کوئی پاؤڈر یا کیمیکل ہو. ہم ان چیزوں سے بانڈ بنالیتے ہیں. ان فیکٹ کچھ لوگ خود کو کٹ لگانے کے عادی ہوتے ہیں کیونکہ ان کا بانڈ بن جاتا ہے."شیروان اور سمایا نے آخری بات پر جھرجھری لی. حیا نے ان کو متوجہ کیا.

"لیکن یہ اَن ہیلتھی بانڈ ہیں اور ان اَن ہیلتھی بانڈز کو ختم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم ہیلتھی بانڈ بنائیں. اڈکشن کیمیکل سے نہیں بلکہ اچھے لوگوں کے آس پاس نہ ہونے کی وجہ سے ہو جاتی ہیں. اینڈ یو نو 1950 کے بعد لوگوں کے ایورج قریبی دوستوں کی تعداد گھٹتی جا رہی ہے. جس وجہ سے ہماری اڈکشنز بڑھتی جا رہی ہیں. اور ایک صدی سے ہم جو ڈرگ کے خلاف جنگ لڑ رہے ہیں, یہ جنگ ہی غلط ہے. ہم نشے کے عادی لوگوں کو سوسائیٹی سے ہی باہر نکال کھڑا کرتے ہیں, ان کو جاب نہیں دیتے, وہ چوریاں کرنے لگ جاتے ہیں, جیل چلے جاتے ہیں, وہ تو آگے جیل میں ہیں بھئی."وہ خفا سی بولی.

"ہمیں ایسے لوگوں کے ساتھ بانڈ بنانا ہے اور ریٹ پارک جیسا ماحول دینا ہے. (ریٹ پارک ایک تجربہ ہے جس میں بہت سے چوہوں کو ایک جگہ بند کر دیا گیا اور وہاں گیندیں, کھانا اور کھیلنے کے لیے مختلف چیزیں رکھی گئی اور ساتھ ہی نشہ آور اور سادہ پانی کی بوتلیں. پہلے تجربے کے برعکس چوہوں نے نشہ آور پانی بس ایک دوبار پیا. عادی نہیں ہوئے)

وہ چپ ہوئی. سمایا اور شیروان شرمندہ سے بیٹھے تھے.

"توشیری کے دوستو! کیا خیال ہے اب؟" وہ زیرلب مسکراتی رہی. اور سمایا شرمندہ سی کھڑی ہوئی اور میز کی دوسری طرف آکر حیا کو گلے سے لگایا.

"سوری بھابھی! ہم نے شیری کو اکیلا چھوڑ دیا." حیا کی مسکراہٹ گہری ہو گئی. اس نے سمایا کو خود سے الگ کیا. اور شیروان کی طرف متوجہ ہوئی جو کھڑا ہو چکا تھا. "کل ہم شیری کے ساتھ کہیں باہر چلیں گے. اور بالکل بھی اسے احساس نہیں ہونے دیں گے کہ وہ اکیلا ہے. ان فیکٹ کل سب پرانے دوستوں کا ایک گیٹ ٹوگیدر کرتے ہیں, کیا خیال ہے سمایا." وہ پرجوش سا بولا, سمایا اس کے ساتھ کل کا پلان ڈسکس کرنے لگ گئی اور حیا نے سکھ کا سانس لیا.

ایک مرحلہ سر ہو گیا تھا.

اور جب تم چاہو اللہ تم سے کوئی کام لے تو وہ ضرور تمہارے دل میں ڈال دیتا ہے تمہارا مقصد اور تم کامیاب ہوتے چلے جاتے ہو.

حویلی نما گھر تاریکی میں ڈوب چکا تھا, دو کمرے جو اس گھر کے باشندوں کے استعمال میں تھے, ان کے دروازے بند تھے. اس خاموشی میں کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دیتی تھی. آہٹ حمزہ کے کمرے کی طرف بڑھتی جا رہی تھی. کوئی دبے پاؤں کمرے میں داخل ہوا, اس کے قدم حمزہ کی طرف تھے. وہ سینے کے بل سویا پڑا تھا. سیاہ ہیولا اس کے اور قریب ہو گیا, سیف کا دروازہ خاموشی سے کھولا, چیزوں کو ٹٹولہ اور ایک نظر مڑ کر سوئے ہوئے حمزہ کو دیکھا. وہاں مطلوبہ چیز نہیں ملی تو آہستہ سے ہاتھ حمزہ کے پاس پڑے سائیڈ ٹیبل کی طرف بڑھایا, اوپر والی دراز میں کچھ کاغذ تھے, مطلوبہ شے یہاں بھی نہیں تھی. سیاہ ہیولہ جھک کر نچلی درز کو کھولنے کی کوشش کرنے لگا وہ لاکڈ تھی. وہ پھرتی سے سیف کی طرف مڑا, چابیاں اٹھائی اور دراز کھولنے لگا. پہلی دو چابیاں دراز میں نہیں لگی اور تیسری اندر ڈالتے ہی دراز کھل گیا. ایک پرسکون سانس لیا گیا اور مطلوبہ شے کے لیے دراز میں ہاتھ مارا. سفید پاؤڈر والے پیکٹ اب ہاتھ میں تھے. دراز کو آرام سے بند کر کے ہیولہ دروازے سے باہر نکلا اور محتاط قدم چلتے کمرے سے دور چلا گیا.

****

رات کے کسی پہر حیا کی آنکھ کھلی,اس نے ایک نظر ساتھ پڑے حمزہ کو دیکھا,سوتے ہوئے بھی ماتھے پر بل پڑے تھے. حیا نے ایک گہری سانس اندر کو کھینچی. دھڑکتے دل کے ساتھ انگوٹھا اور شہادت کی انگلی اس کے ماتھے پر اس طرح سے رکھے دونوں ایک ایک آنکھ کے اوپر تھے اور پھر دونوں کو مخالف سمت میں کھینچا. سلوٹ ختم ہو گئے,وہ مسکرائی. ہاتھ ہٹایا تو وہ دوبارہ پہلے کی طرح ہو گئے. یہ کھیل مزے کا تھا. مگر اس سے ضروری کام اس کے پاس تھا. وہ اس کے کان کے پاس جھکی اور سرگوشی کی. "کھڑوس." ابھی وہ سیدھی نہیں ہوئی تھی کہ حمزہ کروٹ لینے کو مڑا اور وہ ڈر کر دوبارہ لیٹ گئی اور آنکھیں بند کر لیں. کچھ وقت ایسے ہی گزر گیا. پھر اس نے پہلے ایک آنکھ کھولی,حمزہ کو دیکھا وہ سویا پڑا تھا,پھر دونوں آنکھیں کھول کر دبے پاؤں کمرے سے باہر نکل آئی,اس دن کے بعد دروازہ دوبارہ لاک نہیں ہوا تھا.

شیری کے کمرے کا دروازہ بند تھا,حیا نے اسے باہر سے کھولا,اندر جھانکا,کمرہ روشن تھا اور وہ بیڈ کے کونے میں اوندھے منہ لیٹا تھا,دروازہ کھلنے کی آواز پر چونک کر اٹھا,حیا کو دیکھا اور دوبارہ لیٹ گیا. "دیکھنے آئی ہیں کہ میں زندہ ہوں کہ مر گیا." وہ بے زاری سے بولا تو حیا واپس مڑ گئی اب کہ جب آئی تو ہاتھ میں کھانے کی ٹرے تھی. ٹرے کو بیڈ پر رکھ کر وہ خود بھی وہیں بیٹھ گئی. شیری منہ بنا کر لیٹا رہا.

"کھانا کھالو." وہ آہستہ سے بولی. اور شیری برق رفتار سے اٹھا اور قریباً چیختے ہوئے بولا. "میں اپنے پیکٹ کے بغیر کھانا نہیں کھاؤں گا." اور حیا تو گویا کرنٹ کھا کر اس کی طرف مڑی. "آہستہ بولو. اگر حمزہ نے سن لیا نا تو تمہارے ساتھ مجھے بھی وہ گھر سے نکال پھینکے گا." وہ اسے ڈرا رہی تھی اور وہ ڈر بھی گیا تھا تو اب کہ قدرے آہستہ بولا.

"مجھے نہیں کھانا یہ."

"اچھا میری بات بھی نہیں سنو گے؟"

"مجھے کسی سے بات نہیں کرنی آپ جائیں."

"اور اگر میں تمہیں وہ پیکٹ دوں تب بھی نہیں؟" وہ یاسیت سے اسے دیکھ کر بولی. اور شیری کی آنکھیں چمکی مگر وہ چمک فوراً ماند پڑ گئی.

"میں بیوقوف نہیں ہوں, آپ سب تو چاہتے ہیں میں ڈرگ چھوڑ دوں تو کیوں آپ مجھے وہ دیں گی؟" وہ خفا سا بولا اور حیا نے اپنے دوپٹے میں سے ہاتھ نکال کر دور سے اسے پیکٹ دکھایا. شیری کے گلے میں گلٹی ڈوب کر ابھری اس نے پیکٹ جھپٹنے کے لیے ہاتھ بڑھایا مگر حیا نے پیچھے کر لیا. "میری دو شرطیں ہیں." اور پیاسے کو تو ہر شرط منظور تھی. اس نے فوراً سر ہلایا.

"پہلی, یہ پیکٹ میرے پاس رہیں گے, میں خود تمہارے کھانے میں یہ ملا دیا کروں گی." شیری اب کہ بھی بس سر ہلاتا رہا.

"اور دوسری صبح ہم واک پر چلیں گے." شیری کو دونوں شرطیں منظور تھیں. حیا نے کھانے کی ٹرے آگے کی, پیکٹ میں سے کچھ سفید پاؤڈر کھانے پر چھڑکا اور اسے اچھی طرح مکس کر کے شیری کی طرف بڑھایا. وہ کھانا کھاتا رہا یہاں تک کہ پلیٹ خالی ہو گئی اور سکون اس کے جسم میں اترنے لگا. وہ تھوڑی دیر یوں ہی بیٹھا رہا. اور پھر اس پر غنودگی چھانے لگی.

حیا برتن سمیٹتی باہر نکلی اور پھر ٹھٹھکی. چہرہ سفید پڑ گیا, گویا سارا خون نچڑ گیا ہو, سامنے حمزہ کھڑا تھا. اس کے چہرے پر کرب سا کرب تھا. آنکھوں سے آگ کی لپٹیں نکل رہی تھیں. حیا کے گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی.

"حمزہ میں... کلئیر کر سکتی.." اس کے آواز ٹوٹ رہے تھے. حمزہ بس بت بنا کھڑا تھا. شیری کو ڈرگ پہنچانے والے سہولت کار اس کے اپنے گھر میں ہوں گے یہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا. اس کا دل چاہا وہ چیخے بہت چیخے, وہ غصے میں حیا کی طرف بڑھا وہ دو قدم پیچھے ہٹی, مگر اس سے پہلے ہی حمزہ نے رخ موڑا اور زینے پھلانگتا کمرے میں

چلا گیا. اور اب وہاں سے چیزوں کے ٹوٹنے, گرنے, مارنے کی آوازیں آ رہی تھیں. حیا نے برتن وہیں شیری کے کمرے میں رکھے, شیری نے ڈر کر حیا کو دیکھا. "بھابھی یہ آواز.." وہ اوپر اشارہ کرتے بولا. "تم سو جاؤ. میں دیکھتی ہوں. باہر مت آنا ورنہ حمزہ غصہ کرے گا." اسے تسلی دیتی وہ احتیاطاً اس کا کمرہ باہر سے بند کر کے اوپر آ گئی. درواز دھکیلا, منظر واضح ہوا. آج پھر پورا کمرہ بکھرا پڑا تھا. حمزہ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں بیڈ کی چادر میں دھنسائے بری طرح ہانپ رہا تھا, اس کا تنفس تیز تھا, آنکھیں سرخ پڑی تھیں. حیا اپنے پیر بچاتی ٹوٹی شیشیوں, گلدانوں سے ہوتی اس کے سامنے جا کر کھڑی ہو گئی. گو دل اس کا بری طرح دھڑک رہا تھا. مگر ہمت تو کرنی تھی. حمزہ نے قہر آلود نظر اس پر ڈالی. "صبح تم مجھے اس گھر میں نہیں چاہیئے." پھر انگلی اٹھائی. "میرے گھر میں تمہارے لیے کوئی جگہ نہیں ہے."

"حمزہ میں وضاحت دے سکتی ہوں." وہ انگلیاں مسلتی آگے ہوئی. "چپ. بالکل چپ." وہ اتنا زور سے دھاڑا, حیا سہم کر پیچھے ہوئی اور توازن برقرار نہ رکھ سکی, نیچے گری, ہاتھ پاس پڑی ٹوٹی شیشی پر لگا اور پورا ہاتھ سرخ ہوتا چلا گیا. خون بھل بھل نکلتا فرش پر گرنے لگا, حمزہ کے تنے اعصاب یک دم ڈھیلے پڑے, وہ ایسا نہیں چاہتا تھا. مگر وہ بیٹھا رہا. اب خون کے ساتھ آنسو بھی گر رہے تھے. وہ سسکیاں لے رہی تھی. حمزہ کا ہاتھ اپنی کنپٹی مسلنے لگا. کئی منٹ یوں ہی گزر گئے مگر حیا اپنی جگہ سے نہیں ہلی تو حمزہ کو کوفت ہونے لگی, خون مسلسل ہاتھ سے گر رہا تھا.

"میں تمہیں یوں ہرٹ نہیں کرنا چاہتا تھا. یہ بس غلطی سے ہوا." اس نے وضاحت نہیں مانگی تھی مگر وہ دے رہا تھا. وہ ننگے پاؤں فرش پر اترا, ڈریسنگ ٹیبل سے فرسٹ ایڈ باکس نکالا. اور حیا کی طرف بڑھایا. "کچھ لگا لو اس پر." وہ اسے دیکھے بغیر کہہ رہا تھا. حیا نے باکس نہیں پکڑا, وہ روئے جا رہی تھی. "اچھا اٹھو" اس نے جھک کر حیا کا بازو پکڑا اور اسے اوپر کو کھینچا, سسکیاں لیتی وہ کھڑی ہوئی, وہ یوں ہی بازو پکڑے اسے بیڈ تک لایا, اسے کراؤن کی طرف بٹھایا اور خود سامنے بیٹھ گیا. چوٹ والا ہاتھ بیڈ سے نیچے لٹکا رہا. اب وہ باکس میں سے روئی نکال کر ہاتھ پر رکھ رہا تھا

ماتھے کی تیوری اسی طرح چڑھی تھی. "تم دیکھ کر کھڑی نہیں ہو سکتی تھی؟" بڑی صفائی سے وہ اپنا کیا اس کے سر مل رہا تھا. حیا بس اپنے ہاتھ کو دیکھتی رہی اور بیچ میں ایک آدھ سسکی لے لیتی. آنسو اب تھم گئے تھے. ڈاکٹر من پسند ہو تو ہر مرض خود بخود ٹھیک ہو جاتا ہے. وہ سر جھکائے پٹی کس رہا تھا. "ٹھیک ہو جائے گا یہ." وہ خود ہی بولے جا رہا تھا. اور حیا بس اس کا جھکا سر دیکھ رہی تھی. خون حمزہ کے اپنے ہاتھوں پر لگ چکا تھا. اس سب میں وہ بھول گیا تھا کہ اس کے دراز سے ڈرگ نکال کر شیری کو پہنچانے والی اس کے سامنے بیٹھی یہ لڑکی ہی تھی. پٹی اچھی طرح کسی گئی تو وہ فرسٹ ایڈ باکس کو ڈریسنگ ٹیبل میں رکھنے کو اٹھا. وہ واپس مڑا تو حیا اسے ہی دیکھ رہی تھی. اس نے گہری سانس خارج کی. "یہ سب غلطی سے.. " اس سے پہلے کہ وہ مزید وضاحت دیتا حیا بول پڑی.

"میں نے اسے ڈرگ نہیں دی تھی."

"حیا میڈم میں آپکو شکل سے بیوقوف لگتا ہوں؟" ایک ہاتھ کمر پر رکھے دوسرا اس نے اپنے منہ پر گھمایا.

"میری دراز سے ڈرگ کی پڑیاں غائب ہیں. اور آپ شیری کو کھانا دے رہی تھیں, وہ پڑیاں آپ کے ہاتھ میں تھی. اور پھر کہتی ہو ڈرگ نہیں دی. کمال ہے!" وہ اب پاؤں سے بکھرے ٹکڑے ایک طرف کر رہا تھا.

"امریکہ کے ایک پچپن سالہ آدمی کو ایک کالا جادو کرنے والے نے شراپ دیا تھا کہ تم جلد مر جاؤ گے اور تمہیں کوئی بچا نہیں سکے گا." وہ اب بیڈ کو گھورتے ہوئے بولی. "مجھے نیند آرہی ہے." حمزہ نے منہ بنایا اور پیچھے صوفے پر لیٹنے کے سے انداز میں بیٹھ گیا. ٹانگیں آگے کو پھیلائی اور دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں دھنسائے سر کے نیچے رکھ لی. حیا نے اسکی عدم دلچسپی کو نظر انداز کیا اور اپنی بات جاری رکھی.

"دن بدن آدمی کی حالت بگڑتی گئی یہاں تک کہ اس کا تیس کلو وزن کم ہو گیا." وہ کسی ٹرانس سی کی کیفیت میں بولے جا رہی تھی. حمزہ نے آنکھیں بند کر لیں.

"اسے ہسپتال لے کر گئے, تمام رپورٹس کلئیر تھیں. جس ڈاکٹر کو اس کا کیس دیا گیا اس نے اس مریض کی بیوی سے علیحدگی میں پوچھا کہ کیا کچھ ایسا ہے جو اس سب کی وجہ ہے؟ اس نے بتایا کہ ایک کالے علم والے نے اسے موت کا شراپ دیا تھا. ڈاکٹر نے اگلے دن نرس سے ایک انجیکشن لانے کو کہا. اور مریض کو بتایا کہ میں اس کالا جادو کرنے والے سے ملا ہوں اسے پولیس کی دھمکی دی تو اس نے بتایا کہ اس نے تم پر چھپکلی کے انڈے پھینکے تھے ان میں سے ایک چھپکلی تمہارے جسم میں ہے اور اندر سے تمہیں ختم کر رہی ہے. اس انجیکشن سے تمہیں الٹی آئے گی. اور وہ چھپکلی باہر آجائے گی."

حیا نے گردن موڑ کر حمزہ کو دیکھا وہ بدستور ویسے ہی لیٹا تھا. جاگ رہا تھا یا نہیں وہ نہیں جانتی تھی مگر بات جاری رکھی.

"آدمی کو الٹی آئی اور ڈاکٹر نے آنکھ بچا کر اس میں چھپکلی ڈال دی. اس کے بعد حیرت انگیز طور پر وہ آدمی ٹھیک ہوتا چلا گیا اور لمبی زندگی جیا."

"ہم بیماریوں سے نہیں مرتے حمزہ! ہم اپنے دماغ کے ہاتھوں مرتے ہیں, یہ ہمیں یقین دلا دیتا ہے کہ اب ہم نہیں بچیں گے. اسی لیے ایک آدمی جب لیور کینسر سے مرا تو اس کے پوسٹمارٹم میں پتا چلا وہ ٹیومر تو بہت چھوٹا تھا, اور پھیل بھی نہیں رہا تھا. وہ آدمی اس لیے مرا کیونکہ اس نے سمجھ لیا تھا کہ وہ اس کینسر سے جلد مر جائے گا."

"حمزہ! شیری کے سامنے میں نے سفید پاؤڈر کھانے میں ملایا مگر وہ ڈرگ نہیں تھی, صرف اس جیسا پاؤڈر تھا. اور شیری کے دماغ نے مان لیا کہ وہ ڈرگ ہی ہے. اور وہ پر سکون ہو گیا. میں شیری کو اس کے ہی دماغ کے ہاتھوں ٹھیک کرنا چاہتی ہوں." وہ اپنی بات کہہ چکی تھی.

"حمزہ؟" اس نے حمزہ کو مخاطب کیا مگر جواب ندارد.

"سن رہے ہو؟"

"حمزہ؟" وہ کچھ نہیں بولا, شاید سوچکا تھا. حیانے گہری سانس باہر دھکیلی, اور کروٹ لے کر لیٹ گئی.

حمزہ نے آنکھیں کھولیں, دونوں ہاتھوں کی دو دو انگلیاں کنپٹی تک لے کر گیا, کنپٹی کو سہلایا, اس کا سر شدید درد سے پھٹ رہا تھا.

اب نیا سورج, نیا دن, نئے منصوبے, اس کے منتظر تھے!

* *

"اب تم کیسے ہو؟" وہ دونوں ابھی گیٹ سے باہر نکلے تھے.

"مجھے ایسا کیوں لگتا ہے کہ آپ نے مجھے کچھ اور دیا تھا رات." وہ خفا سا بولا.

"اونہوں. میں اپنی جان پر کھیل کر حمزہ کی دراز سے نکال کر لائی تھی وہ پیکٹ." وہ بھی خفا نظر آنے لگی تھی.

"اور یقیناً یہ." اس کے ہاتھ کی طرف اشارہ کیا جس پر پٹی بندھی تھی. "اسی بہادری کا صلہ ہے."

"نہیں. نہیں. یہ تو تمہارے بھائی کا پیار ہے. انوکھا پیار." وہ پٹی پر ہاتھ پھیرتے ہنسی. اور شیری نے اسے مشکوک نظروں سے دیکھا. "آپ کی طبیعت مجھے ٹھیک نہیں لگتی." وہ بے زار ہوئی. اور بات بدلی.

"پتا ہے مجھ سے صبح اٹھا نہیں جاتا. میں بہت مشکل سے اٹھ کر آئی ہوں. مجھے اب تک نیند آرہی ہے." حیا مصنوعی جمائی لیتے بولی اور شیری نے محض سر ہلایا. "اچھا." اور آگے چلتا رہا.

"تم بتاؤ نا میں کیسے اپنی یہ عادت بدلوں." وہ سر اٹھا کر اسے دیکھ رہی تھی. "کچھ دن جلدی اٹھنے کی کوشش کریں, عادت بن جائے گی." وہ بھی رک گیا.

"کتنے دن؟" وہ اپنی لیٹ اٹھنے کی عادت سے بے زار نظر آتی تھی. "کچھ لوگ کہتے ہیں اکیس دن اور کچھ کے مطابق ساٹھ دن لگتے ہیں عادت بدلنے میں." کندھا اچکا تا وہ دوبارہ چلنے لگا.

"اور مجھے لگتا ہے ہم ایک لمحے میں اپنی عادت بدل سکتے ہیں." وہ رکا اور مڑ کر اچنبھے سے اسے دیکھا.

تو وہ بھی چلتی آگے آئی. "اگر ول پاور اسٹرانگ ہو تو ہم آج ہی اپنی عادت بدل سکتے ہیں." اداسی سے مسکراتے شیری نے سر ہلایا.

"تو بدل لیں."

"ہاں پر آئی نیڈ آ پارٹنر. جو میرے ساتھ کسی عادت کو چھوڑنے کی کوشش کرے." وہ چپ ہوئی شیری کو بغور دیکھا. "پلیز یہ مت کہنا کہ میں حمزہ کو پارٹنر بنالوں, اتنا ضدی اور کھڑوس انسان ہے وہ." دونوں ہاتھ ہوا میں اٹھا کر وہ خفگی سے بولی. اور شیری اب تک ویسے ہی اسے دیکھ رہا تھا.

"شیری! ہم دونوں اپنی ول پاور اسٹرانگ کرتے ہیں. کرنا ہے تو بس کرنا ہے. لیکن پہلے دیکھنا ہے کہ عادت بدلنے کا کوئی فائدہ بھی ہو گا؟ یا ہم یوں ہی خوار ہوں گے؟" وہ جان بوجھ کر منہ بنا کر بولی.

"اگر میں صبح جلدی اٹھوں تو بہت سے کام کر سکتی, تمہارے بھائی کے ساتھ کہیں باہر جا سکتی ہوں." وہ انگلیوں پر گنوائے جا رہی تھی اور شیری زیر لب مسکراتا رہا. زرا سی بات کو کتنا بڑھا کر بتاتی ہیں حیا بھابھی.

"تم بتاؤ. تم بدلنا چاہتے ہو کوئی عادت؟" قہ اس کی طرف مڑی اور اس کی مسکراہٹ غائب ہوئی.

"بھابھی. نہیں کریں." وہ روڈ کے ایک طرف بنی انتظار گاہ کے بینچ پر بیٹھ گیا. اور وہ ساتھ کھڑی رہی.

"اچھا بتاؤ اگر. اگر تم چھوڑو یہ عادت تو کیا فائدہ ہو گا؟" پھر خود بولی. "شیری ہر کام کرنے کی وجہ ہوتی ہے, اگر آپ کے پاس وجہ نہیں ہے نا تو آپکو پڑھائی بورنگ لگتی ہے, وجہ ہو تو بورنگ ترین سبجیکٹ بھی ہم ہضم کر جاتے ہیں. تو بتاؤ سب سے بڑی وجہ کیا ہو گی تمہاری یہ نشہ چھوڑنے کی؟"

"حمزہ بھائی میرے ساتھ نارمل ہو جائیں گے پہلے کی طرح." وہ آہستہ سے بولا. اور حیا نے چٹکی بجائی.

"سو لیٹس میک اٹ ہیپن."

"یہ اتنا آسان نہیں." وہ منہ بناتے بولا.

"شیری سکندر اعظم نے پوری دنیا فتح کی تھی."

"ہوں." شیری نے فقط سر ہلایا.

"واپس آیا تو ایک درویش نے کہا سکندر تم نے کچھ نہیں کیا زندگی میں, سکندر حیران ہوا کہ میں دنیا فتح کر آیا ہوں اور آپ کہتے ہیں میں نے کچھ نہیں کیا؟ تو درویش بولا سکندر تم میرے غلام کے بھی غلام ہو." حیا نے شیری کو دیکھا وہ اب بینچ پر آگے کو جھکا دونوں ہاتھ باہم ملائے جوتے سے زمین پر پڑے پتھر ادھر ادھر کر رہا تھا.

"پھر." فاتح عالم کو کسی نے اپنے غلام کا غلام کہا یہ دلچسپ تھا وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکا.

"درویش نے کہا, نفس میرا غلام ہے اور تم نفس کے غلام ہو." شیری کو کچھ سمجھ نہیں آیا وہ سر اٹھا کر ساتھ کھڑی حیا کو دیکھنے لگا.

"مطلب یہ کہ سکندر نے چاہے پوری دنیا فتح کر لی پر اصل جنگ تو انسان کی خود سے ہوتی ہے. اگر وہ خود سے ہی نہیں جیت پاتا تو اس دنیا کا کیا کرنا؟ جب ہمارا خود پر ہی بس نہیں چلتا تو دوسروں پر معتبر بن کر کیا کرنا؟" وہ تاسف سے سر ہلا رہی تھی. شیری نے دوبارہ سر جھکا لیا. کچھ دیر خاموشی رہی پھر وہ آہستہ سے بولا. "بھابھی یہ اتنا آسان نہیں ہے." وہ وہیں اٹکا تھا.

"تو بچے! دنیا جیتنا آسان تھا؟ اور نفس سے لڑنا مشکل ہے تبھی تو اسے سب سے بہتر جہاد کہتے ہیں." وہ کنوینس نظر آنے لگا تھا.

"ہم دونوں وعدہ کرتے ہیں کہ ہم ضرور اپنی عادت بدلیں گے. خود اپنی ول پاور سے." پھر شیری کی طرف ہاتھ بڑھایا. "تو شیری کیا تم بھی میرے ساتھ وعدہ کرو گے؟" وہ اب بھی پاؤں ہلا رہا تھا. تھوڑی دیر سوچتا رہا. پھر ہاتھ اس کے ہاتھ پر مارا. اور اداسی مگر قدرے جوش سے بولا. "وعدہ."

"دیٹس لائک آ گڈ بوائے." وہ بہت خوش ہوئی تھی. مگر ضبط کیے رہی.

"مگر کل سے۔" شیری کھڑا ہوتے بولا تو حیا نے اسے گھورا۔ "ہم فیصلہ لے چکے ہیں,Decision کا لفظ cease سے ہے مطلب ختم۔ پیچھے جو ہے اسے ہم اسی لمحے ختم کرتے ہیں۔ آخری بار, پہلی بار وغیرہ کچھ نہیں ہوتا۔" اور وہ ڈھیلا پڑا۔

"بھابھی۔"

"چپ کرو اب تم۔ ہم ایک دوسرے کے وعدے کا خیال رکھیں گے۔ روز رات کو ایک موٹیویشنل لیکچر سنیں گے تا کہ ہمارا جزبہ جواب رہے۔" وہ اسے اور بھی بہت کچھ بتاتے سمجھاتے گھر کی طرف بڑھ رہی تھی۔ آوازیں مدھم ہوتی جا رہی تھی۔

****

سورج کی کرنیں چار سو پھیل چکی تھیں, کب وہ سو گیا اسے پتا ہی نہیں چلا, اب وہ صوفے پر اوندھے منہ لیٹا تھا۔ تبھی اس کا موبائل زوں زوں کی آواز سے بجا۔ وہ بند آنکھوں سے صوفہ ٹٹولنے لگا, فون اپنے نیچے سے نکالتے کان سے لگایا۔

"اسلام علیکم!" وہ سوئی ہوئی آواز میں بولا۔

"گڈ مارننگ حمزہ! دن چڑھ گیا ہے یار!" دوسری طرف سے بھاری مردانہ آواز سنائی دی۔

"جی ثقلین صاحب۔" وہ آواز پہچان گیا تھا۔

"بھئی تم نے ملنے کا وعدہ کیا تھا پھر آئے نہیں۔" وہ دوستانہ انداز میں گویا ہوئے۔

"ہمم۔ آج کل میں چکر لگاتا ہوں۔ تھوڑا مصروف ہوں۔" وہ آنکھیں بند کیے بڑبڑایا۔

"انتظار رہے گا۔"

"شیور. اسلام علیکم!" وہ فون بند کر کے دوبارہ لیٹ گیا. اس کا سر شدید درد کر رہا تھا. وہ کھڑا ہوا. فرش پر ٹوٹی شیشیاں اور گلدان اب تک بکھرے پڑے تھے. وہ فریش ہونے واش روم کی طرف بڑھا, پھر سوچا کیوں نا پہلے کافی کا کہہ دے, باہر نکل کر نیچے دیکھتے ہوئے چلایا. "بی اماں کافی بنا دیں, میں دس منٹ میں نیچے آ رہا ہوں." اور مڑ کر سیف تک گیا, گرے رنگ کی شرٹ نکالی اور واش روم میں گھس گیا, ٹھیک دس منٹ بعد وہ باہر نکلا, تازہ شیو بنی ہوئی تھی مگر کلین شیو نہیں تھی. شیشے کے سامنے کھڑا ہو کر وہ تھوڑی دیر اس تازہ کردہ شیو پر ہاتھ مارتا رہا. شیشے میں سے نظر بیڈ پر پڑی تو رات کا منظر نظر آنے لگا. اس نے مڑ کر فرش پر دیکھا خون اب تک وہاں جما پڑا تھا. دوبارہ شیشے کی طرف مڑ کر اس نے پرفیوم اپنی گردن کے دائیں بائیں چھڑکا, شرٹ کے بازو کلائیوں تک موڑے. اور نیچے آ گیا.

"کوئی کافی دے گا؟" لاؤنج کی طرف بڑھتے اس نے آواز لگائی. اور پھر ٹی وی آن کر کے بیٹھ گیا. گردن نکال کر کچن ونڈو سے اندر جھانکا مگر وہ وہاں سے نظر نہیں آتی تھی. سر جھٹک کر دوبارہ ٹی وی کی طرف متوجہ ہوا, پانچ منٹ, دس منٹ یوں ہی گزر گئے مگر کافی نہ آئی. تو وہ منہ پر تمام تر بے زاری لیے کچن کی طرف گیا, "نہیں کافی دینی تو بتا دو" وہ اب کچن میں داخل ہو رہا تھا. قدم ایک دم رکے, وہاں تو کوئی نہیں تھا. وہ شیری کے کمرے کی طرف آیا وہ باہر سے لاکڈ تھا. دروازہ کھول کر اندر جھانکا. وہ سویا پڑا تھا. وہ زینے پھلانگتا اوپر آیا. اپنا کمرہ دیکھا, اسٹڈی روم دیکھا. وہ کہیں نہیں تھی. دل میں وسوسے سر اٹھانے لگے. پر او ہوں نہیں, وہ بھلا کہاں جائے گی. اب وہ واچ مین سے پوچھ رہا تھا کہ کوئی اندر سے باہر تو نہیں گیا؟ اس نے لاعلمی کا اظہار کیا تو وہ لان سے ہوتا پچھلے دروازے سے اندر آیا. اسے یاد آیا رات اس نے خود ہی اسے یہ گھر چھوڑنے کا کہا تھا. اوہ گاڈ. وہ سر پکڑ کر صوفے پر بیٹھ گیا. اس نے اپنا فون نکالا اور کانٹیکٹس میں حیا لکھ کر سرچ کیا وہاں اس نام کا کوئی نمبر ہی نہیں تھا. اور اسے حیرت و غصہ ایک ساتھ آیا کم از کم اس کا شوہر ہونے کے ناتے نمبر تو وہ دے سکتی تھی. سر کا درد اور بڑھ گیا تھا. کتنی دیر وہ وہیں

بیٹھا رہا پھر دوبارہ اپنے کمرے میں گیا سیف کھولی, وہاں حیا کے کپڑے لٹکے تھے. تو کیا وہ کپڑے بھی لے کر نہیں گئی؟ ماتھے کی تیوریاں واپس آ گئی تھیں. وہ نیچے آیا اور اب شیری کے کمرے میں کھڑا تھا. "شیری تمہاری بھابھی کدھر ہے؟" وہ اسے ہلا رہا تھا. مگر وہ ٹس سے مس نہیں ہوا. "شیری اٹھو! حیا کہاں ہے؟" اس نے اسے کندھے سے پکڑ کر بیٹھایا. اور کچھ دیر تو شیری کو سمجھ ہی نہیں آیا کہ ہو کیا رہا ہے. "میں نے کوئی ڈرگ نہیں لی. "حمزہ کو دیکھ کر اسے یہ ہی سمجھ آیا اور بڑبڑاتا وہ دوبارہ لیٹ گیا. حمزہ نے اسے دوبارہ پکڑ کر بٹھایا. "شیری.. میرے بھائی بتا حیا کہاں ہے؟" وہ اسے پچکار رہا تھا. شیری نے آنکھیں ملتے خفگی سے اسے دیکھا. "بیوی نہیں مل رہی تو میں "شیری میرا بھائی" ہو گیا؟ کل تک تو بڑے تھپڑ مار رہے تھے. "وہ دوبارہ لیٹنے کو جھکا تو حمزہ نے اسے کالر سے پکڑ کر سیدھا کیا. "بتاتا ہے کہ ایک تھپڑ اور لگاؤں. "وہ دبا دبا غرایا. "بھائی! میں آپ کو بس اپنی بیوی کے بارے میں بتا سکتا ہوں وہ کہاں ہے, دوسروں کی بیویوں کا مجھے نہیں پتا. "اس کی طبیعت بہتر تھی تبھی زبان چلے جا رہی تھی. وہ واقعی پرانا شیری لگا تھا. "اور تمہاری بیوی کہاں ہے؟" اب کہ وہ نرمی سے بولا. اور شیری دھپ سے بیڈ پر گرا. "پیدا نہیں ہوئی ابھی. "

"سارے ڈنگر میرے پلے ہیں. "اس کے ماتھے کی تیوری واپس آ گئی. اب وہ حیا کو کہاں ڈھونڈے؟ بڑبڑاتا, غصہ کرتا, بیسمنٹ کی سیڑھیاں اترنے لگا اور سامنے کیا دیکھتا ہے کہ وہ دونوں کہنیاں کانفرنس میز پر ٹکائے, ہاتھ کو پیالہ بنا کر منہ اس پر دھرے, آنکھیں گھما گھما کر بیسمنٹ کا جائزہ لے رہی تھی. اس کی پشت حمزہ کی طرف تھی. حمزہ کی تیوری غائب ہوئی, لب مسکراہٹ میں ڈھلے, اور قدم بڑھاتا اس کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا. حیا کو سمجھ نہیں آیا وہ کیا کہے تو معصوم شکل بنا کر بیٹھی رہی. "تمہیں پتا ہے مجھے کتنی فکر ہو رہی تھی؟" وہ غصے سے بولا. اور حیا نے پلکیں جھپکی. "مسٹر حمزہ آپ کو یہ تو نہیں لگا تھا کہ میں نے آپ کی بات کو سیریس لے لیا اور واقعی گھر چھوڑ کر چلی گئی؟" حمزہ نے لعنت بھیجی اس وقت پر جب وہ اس لڑکی کے لیے سیڑھیاں پھلانگتا پھر رہا تھا. پھر چبا کر بولا. "جی نہیں,

مجھے فکر ہو رہی تھی کہ کہیں تم میری کسی ضروری چیز کو خراب نہ کر دو." پھر انگلی اٹھائی."میری کسی چیز کو ہاتھ مت لگانا. وہ خفت سے دوبارہ سیڑھیوں کی طرف بڑھا.(ٹڈی)

حیانے گردن موڑ کر اسے جاتا دیکھا,بالوں کو جھٹکا دیا اور مسکراتے ہوئے بڑبڑائی.(آیا بڑا)

****

بارہ سے اوپر کا وقت تھا. عام گھروں میں یہ لنچ کا وقت ہوتا ہے مگر اس حویلی نما گھر میں ابھی کافی کی مہک پھیلنا شروع ہوئی تھی غالباً دن کا آغاز ہو رہا تھا.

سمایا اور شیروان,شیری کو لینے آئے تھے,وہ جانے کو تیار تو نہیں تھا مگر حیانے اسے کافی اچھے سے سمجھا دیا کہ ماحول بدلے گا تو وہ بہتر محسوس کرے گا اور کسی کے لیے نہیں اپنے لیے اسے جانا تھا. حمزہ اسے یوں شیری کے لیے بھاگ دوڑ کرتے دیکھ کر سرشار تھا.

کچھ دیر پہلے کی مچی افراتفری اب ختم ہو چکی تھی. حمزہ لاؤنج میں بیٹھا اپنے فون پر جھکا کافی کا انتظار کر رہا تھا اور حیا کچن میں کھڑی کافی اور ناشتے کے لیے سینڈوچ بنا رہی تھی. اور یہ تبھی تھا کہ اسے محسوس ہوا اس کے پیچھے کوئی کھڑا ہے,وہ دھیرے سے مڑی,پہلے خوف اور پھر اپنائیت کے تاثر چہرے پر ابھرے. اور دوبارہ سینڈوچ میکر کی طرف مڑی.

"کیا بات ہے حمزہ سر !لا رہی ہوں کافی,تھوڑا انتظار اور کر لیں." وہ مصروف سی بولی اور حمزہ نے اسے بازو سے پکڑ کر اپنی طرف موڑا. حیا کو سمجھ نہیں آیا وہ کیا کہے. ہاں البتہ دل میرا تھن کے لیے تیار ہونا شروع ہو گیا تھا. اور آہستہ آہستہ سپیڈ پکڑ رہا تھا. وہ یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا. حیا زبردستی مسکرائی. اس نے کچھ کہنے کو لب کھولے مگر حمزہ اس سے پہلے بول پڑا.

"تھینک یو حیا۔" اس نے حیا کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے تھے۔ "فار واٹ؟" وہ بے نیازی سے بولی۔ اعتماد بحال ہونے لگا تھا۔ حمزہ ایک قدم اور آگے ہوا، ہاتھوں کو تشکر سے دبایا۔ "شیری کے لیے اتنا سب کرنے کے لیے۔ میں جانتا ہوں تم اسے لے کر واک پر جاتی رہی، اور اب یہ ٹرپ وغیرہ۔ تم جانتی نہیں ہو میں کتنا خوش ہوں۔ شیری بہتر ہو رہا ہے۔ صرف تمہاری وجہ سے۔ سو تھینکس ٹو یو۔" ہاتھ چھوڑنے سے پہلے اس نے ایک بار پھر ان کو دبایا۔ وہ ایک قدم پیچھے ہوا تو حیا فوراً بولی۔ "بس؟"

حمزہ نے کندھے اچکائے۔ "اور کیا؟"

"مجھے لگا شیری تمہیں بہت پیارا ہے تو کم از کم اس خوشی میں تم مجھے ہگ ضرور کرو گے۔" واپس اسٹوو کی طرف مڑتے حیا نے سختی سے آنکھیں بند کیں اور حمزہ ایک قدم اور پیچھے ہٹتے ہوئے بولا۔ "استغفر اللہ" حیا کے چہرے پر مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ وہ واپس مڑی تو حمزہ باہر جا رہا تھا۔ "مجھے لگتا ہے تمہارا نام حیا نہیں ہونا چاہیئے تھا۔" کچن ونڈو سے ہاتھ بڑھا کر حیا کے تازہ رکھے سینڈوچ اور کافی کا مگ اٹھاتے اس نے تبصرہ کیا۔

"تو کیا ہونا چاہیئے تھا؟" وہ محظوظ سی بولی۔

"بے حیا۔" وہ بڑبڑایا۔ اور حیا گرن پیچھے پھینک کر ہنسی۔ دونوں کہنیاں اندر سلیب پر جمائی۔ اور سامنے کھڑے حمزہ کی طرف جھکی۔ "تمہارے لیے مجھے یہ نام بھی پسند ہے۔" حمزہ اسے مصنوعی گھورتا جا کر کھانے کی میز پر بیٹھ گیا مگر پہلے کے برعکس سربراہی کرسی کے بجائے وہ کچن ونڈو کے سامنے والی کرسی پر بیٹھا تھا جہاں سے حیا نظر آتی تھی۔ وہ واپس اسٹوو کی طرف جانے کو مڑی تو باہر سلیب پر رکھا حمزہ کا فون بجا۔ اس سے پہلے کہ وہ اٹھ کر آتا حیا نے آگے جھک کر اسکرین دیکھی۔

ثقلین کالنگ۔

حمزہ کافی کا مگ ہاتھ میں لیے کچن ونڈو تک آیا اور مگ وہاں رکھ کر فون کان سے لگایا. حیا دونوں کہنیاں فرصت سے سلیب پر ٹکا کر اسے دیکھنے لگی.

"جی جی. ثقلین صاحب, میں لگالوں گا چکر. "وہ بار بار کی ان کالز سے تنگ آ گیا تھا.

"کوئی خاص بات ہے تو آپ فون پر ہی بتا دیں. "کافی کا مگ لبوں سے لگاتے اس نے حیا کو دیکھا جو کب سے اسے ہی دیکھ رہی تھی. اور جیسے ہی آنکھیں ملیں, حیا نے دونوں ہاتھ اپنے ہونٹوں پر رکھ کر حمزہ کی طرف اچھالے اور حمزہ کے ہاتھ سے کافی کا مگ چھلکا.

"استغفر اللہ. "وہ اونچا بولا تھا اور پھر دوبارہ فون کی طرف متوجہ ہوا.

"نہیں, نہیں آپ کی بات پر نہیں کہہ رہا" خفگی سے حیا کو گھورتے, اپنا مگ اٹھا کر وہ دوبارہ جا کر بیٹھ گیا مگر اب کہ اس طرح کہ اس کی پشت حیا کی طرف تھی. حیا کی ہنسی نہیں رک رہی تھی اور وہ بمشکل خود کو کنٹرول کرتے اسٹوو کی طرف مڑ گئی.

"اچھا ٹھیک ہے, میں کل ضرور چکر لگالوں گا. "

"ہاں شام چار بجے. "

"اوکے, اوکے. اسلام علیکم. "

کال منقطع ہوئی تو وہ کافی کا گھونٹ بھرتے سوچنے لگا کہ ایسی کیا ضروری بات ہے جو یہ فون پر بھی نہیں بتا رہا.

"یہ ثقلین تمہارا دوست ہے نا. "وہ دوبارہ کچن ونڈو میں آ کر کھڑی ہو گئی. وہ خفا سا پیچھے مڑا.

"تمہارا نام نا.. "بات ادھوری رہ گئی.

"ہاں پتا ہے بے حیا ہونا چاہئیے تھا. " محظوظ ہوتے وہ اب اپنی کافی سے گھونٹ بھر رہی تھی. اور وہ واپس مڑ گیا.

"یہ ثقلین تم سے ہاسپٹل میں بھی ملنے آیا تھانا؟ عجیب سالگا مجھے." اسے وہ سفید کلف لگے سوٹ والا سیاست دان یاد آیا جو ہسپتال میں ملا تھا.

"تم کیسے جانتی ہو؟" اب کہ وہ پورا گھوما.

"ہاں اس دن ہسپتال میں ملا تھا."

"کیا کہہ رہا تھا؟" حمزہ کے چہرے سے لگا اسے اچھا نہیں لگا اس کا حیا سے بات کرنا.

"کہہ رہا تھا خوش رہو, سدا سہاگن رہا, اس کو لگا ہو گا تم بچو گے نہیں." حیا نے ہمیشہ کی طرح پہلی بات درست اور باقی اپنے سے کہی.

"تم کتنا بولتی ہو." وہ کھڑا ہو گیا. یکا یک بیل بجی.

"میں دیکھتی ہوں فریحہ کہہ رہی تھی وہ آئے گی." حیا دروازے کی طرف بڑھی اور حمزہ دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا. حیا دروازہ کھول کر ساکت کھڑی رہی, پاؤں شل ہو گئے. ایک دم چہرہ سفید پڑنے لگا. "کون ہے؟" حمزہ وہیں سے بولا. مگر حیا کھڑی رہی. نہ واپس مڑی نہ کسی کو رستہ دیا. حمزہ متوحش سا دروازے کی طرف آیا. اور حیا کے سر کے اوپر سے سامنے دیکھا. دو لڑکے تھری پیس پہنے سامنے کھڑے تھے. اور وہ نظریں اٹھا اٹھا کر گھر کا جائزہ لے رہے تھے. حمزہ کے لیے یہ چہرے انجانے تھے.

"آپ کو اندر کس نے آنے دیا؟"

"جمشید. جمشید." حمزہ نے گارڈ کو آواز دی اور وہ بھاگتا ہوا اس طرف آیا. "جی سر؟" وہ ہانپ رہا تھا.

"کوئی انجان بندہ گھر میں آجاتا ہے اور تم بتانا گوارا نہیں کرتے, یہ انٹر کام پھر پھینک دو."

"سر یہ کہہ رہے تھے یہ بی بی جی کے رشتے دار ہیں."

گارڈ پریشان نظر آنے لگ گیا تھا. اور حمزہ کے اعصاب ڈھیلے پڑے. اور وہ حیا کو پیچھے سے دیکھنے لگا حیا سست قدم اٹھاتی اندر آ گئی. اور سامنے لڑکوں کو راستہ دے دیا. "تم جانتی ہو ان کو؟" پھر اسے جیسے یاد آیا. "اوہ. یہ تمہارے بھائی ہیں؟" حیا نے اثبات میں سو ہلایا. حمزہ نے بڑھ کر ہاتھ ملایا. لڑکوں کے تاثرات سخت تھے. "اندر آ جائیں." حمزہ نے ہاتھ سے اندر کی طرف اشارہ کیا. وہ دو قدم اندر آئے.

"دیکھو تم جو بھی ہو. ہم یہاں اندر بیٹھنے نہیں آئے. اپنی بہن کو لینے آئے ہیں." ان میں سے ایک لڑکا جس کا قد دوسرے سے قدرے چھوٹا تھا وہ سختی سے بولا. حمزہ نے ہاتھ سینے پر باندھتے ابرو اٹھائی. اور حیا کی گویا رہی سہی جان بھی نکل گئی.

"یہ میرا گھر ہے." وہ پریشان, کنفیوز سی بولی. ان کو تو وہ کب سے بھول گئی تھی.

"اگر وہ جاتی ہے تو لے جائیں." حمزہ سکون سے بولا.

حیا نے بے یقینی سے اسے دیکھا. وہ ان لڑکوں کو دیکھ رہا تھا. "چاہتی ہے یا نہیں چاہتی ہے, ہماری بہن ہے ہم لے کر ہی جائیں گے." لڑکے اور اندر آ گئے. حمزہ نے کندھے اچکائے. "آپ بہن بھائیوں کا آپس کا مسئلہ ہے." وہ بے نیازی سے قدم اٹھاتا جا کر صوفے پر بیٹھ گیا اور ٹانگ ہر ٹانگ جما لی, گویا اگلی کاروائی کا انتظار کر رہا ہو.

"چلو." ایک لڑکے نے آگے بڑھتے اسے کہا. اور حیا جو اب تک چپ بیٹھی تھی پیچھے. "میں کہیں نہیں جاؤں گی, یہ میرا گھر ہے."

لڑکوں کے تاثرات اور سخت پڑ گئے. "آرام سے ہمارے ساتھ چلو." لڑکے نے اسے بازو سے پکڑ کر دھکیلا اور حیا نے مڑ کر حمزہ کو دیکھا. وہ اب بھی ویسے ہی بیٹھا تھا. ہاں البتہ جبڑے بھنچے ہوئے تھے.

"چھوڑو مجھے."

"تم آرام سے چلتی ہو کہ نہیں۔" ایک نے اسے بازو سے پکڑا۔ اور حیا نے مڑ کر پھر حمزہ کو دیکھا۔ وہ اسی طرف دیکھ رہا تھا۔ لڑکے نے اسے زور سے آگے دھکیلا اور حیا نے پوری قوت سے اس کا ہاتھ جھٹکا۔

"تب کہاں تھے تم لوگ جب میں اور بابا اکیلے تھے۔ روز تمہارا انتظار کرتے تھے۔۔" وہ دو قدم پیچھے ہوئی۔ نفرت اور اب حقارت سے ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کھڑی تھی۔

"اب مجھے ہاتھ بھی مت لگانا۔" وہ انگلی اٹھا کر بولی۔

"پاکستان آتے ہی بہت قصے سنے ہیں ہم نے تمہارے۔" پھر لڑکے نے صوفے پر بیٹھے حمزہ کی طرف دیکھا۔ "بہت عیاشی کر لی تم نے یہاں۔ بے شرم عورت۔" ایک آنسو حیا کی آنکھ سے ٹوٹا گال پر پھسلا۔ حمزہ کی ٹانگ تیزی سے ہلنے لگی۔

"وہ شوہر ہے میرا۔" اس کی عزت پر بات آئی تو وہ زور سے چلائی۔ "سنا تم نے۔ یہ آدمی۔" حمزہ کی طرف ہاتھ اٹھا کر اشارہ کیا۔ "یہ میرا شوہر ہے۔" آنسو اور تیز ہو گئے۔ حمزہ نے ہاتھ کی انگلیاں سختی سے بند کی, کھولی۔ پھر بند کی پھر کھولیں۔ مگر اپنی جگہ سے ہلا نہیں۔

"یہ آدمی؟ جو مزے سے بیٹھا وہاں تماشہ دیکھ رہا ہے؟" بھائی نے گویا مزاق اڑایا۔ دونوں نے حیا کو پکڑ کر کھینچا۔ ان کی طاقت کے سامنے حیا کچھ بھی نہیں تھی۔ مگر پھر بھی وہ اپنا پورا زور لگا رہی تھی۔ اور تبھی کسی نے حیا کا بازو پکڑا, اور ایک لڑکا لڑھکتا جا کر دروازے میں لگا۔ اس لمس اور اس خوشبو کو وہ ہزاروں میں پہچان سکتی تھی۔ مگر اسے خوشی نہیں ہوئی تھی۔ اسے نفرت محسوس ہو رہی تھی۔ اپنے بھائیوں سے, حمزہ سے, سب سے۔ حمزہ کا ہاتھ اس نے جھٹکا اور دو قدم پیچھے ہو گئی۔ دوسرا لڑکا حمزہ کی طرف بڑھا اور حمزہ نے بازو الٹا گھما کر اس کے منہ پر مارا اور وہ پیچھے گرتا گیا۔ پہلے کے منہ سے خون نکلنے لگ گیا تھا۔

"اب تک میں چپ تھا کیونکہ یہ بہن بھائی کا مسئلہ تھا, مگر اب جبکہ تم میری بیوی سے بات کر رہے ہو تو یاد رکھنا." حمزہ نے انگلی ہوا میں اٹھائی.

"دوبارہ مجھے تم لوگ میرے گھر اور میری بیوی کے آس پاس دکھے تو ایک پولیس افسر کے گھر دھاوا بولنے اور گھر والوں کو ہراس کرنے کے جرم میں نہ صرف جیل میں ڈالوں گا بلکہ اس سے بدتر طریقے سے گھسیٹ کے ماروں گا. ناؤ گیٹ لاسٹ." آخری تین الفاظ اس نے چلا کر کہے.

"ہم تم پر کیس کریں گے, ہماری بہن کو زبردستی اپنے گھر رکھنے کے لیے. تم دونوں بھگتو گے." نیلی جینز والے نے انگلی اٹھا کر دھمکی دی. حمزہ نے اس کی بات کو نظرانداز کرتے جمشید کو آواز دی جو کب کا جا چکا تھا. اور وہ بھاگتا ہوا آیا.

"ان دونوں کو اٹھا کر باہر پھینکو. اور آئندہ اگر کسی کو بھی میری اجازت کے بغیر اس دروازے تک آنے دیا تو اپنی چھٹی سمجھنا." گارڈ ان لڑکوں کو باہر نکالنے لگ گیا. "ہم دوبارہ آئیں گے." وہ غصے اور اعانت کے احساس سے گھورتے, گارڈ کا ہاتھ جھٹکتے باہر چلے گئے. حمزہ نے ایک گہری سانس اندر کھینچی اور واپس مڑا. حیا وہاں نہیں تھی. وہ جانتا تھا حیا اس سے خفا ہو گی.

وہ سیڑھیاں چڑھتا, اوپر گیا. اپنے کمرے کا دروازہ کھولا, وہ خالی تھا. کنپٹی مسلتے اس نے کمرے سے ملحق اسٹڈی روم میں جھانکا. میز کے گرد پڑی دوسری کرسی پر وہ پشت دروازے کی طرف کیے بیٹھی تھی. وہ متوقع ری ایکشن سوچتے اس کے ساتھ جا کر کرسی پر بیٹھ گیا. وہ ایک کتاب پر سر جھکائے بیٹھی تھی.

"تم ٹھیک ہو؟" سامنے شیلف پر لگی کتابوں کو دیکھتے اس نے آہستہ سے پوچھا اور حیا نے سر اٹھایا, گردن موڑ کر حمزہ کی طرف دیکھا. "تمہیں کیا لگا میں کہیں پڑی رو رہی ہوں گی؟ اونہوں!" نفی میں سر ہلاتی کرسی گھما کر وہ اس کی طرف مڑی.

"حمزہ! اللہ نے تم مردوں کو ہم پر حاکم بنایا ہے, مگر جابر حاکم نہیں بنایا۔ "حمزہ چپ بیٹھا سنتا رہا۔

"اللہ نے مردوں کو حاکم بنایا ہے, اور ہمیں رعایا۔ "اس نے اپنی طرف انگلی کی۔ "تم ملک اور ہم ملکیت نہیں ہیں۔ ملکیت کا تصور آقا اور غلام کا ہے۔ "اور بیوی, بہن یا بیٹی غلام نہیں ہوتی۔ "پھر وہ حمزہ کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی۔ "رعایا کو اپنے حقوق معلوم ہوں تو وہ کبھی ظلم نہیں سہتی۔ "حمزہ کو سمجھ نہین آئی وہ کیا کہنا چاہتی ہے۔

"میں جب اس کوٹھے پر لے جائی گئی تھی تو بہت روئی تھی بہت شکوے کیے تھے اللہ سے, پھر تم لے آئے, میرے سے نکاح کیا۔ "نکاح کی بات پر حمزہ نظریں چرا گیا۔

"تب بھی میں بہت روئی, تم نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا, بہت دل ٹوٹا, لگا دنیا کی سب سے مظلوم لڑکی میں ہوں, بہت بد دعائیں دی تمہیں۔ "وہ چپ ہوئی۔ حمزہ اب اس کی طرف مڑ کر کھلی کتاب کو دیکھتا اس کی بات سن رہا تھا۔

"اس گھر سے جانے اور واپس آنے تک میں نے بہت کچھ سیکھا ہے حمزہ! کوئی اور وقت ہوتا تو شاید میں ٹوٹ چکی ہوتی پر اب میں سمجھ چکی ہوں کہ ہمارے اوپر ایک خدا ہے۔ "اس نے انگلی آسمان کی طرف اٹھائی۔

"جو کبھی غلط فیصلے نہیں کرتا, میں اس کوٹھے پر ان لوگوں کی سازش سے لے جائی گئی, ان کو لگا ان کا پلان کامیاب ہوا ہے پر حمزہ یہ اللہ کا پلان تھا, اللہ نے مجھے تم سے ملوانا تھا, اس گھر میں لانا تھا, تمہاری منکوحہ بنانا تھا۔ "حمزہ محض سر ہلا سکا۔

"میں یہاں سے چلی گئی تھی, پھر واپس آئی اور سوچ لیا اب یہاں سے کبھی نہیں جاؤں گی۔ کیونکہ یہ میرا گھر ہے۔ جس انسان کو کبھی دیکھا نہیں, سوچا نہیں, اللہ نے اسے میرے لیے چنا تھا۔ "پھر اس نے حمزہ کی طرف انگلی کی۔ " اللہ نے تمہیں میرے لیے چنا ہے۔ اور تم میرے محافظ ہو۔ تمہیں میری حفاظت کرنی ہے۔ "وہ سانس لینے کو رکی۔ محافظ, حفاظت یہ الفاظ حمزہ کے دماغ میں جا کر لگے تھے۔ رانیہ, ماما, بابا۔ وہ ان کا بھی محافظ تھا اور حفاظت نہیں کر سکا تھا۔ آنکھوں میں سرخ دھاریاں ابھرنے لگیں۔ دل بھاری ہو گیا۔ گلے میں کچھ اٹک گیا تھا۔ وہ ضبط کیے رہا۔

"ہم اکثر اللہ سے شکوے کرتے ہیں کہ فلاں مجھے چھوڑ گیا, فلاں نے مجھے دھوکا دیا, مجھ پر ظلم کیا پر حمزہ! ہمیں چھوڑنے کا فیصلہ اس انسان کا نہیں ہوتا, اللہ اس کے دل میں ڈالتا ہے, اللہ ہمارے لیے وہ مسائل کھڑے کرتا ہے تاکہ ہمیں مضبوط بنا سکے یا اس سے بہتر انسان سے ملوا سکے. اگر میں ان لوگوں میں نہ پھنستی تو شاید آج کسی اور کی بیوی ہوتی اور شاید خوش بھی ہوتی مگر جو جینے کا سبق میں نے ڈاکٹر ہارون سے سیکھا ہے, اور آج جو میں خود کی تلاش میں, اپنے مقصد کی تلاش میں نکلی ہوں, کبھی یہ سب سمجھ ہی نہ پاتی. میں ایک بے مقصد زندگی گزار کر مر جاتی."

"حمزہ اللہ نے ہم سے بڑے کام لینے ہوتے ہیں, تبھی وہ ہمیں چھوٹے چکروں سے نکال لیتا ہے. تمہیں رانیہ سے پتا ہے کیوں دور کیا گیا؟" وہ جانتی تھی تذکرہ تکلیف دہ ہے پر بولتی گئی. حمزہ کے دل کا بوجھ اور بڑھ گیا. حمزہ کا وجود گویا جلنے لگا تھا. 'حفاظت, محافظ, رانیہ, ماما, بابا.' الفاظ گونج گونج کر واپس لوٹ رہے تھے.

اف! کون سے زخموں کو حیا نے کریدا تھا.

"تاکہ تمہیں مجھ سے ملوا سکے. اگر وہ تمہاری بیوی ہوتی تو تم مجھ سے کبھی نکاح نہ کرتے. میں یہ نہیں کہتی میں رانیہ سے بہتر ہوں پر شاید اللہ نے مجھے ہی تمہارا لکھا تھا." وہ تھوڑی دیر اس کے بدلے تاثرات دیکھتی رہی. پھر کتاب وہیں میز پر چھوڑے پر وقار سی قدم اٹھاتی وہ باہر نکل گئی.

حمزہ کے خود کو رانیہ کی موت کا ذمہ دار سمجھنے والی سوچ کے گھڑے میں حیا نے آج سوراخ کر دیا تھا.

اب اسٹڈی روم سے باہر آؤ تو حیا کمرہ کھول کر اندر جا رہی تھی. اس نے دروازہ بند کیا. دوپٹہ صوفے پر پھینکا اور بیڈ پر گر گئی. انسو آنکھوں سے گرتے جا رہے تھے. کمرے کی خاموشی میں اس کی سسکیاں گھلنے لگی تھیں. حمزہ کا اسے بے حیا کہنے اور اس کے بھائیوں کے بے شرم کہنے میں کتنا فرق تھا نا. حمزہ کا کہنا اچھا لگا تھا مگر بھائی کے یہ لفظ اس کے سینے کو چیر گئے تھے. اور جب دل اداس ہو, بھاری ہو, خفا ہو اور کوئی سننے والا نہ ہو تو اس کو چاہیئے اپنے رب کے

سامنے جھک جائے اور اپنے دل کی ہر بات اس سے کہہ دے. وہ بھی بھاری دل کے ساتھ آنسو پونچھتی,وضو کر کے جائے نماز پر بیٹھ گئی.

دیوار کے پار دیکھو تو وہ اب تک کرسی پر سر جھکائے بیٹھا تھا. "اللہ نے تمہیں مجھ سے ملوانا تھا,تم میرے محافظ ہو, تمہیں میری حفاظت کرنی ہے. "گونج گونج کر آنے والے الفاظ بدل گئے تھے.

* *

بھوربن کی پر شکوہ عمارت اپنی تمام طر رعنائی کے ساتھ کھڑی تھی. وہیں ڈھلوان کے سبزے پر سمایا اور شیری گھاس پر بیٹھے تھے,سمایا چوکڑی مارے بیٹھی تھی جب کہ شیری ایک ٹانگ لمبی کیے اور دوسری کو اپنی سمت موڑے دونوں ہاتھ گھاس پر ٹکائے ہوا تھا. ان سے کچھ فاصلے پر عنایا اور زویان تصویریں بنوا رہے تھے جبکہ بے چارا شیروان اکیلا بیٹھا موبائل پر جھکا تھا.

"شیری!اب آگے کیا سوچا ہے تم نے؟"سمایا گھر سے دور یہاں حیا کا کردار نبھا رہی تھی. وہ شیری کو زیادہ سے زیادہ مصروف رکھنے کی کوشش کرتی تھی تاکہ اس کا دھیان دوسری چیزوں کی طرف کم جائے. شیری کو سائیکیٹرسٹ کی ضرورت تھی مگر روزانہ کے مختلف موٹیویشنل لیکچر اس کی ول پاور بڑھاتے جا رہے تھے. وہ خود اس زہر سے دور ہوتا جا رہا تھا.

"کیا کرنا ہے؟واپس جائیں گے. بہت سے کیس ہیں ان کو دیکھیں گے. "وہ ایک ہاتھ ہوا میں اٹھاتا بولا.

"کیرئیر کا بتاؤ. "سمایا نے گھاس کو زمین سے کھینچتے پوچھا. تو شیری قدرے حیرت سے سیدھا ہوا.

"تو میری جان!یہ کیرئیر نہیں ہے؟"سمایا نے اپنا فون والا ہاتھ اس کے بازو پر مارا. "یہ چیپ لفظ مجھے مت بولا کرو." اور وہ ہنسا. "بھئی یہ محبت کا اظہار ہوتا ہے."

"ہاں تو اپنی محبت سے ہی کہنا. "وہ خفا ہو گئی تھی.

تبھی شیر وان وہاں آ گیا اور خفت سے بیٹھتے بولا.

"بندہ گھر پر اکیلا رہ لے پر دو ایسے دوستوں کے ساتھ کبھی ٹرپ پر نہ آئے جن کی بندیاں ہوں. خوار ہی ہوتا ہے. کتے مجھے چھوڑ کر خود دفع ہو گئے." وہ اچھا خاصا تپا ہوا تھا. "ویسے ایسی کون سی باتیں ہیں جو کپلز بیٹھ کر کرتے ہیں؟ اور ختم ہی نہیں ہوتی؟" وہ سننے کو ہمہ تن گوش ہوا.

"بچے نہیں سنتے." شیری نے سنجیدہ سا دور آسمان پر دیکھتے ہوئے کہا.

"بکواس نہیں کرو." سمایا ہنسی تھی. "شیر وایسا کچھ نہیں ہے, میں اور شیری اچھے دوست ہیں بس."

"ہاں ہاں سارے کپلز پہلے یہ ہی کہتے ہیں."

"بائے دی وے یو گائز کین میک آ نائس کپل." شیر وان نے دونوں کو باری باری دیکھا اور موبائل پر جھک گیا. سمایا نے گھور کر شیر وان کے جھکے سر کو دیکھا.

"میں نے یہ فیصلہ حمزہ بھائی پر چھوڑ رکھا ہے." وہ دوبارہ دونوں ہاتھ زمین پر ٹکا کر بیٹھ گیا.

اور میں نے تم پر. سمایا نے کہنا چاہا مگر بس مسکرا کر رہ گئی.

****

دو بجے سے اب سات بجنے کو آئے تھے. حیا کمرے سے نہیں نکلی تھی, حمزہ تھانے سے ابھی واپس آیا تھا. حیا کچن میں نظر نہیں آئی تو وہ بھی اوپر آ گیا. وہ بیڈ پر منہ پر دوپٹہ لیے پڑی تھی. حمزہ نے اسے دیکھا, پھر ڈریسنگ کے سامنے جا کر رسٹ واچ اتارنے لگا.

"فریحہ ملی تھی, کہہ رہی تھی رات کا کھانا ہم ان کی طرف کھائیں." وہ سیف کھول کر اب شرٹس دیکھ رہا تھا.

"سو رہی ہو؟" وہ پیچھے مڑا.

"آٹھ بجے تک نکلیں گے ہم. تم دیکھ لو کپڑے وغیرہ, پھر پہنچنے میں بھی آدھ گھنٹا لگ جائے گا." ایک شرٹ اور جینز نکال کر اس نے بیڈ پر اچھالے. حیا نہیں ہلی وہ وہ متوحش سا ایک گھٹنا بیڈ پر رکھ کر اس پر جھکا.

"حیا.؟" وہ اس کے چہرے سے دوپٹہ ہٹا کر اس کا بازو ہلا رہا تھا. حیا نے ڈر کر آنکھیں کھولی. مگر حمزہ کا ہاتھ وہیں رک گیا.

"تمہیں تو بخار ہے." اس کا جسم واقعی تپ رہا تھا. حمزہ نے بغور اس کے چہرے کا جائزہ لیا. چہرے پر آنسو خشک ہوئے پڑے تھے. اور آنکھین سرخ متورم تھیں.

"تم رو رہی تھی؟ مگر کیوں؟" وہ ابھی بھی ویسے ہی جھکا ہوا تھا. حیا بیڈ کا سہارا لے کر اٹھی اور کراؤن سے ٹیک لگا لی. مگر حمزہ بدستور اسے دیکھ رہا تھا.

"میں ٹھیک ہوں." وہ بمشکل بول پائی. اور حمزہ نے اثبات میں سر ہلایا. "آ رہا ہے نظر." وہ ڈریسنگ کی طرف مڑا. فرسٹ ایڈ باکس میں سے ایک گولی نکالی. اور سائیڈ ٹیبل پر پڑے جگ سے پانی گلاس میں انڈیلا. وہ گولی اور گلاس حیا کو تھماتے بولا. "تم آرام کرو." حیا نے گولی پانی کے ساتھ اندر اتاری. اور گلاس واپس اسے پکڑایا.

"میں فریحہ سے معذرت کر لوں گا کہ میری کونے میں پڑ کر نہ رونے والی بیوی رو رو کر بخار میں تپ رہی ہے اب. "اس نے گلاس حیا کے ہاتھ سے تھاما اور بیڈ سے اترا. "آئی بڑی." بخار میں تپتی حیا کے کانوں نے واضح سنا اور ماتھے پر بل پڑ گئے. (بدتمیز)

****

یہ چھوٹا سا چکور کمرہ تھا جو ثقلین مینشن کا ڈرائینگ روم کہلاتا تھا. حمزہ ہاتھ صوفے کی پشت پر پھیلائے, ٹانگ پر ٹانگ دھرے, ٹی شرٹ اور اس پر بلیزر پہنے سامنے بیٹھے ثقلین کی بات سن رہا تھا. جو اس سے کسی فائرنگ سے ہونے والے حادثے کا تذکرہ کر رہا تھا. حمزہ محض مسکرانے اور سر ہلانے پر اکتفا کر رہا تھا.

"حمزہ تم ہمارے دوست ہو, لیکن کھنچے کھنچے رہتے ہو. "ثقلین نے کباب کی ٹرے حمزہ کی طرف بڑھائی اور حمزہ نے ایک کباب اٹھاتے شکریہ کہا.

"کیاہے ناثقلین صاحب, بندہ سیاست دانوں سے جتنادور رہے بہتر ہے ورنہ یہ اپنے ساتھ آپ کو بھی ڈبو جاتے ہیں. "وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا. اور ثقلین نے قہقہ لگایا.

"سمارٹ بوائے ہاں. "

"الحمدللہ. "کباب منہ میں رکھتے اس نے خدا کا شکر ادا کیا. ثقلین نے مونچھوں کو تاؤ دیا. "پر یہ نقلی کھسر وہ کے گروہ کی خبر میں نے تمہیں دی تھی. "وہ بدستور اپنی مونچھ ایک طرف سے گھمار ہا تھا. حمزہ نے چائے کا کپ میز پر رکھا اور دوبارہ ٹانگ پر ٹانگ جمائی..

".جی اور یہ بھی جانتا ہوں کہ یہ گروہ آپ کے حریف کے کوئی قریبی لوگ چلارہے ہین, آپ نے اسی کو نیچا دکھانے کے لیے یہ سب کیا. "وہ اطمینان سے بولا تو ثقلین کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی. "یہ جو تم ایک قدم آگے رہتے ہو نا یہ ہی تمہاری بات مجھے اچھی لگتی ہے. "وہ اسے سراہنے کے انداز میں اور حمزہ نے سر کو خم دیا. "شکریہ. "

"اب بتاؤ,بی بی حاجن کو کب رہا کر رہے ہو؟ "ثقلین نے ایک اور ثابت کباب منہ میں رکھتے پوچھا. اور حمزہ کی مسکراہٹ سمٹی. "اس کا فیصلہ عدالت کرے گی. "وہ یک دم سنجیدہ نظر آنے لگا تھا.

"میں فیصلہ کر رہا ہوں اسے چھوڑ دو. "ثقلین نے کباب کی پلیٹ کی طرف اشارہ کرتے اطمینان سے کہا اور حمزہ کے چہرے پر مسکراہٹ واپس آئی.

"تو یہ کام تھا جس کے لیے آپ اتنی جلدی مچارہے تھے؟ مگر افسوس ثقلین صاحب! اس کا فیصلہ عدالت ہی کرے گی. "وہ اب مطمئن نظر آنے لگ گیا تھا.

"اونہوں حمزہ. مجھے کل صبح وہ آزاد چاہئیے. وہ بڑے کام کا بندہ ہے. یابندی ہے. واٹ ایور!" ثقلین نے ہوا میں ہاتھ مارا. "مجھے وہ آزاد چاہئیے کل صبح. "ایک ایک لفظ پر زور دیتے وہ آگے کو جھکا. حمزہ نے صوفے کی پشت سے ہاتھ ہٹایا اور اسی کے انداز میں آگے جھکا.

"میں بتا چکا ہوں اس کا فیصلہ عدالت کرے گی. "

"کس کس کو مارو گے حمزہ؟" ثقلین مسکراتے ہوئے سیدھا ہوا. حمزہ نے نا سمجھی کے انداز میں اسے دیکھا.

"مطلب؟"

"مطلب واضح ہے بیٹا, پہلے اپنی مینگیتر, پھر ماں باپ, اور یہ تمہارا بھائی. کس کس کو مارو گے؟" وہ حمزہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بولا. چہرے پر مسکراہٹ ہنوز برقرار تھی. حمزہ کو لگا جیسے کسی نے اس کے سینے میں برچھی اتار دی ہو. وہ یک دم بہت سنجیدہ نظر آنے لگا تھا. چہرے کا تناؤ بڑھ گیا تھا.

"آپ مجھے دھمکی دے رہے ہیں؟"

"نہیں اصلیت بتا رہا ہوں, تمہاری بیوی بہت معصوم ہے. "

حمزہ کی انگلیاں صوفے کی پشت میں دھنستی چلی گئی. سر درد سے پھٹنے لگا. "میں نے کسی کو نہیں مارا." وہ بمشکل بول پایا اور ثقلین نے قہقہہ لگایا. "آف کورس تم نے نہیں مارا مگر ذمہ دار تم ہو, تمہاری فضول کی ضد ہے. "اب کے آواز کرخت ہو گئی. حمزہ کے گلے میں گلٹی ڈوب کر ابھری. آنکھوں میں خون اترنے لگا تھا.

اس نے دو انگلیوں سے کنپٹی کو سہلایا.

"مجھے وہ بی بی حاجن کل تک باہر چاہئیے, ورنہ انجام کے ذمہ دار ہمیشہ کی طرح تم خود ہو گے. "وہ اپنی قمیض جھاڑتا رعونت سے کھڑا ہوا. " قاتل. "آخری الفاظ حمزہ کے کانوں میں گئے. اور وہ تیز تیز قدم اٹھاتا گاڑی تک آیا.

قاتل. قاتل قاتل. الفاظ گونجنے لگے تھے, اعصاب شل ہو رہے تھے. خون کھولنے لگا تھا. اس ایک دل چاہا وہ سب برباد کر دے. تہس نہس کر دے. سب منظر نظروں کے سامنے گھومنے لگے تھے. رانیہ, ماں, بابا.

قاتل, قاتل, قاتل!

****

حیا آج کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی. ظہر ہونے میں ابھی وقت تھا. اس کی طبیعت سنبھلی ہوئی تھی. وہ نیچے آئی. کچن کا چکر لگایا وہاں باہر سے منگوائے کھانے کے ڈبے پڑے تھے. ایسے ہی ڈبے اس کی میز پر اوپر کمرے میں بھی پڑے تھے جو یقیناً حمزہ اس کے لیے رکھ کر گیا تھا. وہ اس کا خیال رکھ رہا تھا. حیا مسکراتی لاؤنج میں آکر بیٹھ گئی .

حمزہ کو گیارہ بجے ثقلین کی طرف جانا تھا وہ جانتی تھی. بھوک کا احساس بڑھنے لگا تو اپنے لیے ٹوسٹ بنانے وہ کچن میں آگئی.

گھڑی کی سوئیاں آہستہ آہستہ فاصلہ طے کر رہی تھیں. بارہ سے ایک, ایک سے دو اور دو سے تین بج گئے تھے. حمزہ ابھی تک نہیں آیا تھا. ہاں وہ اکثر دیر سے ہی آتا تھا مگر وہ بور ہو رہی تھی تو انٹر کام اٹھا کر کان سے لگایا. دوسری طرف جمشید تھا .

"جی سر. " آواز سنے بغیر وہ بولا اور پھر حیا کی آواز سن کر معذرت کرنے لگا .

"سوری میڈم! مجھے لگا سر ہیں " .

"اٹس اوکے! یہ بتاؤ حمزہ کب سے گیا ہوا ہے ؟" وہ صوفے پر نیم دراز تھی .

"گیارہ بجے گئے تھے مگر بارہ بجے سے پہلے واپس آ گئے تھے. " وہ سوچتے ہوئے بولا. اور حیا کا منہ حیرت سے کھل گیا. "پھر وہ باہر نہیں گیا؟" اسے جیسے تسلی نہیں ہوئی تھی.

"نہیں" .

"اوکے. ہاں ہاں سب ٹھیک ہے. "حیا پریشان سی کھڑی ہوئی. پہلے شیری کے کمرے میں دیکھا وہ خالی تھا, پھر اوپر اسٹڈی روم میں دیکھ کر آئی. وہ وہاں بھی نہیں تھا.

"کمال ہے. "بڑبڑاتی وہ نیچے آئی. اور پھر کسی خیال کے تحت بیسمنٹ کی طرف بڑھی. وہ بھی خالی تھا. مگر وہ اترتی چلی گئی. وہاں اندھیرا تھا. مگر اوپر سے آتی روشنی میں چیزیں صاف دکھ رہی تھیں. کانفرنس میز کے دوسری طرف نیچے اسے کسی وجود کا احساس ہوا تو وہ اس طرف چلی گئی. وہاں اندھیرے میں کرسی سے ٹیک لگائے, ایک ٹانگ لمبی پھیلائے دوسری کو اندر کو موڑے حمزہ بیٹھا تھا. وہ اس کے سامنے دوزانو بیٹھ گئی .

"حمزہ! یہاں کیوں بیٹھے ہو؟" وہ اندھیرے میں اس کے چہرے کے تاثرات ٹٹول رہی تھی. حمزہ نے چونک کر آنکھیں کھولیں اور سر کرسی سے ہٹایا.

"حیا! میں قاتل نہیں ہوں. "اس کی آواز گیلی محسوس ہوتی تھی.

"تم ایک بہت اچھے انسان ہو حمزہ. کس نے کہا تم قاتل ہو؟" وہ کرب سے آگے ہوئی.

"ثقلین کہتا ہے میں سب کو مار دیتا ہوں. میں نے رانیہ, ماں, بابا کو مارا. اور اب. "اس نے کرب سے آنکھیں بند کیں. "میں تمہیں بھی مار دوں گا. "ہمیشہ اس بات پر توڑ پھوڑ کر دینے والا حمزہ آج تکلیف کی انتہا پر بھی بس بیٹھا تھا. ساکت بیٹھا تھا. ہونٹ ہلتے نظر آتے تھے. آنکھوں کا کرب نظر آتا تھا. حیا تڑپ کر تھوڑا اور آگے ہو گئی.

"حمزہ. میں تمہیں سننا چاہتی ہوں. تم بولو. جو تمہارے دل میں ہے بولو پلیز. "اس نے بے ساختہ حمزہ کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا تھا. اس کے ہاتھ ٹھنڈے تھے. یخ ٹھنڈے.

"کچھ رہا ہی نہیں بولنے کو. رانیہ کو میں نے کھو دیا. ماں بابا کو اپنی ضد کے آگے کھو دیا. وہ نہیں چاہتے تھے میں واپس ڈیوٹی جوائن کروں. رانیہ مجھے بلاتی رہی. میرے پاس وقت نہیں تھا. میرے پاس کسی کے لیے وقت نہیں تھا. اور

آج ایک لمحے کو ان کو دیکھنے کے لیے ترستا ہوں۔" اس کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی تھی۔ سینہ، آنکھیں سب جل رہا تھا۔

"وہ تینوں مجھ سے ناراض ہیں۔ وہ مجھ سے بات نہیں کرتے" ۔

"میں نے سب کو مار دیا حیا۔ میں نے سب کو مار دیا۔" بیسمنٹ کی خاموشی میں اس کی دل سوز چیخ بلند ہوئی۔ اور حیا کو لگا اس کا دل کٹ گیا ہے۔ وہ ٹوٹا پڑا تھا۔ بکھرا ہوا۔ ایک ایک ٹکڑا حیا اس کی آنکھوں میں کرچیوں کی طرح چبھتے دیکھ رہی تھی۔

"حمزہ!" حیا نے دونوں ہاتھ اس کے گالوں پر رکھے۔ اور اس کی اپنی آنکھ سے آنسو گرنے لگے تھے۔

"تم نے کچھ نہیں کیا۔ سب جھوٹ کہتے ہیں۔ رانیہ، ماں، بابا کو تم پر فخر ہے۔" حمزہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ حیا نے فوراً تیز تیز گردن اثبات میں ہلائی۔ "ان کو اپنے حمزہ پر فخر ہے۔ حمزہ نے اپنی خود غرضی کے پیچھے لاکھوں لوگوں کی جان داؤ پر نہیں لگائی" ۔

"نہیں ان کو مجھ سے نفرت ہے۔ سب مجھے ان کا قاتل سمجھتے ہیں۔" آنسو اس کی آنکھ کے کونوں پر چمکنے لگے تھے۔

"میں نہیں سمجھتی۔" حیا نے پیچھے ہوتے اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں دبایا۔ حمزہ کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑے۔

"ہاں حمزہ تم قاتل نہیں ہو۔ تمہیں بس گلٹ ہے کہ تم ان کو وقت نہیں دے پائے۔ اور گلٹ زہر ہے۔ یہ انسان کو اندر سے مار دیتا ہے۔" حمزہ نے نفی میں سر ہلایا مگر حیا بولتی گئی۔

"تم اپنی ڈیوٹی کی وجہ سے انکو وقت نہیں دے سکے۔ اگر تمہیں یہ گلٹ ہے تو نکل آؤ اس گلٹ سے یار۔ ہم سب زندگی میں غلطی کرتے ہیں، غلطیوں سے پاک فیصلے خدا کے ہوتے ہیں۔ انسانوں کے نہیں، مگر بہتر وہ ہے جو ان غلطیوں کو تسلیم کر کے تصیح کر لے آئندہ خیال رکھے۔ نا کہ اس روگ میں خود کو مار لے" ۔

"سر کہتے ہیں ایک عورت کا بچہ اس کے سامنے بیٹھا کھیل رہا تھا,وہ ٹب میں گر کر ڈوب گیا اور مر گیا. حمزہ وہ عورت پاگل ہو گئی. اسے گلٹ تھا کہ میں اسے بچا نہیں سکی. پر میری جان! در اصل اس بچے کے لیے اللہ نے یہ ہی لکھا تھا. "وہ اپنے الفاظ پر غور کیے بغیر بولتی جا رہی تھی.

"ہم سب بہت بڑی بڑی غلطیاں کرتے ہیں. لیکن یا تو مانتے نہیں یا پھر مان کر سوگ میں چلے جاتے ہیں. ہم ان کو قبول نہیں کرتے,ان کو صحیح کرنے کی کوشش نہیں کرتے. حمزہ معاف کر دو خود کو پلیز. معاف کر دو. جو غلطی ہو گئی اب تک اس کے لیے خود کو معاف کر دو. تم خود کو معاف نہیں کرو گے تو کوئی نہیں کرے گا.

"یہ ہونا تھا. جس نے جب مرنا ہے وہ مر جائے گا حمزہ. جس کے ساتھ جب بگڑنی ہے بگڑے گی. تم کتنے بھی ذہین ہو,اگر میڈیکل تمہاری فیلڈ نہیں ہے تو تم کامیاب نہیں ہو گے,تم کتنا بھی پیار دو اگر اللہ نے وہ انسان تمہارے لیے نہیں چنا تو وہ کبھی تمہارا نہیں ہو گا. پھر بہانہ کچھ بھی بن جائے. ہم ذمہ دار نہیں ہوتے" .

"ہم لوگوں کو معاف کرتے ہیں. لوگوں سے معافیاں مانگتے ہیں پر خود کو اپنی غلطیوں کے لیے معاف کیوں نہیں کرتے؟ کیوں ان کو روگ بنا کر زندگی عذاب کر لیتے ہیں. ہم اپنی غلطیوں کو تسلیم کرنا اور خود کو معاف کرنا کب شروع کریں گے؟ تم آج ابھی خود کو اس تکلیف سے نکال لو جو تمہارے ساتھ ہوا اس میں تمہاری غلطی نہیں تھی. پلیز خود کو معاف کر دو. پلیز" .

"اور تم قاتل نہیں ہو. سمجھے تم؟ تم قاتل نہیں ہو" .

وہ اسے ہلا رہی تھی اور وہ اثبات میں سر ہلانے لگا.

"وعدہ کرو خود کو معاف کرو گے؟ دوسروں کی معافی کے لیے پہلے خود اپنی غلطی کو تسلیم کر کے خود کو معاف کرنا ضروری ہے حمزہ. تم ان کو وقت نہیں دے پائے آج اس غلطی کو معاف کر دو. خود کو معاف کر دو. ہاں؟ "

"ہاں۔" وہ اتنا کہہ پایا۔ حیا اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے اپنے ساتھ کا احساس دلاتی رہی۔ کتنی دیر وہ بیٹھے رہے یوں ہی ہاتھوں میں ہاتھ لیے۔ کافی دیر بعد حیا کو حمزہ کی آواز سنائی دی۔

"کیا تم نے مجھے 'میری جان' کہا تھا؟" اسکی آنکھیں بند تھیں۔ حیا نے زبان دانتوں میں دبائی اور مسکراہٹ چھپاتے بولی۔ "مجھے یاد نہیں۔" حمزہ نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا اور اپنی پھیلی ٹانگ سمیٹی۔

"نہیں۔ میں نے سنا تھا تم نے مجھے 'میری جان' کہا تھا۔" وہ ابرو اٹھائے اسے دیکھ رہا تھا۔

"تم ٹھیک ہو اب؟" حیا نے موضوع بدلنا چاہا اور حمزہ نے اثبات میں سر ہلاتے تیسری بار پوچھا۔ "کیا تم نے مجھے میری جان کہا تھا۔" حیا نے اس کے ہاتھ چھوڑ دیے۔ اور چوکڑی مار کر اس کے سامنے بیٹھ گئی۔

"کہا تھا اور اب جب میں نے اپنی اتنی انرجی ویسٹ کی ہے بولنے میں اور تم اچھا بھی محسوس کر رہے ہو تو انعام تو بنتا ہے۔ سو مسٹر حمزہ مے آئی ہگ یو؟" وہ سرشار سی بولی۔ اس کے انداز پر حمزہ کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے, اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا کر اسے اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا۔ اور وہ جی جان سے مسکرائی۔ ہاتھ تھاما اور گھٹنوں کے بل کھڑی ہوتی, دونوں بازو اس کے گلے میں ڈال کر اس کے گال سے گال مس کر دیا۔

"میں نہیں کہتا تھا تمہارا نام بے حیا ہونا چاہئیے۔" وہ سرگوشی سی کے انداز میں بولا۔ حیا نے سر اس کے کندھے سے اٹھایا اور مصنوعی خفگی سے گھورتے, دوبارہ اس کے گلے لگ گئی۔ اور ہلکی سی سرگوشی کی۔

"آئی لو یو"۔

حمزہ نے دونوں بازو اس کے گرد باندھتے اتنی ہی احتیاط سے سرگوشی کی۔ "استغفر اللہ۔" حیا نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ اور حمزہ نے اپنی گرفت اور مضبوط کر دی۔

"استغفر اللہ۔" ایک بار پھر آواز سنائی دی۔ دونوں نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر میز کے نیچے سے سیڑھیوں کی طرف دیکھا۔ آواز وہ پہچان چکے تھے۔ حیا حمزہ سے الگ ہو کر کھڑی ہو گئی۔ حمزہ نے اپنا ہاتھ ہوا میں

اٹھایا تو حیا نے اس کا ہاتھ پکڑا اور وہ بھی کھڑا ہو گیا. سامنے شیری کھڑا تھا. جواب واپس مڑ رہا تھا. "میں نے کچھ نہیں دیکھا. "اس نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا. حیا حمزہ نے نظروں کا تبادلہ کیا.

"رک اوئے. "حمزہ نے اسے آواز دی. اور وہ واپس مڑے بغیر رک گیا. اب دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے اس کے پیچھے کھڑے تھے. حیا کے گال گلابی پڑے ہوئے تھے.

"میں نے نیا پرفیوم لیا تھا. وہی دیکھ رہی تھی یہ کہ کیسا ہے. "حمزہ نے حیا کی طرف دیکھتے بائیں آنکھ دبائی. اور حیا نے اس کے ہاتھ پر گرفت مضبوط کر دی.

"اوہ! اچھا تو آپ لوگ پرفیوم پرفیوم کھیل رہے تھے. "وہ سر ہلاتے واپس ان کی طرف مڑا. "میں نے بھی مال روڈ سے نیا پرفیوم لیا تھا. حمزہ بھائی بتائیں کیسا ہے؟ "وہ اپنی شرٹ کندھے سے کھینچ کر آگے ہوا. اور حمزہ نے اسے گلے لگا لیا اور ہلکے سے سرگوشی کی. "شرم تو نہیں آتی شریف لوگوں کے گھر بغیر اجازت گھستے ہوئے. "اس نے شیری کو اپنی پوری قوت سے دبایا. اور وہ کراہا. حمزہ نے گرفت ڈھیلی کی تو وہ بولا. "شریف لوگوں کو چاہئیے باہر کا دروازہ بند کر لیں. "حمزہ نے مسکراتے ہوئے اسے خود سے الگ کیا. "زبان چلنے لگ گئی ہے. "شیری نے سر کو خم دیا. "الحمدللہ" .

"بھائی سے ہی ملتے رہو گے یا مجھے بھی بتاؤ گے کہ پراگرس کہاں تک پہنچی؟ "وہ ان دونوں کی سرگوشیوں سے بے نیاز بولی تو شیری جھٹ بولا.

"بھابھی مجھے گھر سے بھیج کر یہاں پراگرس ہی تو ہوئی ہے. "اس نے دونوں ہاتھ ہوا میں اٹھا کر زمین کی طرف اشارہ کیا اور حیا نے دوسرے ہاتھ سے حمزہ کا بازو تھاما. "استغفراللہ" .

اور کتنے ماہ بعد اس گھر نے سب کو ایک ساتھ ہنستے دیکھا تھا.

****

یہ صبح پورے پاکستان پر ایک جیسی اتری تھی. وہی سورج,وہی گرمی. مگر حمزہ کے گھر میں یہ عام دنوں سے مختلف تھی. شیری واک کے لیے گیا ہوا تھا مگر... اکیلا!

حمزہ کے کمرے میں جھانکو تو حمزہ ڈریسنگ کے سامنے کھڑا رسٹ واچ باندھ رہا تھا,اور زرا کی زرا نظر وہ پیچھے بیڈ پر سوئی پڑی حیا کو بھی دیکھ لیتا. گھڑی باندھ کر وہ بلیزر نکالنے لگا. حیا نے کروٹ لی. نیم وا آنکھوں سے حمزہ کو دیکھا جو خود میں مگن تھا. اور مسکرا کر دوبارہ آنکھیں بند کر لیں.

"مس حیا اگر آپ جاگ گئی ہیں تو اٹھ کر غریبوں کو ناشتہ کروادیں. کچھ حساب چکانے جانا ہے." وہ حیا کی کھل کر بند ہوتی آنکھیں دیکھ چکا تھا.

"مسز. "اس نے نیند میں تصیح کی.

"اوکے مسز حمزہ!" وہ بیڈ سے اپنا والٹ اٹھانے جھکا

اور حیا نے چہک کر آنکھیں کھولیں. پیار,احترام سب تھا ان آنکھوں میں. تھوڑی دیر وہ یوں ہی جھکا رہا .

"ناشتہ بنادو. "اس کے گال کے ساتھ اپنی انگلیاں مس کرتے وہ پیار سے بولا.

"شیری آیا تھا تمہیں واک کے لیے بلانے." وہ دوبارہ کھڑا ہوا تو حیا بھی اٹھ بیٹھی. "اوہ." پھر وہ نہیں گیا؟ "

"گیا ہے مگر اکیلا. "حمزہ نے پرفیوم خود پر چھڑکا .

" آجاؤ نیچے بھوک لگ رہی ہے." وہ باہر کی طرف بڑھا اور حیا نے اثبات میں سر ہلایا.

تھوڑی دیر بعد وہ نیچے اتری تو حمزہ اور شیری کسی کرکٹ میچ پر تبصرہ کر رہے تھے.

"تم نے مجھے کیوں نہیں اٹھایا واک کے لیے؟" بالوں کو جوڑے میں باندھتی وہ کچن کی طرف جا رہی تھی.

" آپ سوئی ہوئی تھیں,غالباً آپ نے اپنی صبح دیر تک سوتے رہنے کی عادت نہیں بدلی." وہ سنجیدگی سے کہتا دوبارہ حمزہ کی طرف متوجہ ہو گیا اور حیا اس کا طنز سمجھتی مسکراتی ہوئی کچن کی طرف چلی گئی.

اسے حمزہ کے لیے سینڈوچ اور شیری کے لیے پراٹھے, آملیٹ اور کافی بنانی تھی. حمزہ اٹھ کر کچن ونڈو پر بازو ٹکائے کھڑا ہو گیا. وہ کام کرتی رہی, حمزہ ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا اور یہ تب ہی تھا جب اچانک شیری نے ریموٹ زمین پر پٹخا اور چلانا شروع کر دیا. حیا بدحواس سی کچن سے نکلی اور حمزہ پہلے ہی وہاں پہنچ چکا تھا. شیری اس کے بازوؤں میں مچل رہا تھا.

"مجھے وہ چاہئیے. مجھے دیں وہ. مجھے وہ چاہئیے"

"شیری! کیا ہو گیا ہے. "حیا اس کی طرف لپکی تو وہ غرایا. "پیچھے رہیں مجھ سے. پہلے مجھے نقلی پاؤڈر دیتی رہی اب میرے بھائی کو بھی مجھ سے چھین لیا. "وہ ہانپ رہا تھا.

"شیری. "حمزہ نے اسے چپ کروانا چاہا. حیا کو سمجھ نہیں آیا یہ کیا ہو رہا ہے.

"آپ تو رہنے دیں حمزہ بھائی. مجھے گھر سے نکال کر آپ لوگ اپنی لائف پلان کرنے لگ گئے. آپ نے اتنا نہیں سوچا میں ٹھیک نہیں ہوں. "اس نے صوفے پر رکھے کشن یکے بعد دیگرے زمین پر پٹخے. "مجھے نہیں پتا مجھے وہ چاہئیے. "وہ چلایا. اور حمزہ نے اسے کالر سے پکڑ کر ایک تھپڑ جڑا. شیری نے دوبار آنکھیں بند کر کے کھولیں. ہاتھ منہ پر رکھا. "کیا چاہئیے ہاں. بول کیا چاہئیے. "حمزہ اس کو کالر سے پکڑ کر پوچھ رہا تھا. اور وہ معصومیت سے بولا. "مجھے جونئیر حمزہ چاہئیے. جو مجھے شیری چاچو کہہ کر بلائے. "ہاتھ بدستور منہ پر تھا. حیا نے بے یقینی سے اسے گھورا اور حمزہ کا دل چاہا وہ اسے دو تھپڑ اور لگائے.

"یہ بات تو آرام سے نہیں کہہ سکتا تھا. یہ ڈرامہ کرنا ضروری تھا؟ "وہ اب دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر کھڑا تھا.

"آپ لوگ مجھے اگنور کر رہے تھے. یوں نہیں چلے گا. اگر یوں ہی کرنا ہے تو مجھے نہیں پتا مجھے بھی میری بیوی چاہئیے. "وہ بچے کی طرح کشن گود میں دبائے, ہاتھوں کا پیالہ بنائے, منہ اس پر دھر کر بیٹھ گیا.

"سمایا پسند ہے؟"حمزہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ پھیلاتے پوچھا۔"ہاں؟"وہ حیران ہوا,شاکڈ ہوا,پریشان ہوا۔" آپ ایسا کیسے کہہ سکتے ہیں بھائی,وہ میری دوست ہے بس۔"وہ بے یقینی سی کی کفیت میں بولا۔تو حمزہ نے اس کے کندھے سے ہاتھ ہٹایا۔

"اچھا چلو پھر میں ماسی سے انیقہ کے لیے بات کرتا ہوں۔"حمزہ کھڑا ہونے لگا اور شیری نے جھٹ اس کا ہاتھ پکڑا۔

"سمایا پسند ہے۔"کچھ دیر پہلے کی ڈرامہ بازی غائب ہو گئی۔حمزہ نے گہرا سانس لیا اور کچن ونڈو سے حیا کو اشارہ کیا۔

حیا نے وہیں سے اس ڈرامے باز کو دیکھا اور سمایا کو فون ملایا۔اب وہ فون پر بول رہی تھی۔

"مس سمایا,کیا آپ میری دیورانی بننا پسند کریں گی؟"

* *

وہ دوبارہ اسی بیٹھک میں بیٹھا تھا مگر اب کہ وہ بارعب لگ رہا تھا۔چہرے پر اطمینان تھا۔

"ثقلین صاحب!انسان کتنا معصوم ہے نا۔اسے لگتا ہے کہ وہ ہمارے لیے جال بن رہا ہے پر اصل میں اللہ ہمارے لیے اس بندے کے زریعے رستہ بنا رہا ہوتا ہے۔"ثقلین کو سمجھ نہیں آئی وہ کیا کہنا چاہتا ہے پر حمزہ کا اشارہ ثقلین کی باتوں کی وجہ سے حیا کے ساتھ اس کے رشتے کی ابتدا کی طرف تھا۔ثقلین بےزار نظر آتا تھا۔

"آپ کی حاجن بی بی کا ٹرائل شروع ہو جائے گا کل۔اور ہم کوشش کریں گے کہ معصوم لڑکیوں کے دھندے اور ڈرگ ڈیلنگ کے جرائم,قتل وغیرہ ملا کر دوبار پھانسی کی سزا تو ضرور ہو۔"وہ مسکراتا کھڑا ہوا۔ثقلین نے کچھ کہنے کو لب کھولے تو حمزہ بولا۔

"اور ہاں آپ کے ایک اسکینڈل کی وڈیو ہے میرے پاس۔"اس نے سوچنے کے انداز میں ناخن سے ابرو کھجائی۔

"غالباً کسی کلب کی وڈیو ہے۔"وہ خود ہی سر ہلاتے ہوئے بولا۔ثقلین کے منہ پر ایک رنگ آرہا تھا اور ایک جا رہا تھا۔

"میں تمہیں۔۔"وہ اعانت سے انگلی اٹھاتا آگے بڑھا اور حمزہ نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے۔

"اہاں. اہاں. سوچنا بھی نہیں,اس کی بہت سی کاپیز ہیں جو میں نے اپنے دوستوں,کالیگز,فیملی کو بانٹ دی ہیں اور ہدایت کی ہے کہ اگر مجھے اور میری فیملی کو کچھ ہوا تو وہ وڈیو میڈیا کو دے دے" .

"دین یو نو. عزت بھی جائے گی,منسٹری بھی جائے گی. سو سٹے اوے فرام می اینڈ مائی فیملی. "اس نے انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا. ثقلین نے اپنا ویسٹ کوٹ اتار کر صوفے پر دے کر مارا.

****

باہر رات اتر رہی تھی. وہ ابھی تھانے سے آیا تھا اور اب بالکنی میں زمین پر دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا. جب حیا اسے کافی دینے آئی. اس کے ہاتھ سے کپ پکڑتے اس نے حیا کو دیکھا. وہ پہلے سے زیادہ تیار لگ رہی تھی.

"کہیں جا رہی ہو؟"مگ لبوں سے لگاتے اس نے پوچھا اور حیا نے آنکھیں سکیڑی. "میں نے کہاں جانا ہے؟"

"نہیں میرا مطلب اتنی تیار ہوئی ہوئی ہو. "اس نے شانے اچکائے اور حیا کا دل چاہا اس کی کافی میں منہ ڈبو دے.(بدتمیز)

"اصل میں نا,میرا ایک عدد شوہر ہے,ہاں کافی زیادہ کھڑوس ہے پر کیا کروں بیوی حقوق تو پورے کرنے ہی ہوتے ہیں. تو سوچا تھوڑی تیار ہو جاؤں تاکہ جب میرا تھکا ہارا شوہر گھر آئے تو خوبصورت بیوی کو دیکھ کر اس کی ساری تھکن دور ہو جائے. "وہ تو شروع ہی ہو گئی تھی اور حمزہ مگ کو دوبارہ لبوں سے لگاتا مسکرایا. اور پھر جب مگ ہٹایا تو وہ سنجیدہ تھا.

"کتنا بولتی ہو تم. "حیا نے اپنی مٹھیاں بھینچ کر بہت سا غصہ اپنے اندر اتارا.

"آئی ہیٹ یو. "پیر پٹختی وہ کمرے میں چلی گئ. حمزہ نے انگلی سے ماتھا کھجایا اور مسکراتے ہوئے ایک طرف پڑا اپنا فون اٹھایا. فیس بک کھولی اور اسکرول کرنے لگا. ایک جگہ اس کا ہاتھ رک گیا. آنکھیں بے یقینی سے پھیلی. اسکرین پر شیری کا اسٹیٹس تھا.

"ہیو یو گائز ایور پلیڈ پر فیوم پر فیوم؟ آئی لیرنٹ دس گیم فرام مائی بھائی. دی گریٹ حمزہ بھائی!" اور آگے ونک ایموجی تھا. اور نیچے گیارہ کمنٹس نظر آرہے تھے. کافی کا مگ ایک طرف رکھتے اس نے کمنٹ سیکشن کھولا. سب سے پہلا کمنٹ انیقہ کا تھا.

"مجھے یقین نہیں آتا کہ حمزہ بھائی کوئی گیم کھیلتے ہوں گے, وہ تھوڑے بورنگ سے ہیں. " آگے بندر نے منہ پر ہاتھ رکھا ہوا تھا. حمزہ نے اس پر اینگری ری ایکٹ کیا.

نیچے شیری نے حمزہ کو مینشن کرر کھا تھا. "حمزہ بھائی انیقہ کچھ کہہ رہی ہے. " اور بھی کمنٹس تھے مگر حمزہ نے پوسٹ کا اسکرین شاٹ لیا, اور شیری کو واٹس ایپ کیا. "کیا ہے یہ؟" ساتھ ہی اسکرین پر شیری کا جواب ابھرا. " اسے اسٹیٹس کہتے ہیں حمزہ بھائی. " اور حمزہ دوسرے ہاتھ میں مگ اٹھاتے کھڑا ہوا, وہ اب وائس میسج بھیج رہا تھا.

"ڈلیٹ کرواسے ابھی" .

"سوری بھائی! شیری اپنے الفاظ کبھی واپس نہیں لیتا. " ساتھ ونک ایموجی تھا.

"شیری! یو ول ریگرٹ دس. " حمزہ نے اسے ڈرانا چاہا.

"بھائی! بھابھی کہتی ہیں پچھتاوے ہمیں اندر سے مار دیتے ہیں اس لیے اب میں پچھتاتا نہیں ہوں. " وہ بھی ڈھیٹ بنا ہوا تھا.

"او کے سی یو سون میرے بھائی. " اس نے آخری پیغام بھیجا اور نیٹ آف کر دیا.

"شیری ول ریگریٹ. " حمزہ نے کمرے میں جاتے جیسے خود کو یاد کروایا.

* *

دوپہر کے دو بج رہے تھے. حمزہ ابھی ردابہ کو ائیرپورٹ سے پک کر کے لایا تھا. حیانے اس کا دروازے پر ہی استقبال کیا تھا اور اب وہ کچن میں کھڑی کھانے کا انتظام کر رہی تھی. حمزہ نے اسے اچانک بلوایا تھا. اور وہ اب تک شیری کی شادی کی خبر سے لاعلم تھی. جوس کا گلاس ختم کرتے وہ حمزہ کی طرف مڑی.

"ہاں بھئی اب بتاؤ, اتنی ایمرجنسی میں کیوں بلوایا مجھے؟" پھر ردابہ نے کچن ونڈو سے حیا کو دیکھا جس کا رخ اسٹوو کی طرف تھا. "از دئیر اینی گڈ نیوز؟" وہ چہک کر بولی اور حمزہ نے مصنوعی گھورا. "استغفراللہ" ردابہ نے قہقہہ لگایا. اور حمزہ کے سر پر چپت رسید کی.

"تنگ مت کرنا اس کو. شی از آ نائس لیڈی" حمزہ نے آنکھیں گھمائی. "کم آن ماسی! آئی ایم آلسو آ گڈ مین" وہ دونوں بازو ردابہ کے گلے کے گرد باندھتے اس کے کندھے سے سر ٹکا کر بیٹھ گیا. حیا نے کچن ونڈو سے ماسی, بھانجے کا پیار دیکھا تو بے اختیار مسکرا دی. ردابہ اب اس کا گال تھپک رہی تھی.

"بتاؤ پھر کیوں راتوں رات بلوالیا؟" حمزہ سیدھا ہو گیا. "اور ردابہ کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا.

"ماسی میں جانتا ہوں آپ مجھ سے بہت پیار کرتی ہیں. اور شیری بھی آپکو بہت پیارا ہے. تبھی آپ شیری اور انیقہ کا عقد چاہتی تھیں." وہ رکا اور ایک نظر ردابہ کے چہرے پر ڈالی جو بغور اسے سن رہی تھی.

"پر ماسی جوڑے تو آسمانوں پر بنتے ہیں نا, اللہ نے جس کو جس کے لیے لکھا ہے وہ ہی اسے ملے گا. جیسے دیکھیں نا اگر کچھ آپکا نہیں ہے تو پوری دنیا زور لگالے وہ آپ کو نہیں ملے گا اور اگر کچھ آپکا ہے تو پوری دنیا آپ سے چھیننا چاہے وہ نہیں چھین سکتی. اسی طرح اگر اللہ نے انیقہ کو شیری کے لیے منتخب کیا ہوتا تو وہ ہی ہوتا مگر شیری سمایا کو پسند کرتا ہے." وہ لب کاٹتے ردابہ کے تاثرات دیکھنے کو رکا. وہاں کچھ ایسا نہیں تھا کہ وہ چپ رہتا تو آگے بولا.

"اور میں نے آپکو اس رشتے کے سلسلے میں ہی بلایا ہے۔" وہ اپنے اور ردابہ کے ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا۔ اور ردابہ اس کے جھکے چہرے کو۔

"کیا آپ رسم کے لیے شیری کی امی بن کر وہاں جائیں گی؟" وہ پریشان سا بولا۔ اور ردابہ نے اس کے گال پر ہاتھ رکھا۔ "کیوں نہیں جاؤں گی؟ میرے بچے ہو تم لوگ میں نہیں جاؤں گی تو کون جائے گا؟" حمزہ متذبذب سا اسے دیکھنے لگا۔

"آپ اس بات سے خفا ہوئی ہیں؟" ردابہ نے ہاتھ ہٹایا۔

"ماسی کی جان تمہیں کیوں لگتا ہے میں خفا ہوں گی؟" جان سے حمزہ کو کچھ یاد آیا وہ مسکرانا چاہتا تھا مگر اس وقت وہ اہم موضوع لے کر بیٹھا تھا تو سر جھٹکا۔

"شیری انیقہ سے شادی نہیں کرنا چاہتا تو آپ کو برا نہیں لگا؟" اس نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔ اور ردابہ نے گہری سانس اندر کھینچی۔

"حمزہ ایک نرس تھی برونی ویل۔ اس نے اپنی زندگی کے تیس پینتیس سال نرسنگ کی۔ اس کی ڈیوٹی آئی سی یو میں ہوتی تھی۔ جہاں اس نے اپنے کیریئر میں بے شمار لوگوں کو مرتے دیکھا۔ اور دیکھا کہ ہر بندہ کوئی نہ کوئی پچھتاوا لے کر مرا ہے۔ اس نے ان پچھتاووں کا بغور جائزہ لیا اور دیکھا کہ سب کہ پچھتاوے تقریباً ایک جیسے ہیں۔ ریٹائرمنٹ کے بعد اس نے ایک کتاب لکھی فائیو ریگریٹس آف ڈائنگ۔ جس میں اس نے ان پچھتاوں کو پانچ کیٹگریز میں تقسیم کیا۔ اور تمہیں پتا ہے مرنے والوں کے پچھتاووں مین سب سے بڑا پچھتاوا کیا تھا؟" وہ رک کر اسے دیکھنے لگی اور وہ بس سر ہلاتا رہا۔ تو وہ آگے بولی۔

"بچے! ان کا پچھتاوا تھا کہ ان کو اپنی زندگی ملی پر وہ اپنی زندگی جی کر نہیں گئے بلکہ انہوں نے دوسروں کے مطابق اپنی زندگی گزاری. والدین یہ چاہتے ہیں, رشتے داروں کے مطابق کامیابی انجینیئرنگ میں ہے, دوست کہتے ہین بزنس ٹھیک ہے. مطلب وہ دوسروں کو خوش کرتے کرتے خود ناخوش مرے" .

"میرا بچہ! جس کی زندگی ہے اسے اپنے مطابق زندگی گزارنے کا حق ہے. تاکہ مرتے وقت جب وہ پیچھے دیکھے تو افسردہ نہ ہو کہ یہ میں کیا کر کے گیا. بلکہ جب وہ پیچھے مڑ کر دیکھے تو کہے میں دوبارہ بھی اگر پیدا ہوا تو ایسی ہی زندگی گزاروں گا. یہ ہی فیلڈ چنوں گا, یہ ہی دوست بناؤں گا اور اسی انسان سے شادی کروں گا".

حیا نے کچن سے باہر دیکھا. ردابہ کے ہاتھ اب بھی حمزہ کے ہاتھ میں تھے اور وہ جانتی تھی کیا باتیں ہو رہی ہیں. آخر کو رات ہی تو اس نے حمزہ کو ہمت دی تھی کہ وہ ردابہ کو بلا کر سامنے بیٹھ کر بات کرے. ردابہ ابھی بھی بول رہی تھی.

"حمزہ! جب ہم نے کوئی سوٹ لینا ہوتا ہے تو ہم گھنٹوں لگا کر خریدتے ہیں, گھر لاتے ہیں, بچے کو دکھاتے ہیں, اسے پسند نہ آئے تو واپس کر آتے ہیں, یا کہتے ہیں کہ خود ساتھ آیا کرو پھر تمہیں پسند نہیں آتا. حمزہ! سوٹ ایک بار, دو بار یا زیادہ سے زیادہ چند ماہ پہننا ہوتا ہے, پر بچے پارٹنر کے ساتھ ساری زندگی گزارنی ہوتی ہے. اس کے لیے بھی بچے کو آگے کرنا چاہئیے کہ دیکھو تم اس کے ساتھ رہ بھی لوگے یا نہیں. پر ہم اس کو بھی انا کا مسئلہ بنا لیتے ہیں. اور وہ لوگ بیوقوف ہوتے ہیں جو بچوں کے رشتوں کے پیچھے ناراضگیاں پال لیتے ہیں. تمہیں پتا ہے بڑے بوڑھے کہتے ہیں یہ نصیب کی بات ہوتی ہے. اس کو وجہ بنا کر اپنوں سے دور ہو جانا حماقت ہے. اور ماسی کی جان. "ردابہ نے اس کا گال چٹکی میں بھرا.

"میں احمق نہیں ہوں. اور نہ میں شیری کو ایسا کوئی پچھتاوا دینا چاہتی ہوں "حمزہ نے سر ہلایا اور دوبارہ بازو ردابہ کی گردن میں ڈالتے سر, اس کے سر سے جوڑ دیا.

"تھینک یو سو مچ ماسی. میں بہت پریشان تھا اس بات کو لے کر اینڈ ناؤ آئی ایم ریلیکسڈ." وہ ردابہ کا گال چوم رہا تھا.

"آئی لو یو." وہ دوبارہ اس کے کندھے تک نیچے کو سرک گیا.

"آئی لو یو ٹو." حیا نے شیشے کی میز پر ٹرے رکھتے ہوئے کہا, حمزہ نے ایک نظر ردابہ کو دیکھا اور پھر حیا کو. اور دل میں پورے ایمانی جزبے سے استغفار کہا. اور پھر ردابہ کے کان میں بڑبڑایا.

"آئی سیڈ دیٹ فار یو." ردابہ نے اپنی مسکراہٹ دباتے حیا کو دیکھا. جو اب ٹرے میں سے پلیٹیں نکال کر رکھ رہی تھی.

"ویسے حمزہ یہ جو تم نے باتیں کی ابھی یہ تمہاری بیوی نے تو تمہیں نہیں سکھائی؟" حیا نے مسکراہٹ دبائی اور حمزہ نے منہ بنایا. "آپ کو لگتا ہے مجھے کچھ نہیں آتا؟" وہ تو برا ہی مان گیا تھا. تبھی شیری بیرونی دروازے سے اندر داخل ہوا. اور ردابہ کو دیکھ کر چونکا.

"ہیلو بیوٹیفل لیڈی! واٹ آ پلیزنٹ سرپرائز ہاں." وہ ردابہ کے گلے لگا اور ردابہ نے اس کے گال کو چوما.

"کہاں سے آ رہے ہو آوارہ گردیاں کر کے.؟" اب شیری کا کان ان کے ہاتھ میں تھا.

"ارے ماسی یار! درد ہو رہا ہے." وہ اپنا کان چھڑوا رہا تھا. "آپ سب کا صحیح ہے. جس کا دل کرتا تھپڑ لگا دیتا. کان کھینچنے لگ جاتے. مجھے تو لگتا میں سوتیلا ہوں." وہ جذباتی سا بولتا ردابہ کے دوسری طرف بیٹھا.

"سوتیلے تو تم ہو." حمزہ نے ردابہ کے اوپر سے ہاتھ گھما کر اس کے سر پر مارا. اور شیری نے اس کا ہاتھ پیچھے کیا. ردابہ کا حیرت سے منہ کھلا. "کس نے تھپڑ مارے تمہیں؟" شیری چپ ہو گیا. تو حمزہ موڈ میں سیدھا ہوا حیا دوسرے صوفہ پر بیٹھ گئی. "میں بتاتا ہوں ماسی. یہ کیا بتائے گا." اور شیری چلایا.

"بھائی نہیں. پلیز" .

"حمزہ بتاؤ مجھے اس نے کیا کیا۔" ردابہ کو تشویش ہو رہی تھی۔ "حمزہ نے کہنے کو منہ کھولا اور شیری چلایا۔ "بھائی آپ کو بھابھی کی قسم۔" حمزہ نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔ اور حیا مصنوعی خفگی سے بولی۔

"ہاں تم مجھے مروا دو۔" ردابہ اور شیری ایک ساتھ ہنسے۔ تبھی حمزہ کا فون بجا اور فون دیکھتے رنگت ایک لمحے کو زائل ہوئی، پھر وہ معذرت کرتا کھڑا ہو گیا۔ اس کا رخ اب سیڑھیوں کی طرف تھا۔ ردابہ بھی اٹھ کر کمرے میں چلی گئی۔ شیری نے آگے ہو کر حیا کے پاس سرگوشی کی۔ "کسی لڑکی کا چکر ہے۔ نظر رکھا کریں۔" احتیاط سے کہتا وہ سیدھا ہوا اور حیا بولی۔ "وہ ایسا نہیں ہے"۔

"انہوں نے آپ سے کہا کہ وہ آپ سے پیار کرتے ہیں؟" پھر وہ خود بولا "نہیں کہا ہو گا۔ آئی نو" حیا کا دل رکنے لگا مگر وہ شیری کو بھی جانتی تھی یہ لازمی اس کا کوئی پرینک ہی ہو گا۔ تو وہ سنجیدہ سی بولی۔ "تمیز کرو شیری"۔

"اوکے! مرضی ہے آپکی۔" شیری نے کندھے اچکائے۔ بھلا حمزہ کیوں کسی لڑکی کے چکر میں پڑھنے لگا۔ حد ہے شیری کی بھی۔ وہ سر جھٹک کر برتن سمیٹنے لگی۔ رات کے کھانے پر اگلے ہفتے منگنی کی رسم کا فیصلہ ہوا اور حمزہ نے سمایا کے والد کی رضامندی لیتے ہوئے دن فائنل کر دیا۔

****

سورج کی روشنی بالکنی سے اندر آ رہی تھی۔ وہ کروٹ لینے کو مڑی تو نظر ساتھ پڑے وجود پر پڑی۔ سفید ٹی شرٹ پہنے وہ بے سدھ سویا لگتا تھا۔ وہ کب آیا، کب سویا، حیا کو نہیں پتا تھا۔ حیا کہنیوں پر وزن ڈالتے اٹھی اور اس کے ماتھے پر آئے بالوں کو پیچھے کرنے لگی۔

"یو آر ویری ڈئیرسٹ ٹو می حمزہ!" اس کے بالکل پاس سرگوشی کر کے وہ اٹھنے لگی تو وہ بڑبڑایا۔

"میں سوتے ہوئے بھی سن سکتا ہوں" حیا نے اپنے سر پر ہاتھ مارا اور پھر جی کڑا کر کے بولی۔ "ہاں تو اپنے شوہر سے ہی کہہ رہی ہوں۔ روک سکتے ہو؟" کہتے ہوئے وہ اس کے ماتھے پر جھکی۔ حمزہ نے چونک کر آنکھیں کھولیں وہ اب

سیدھی ہو رہی تھی. اور فاتحانہ نظریں حمزہ کی بھوری آنکھوں سے ملیں. لمحے کو دل تھما اور پھر شانے اچکاتی کھڑی ہو گئی. حمزہ نے ماتھے پر ہاتھ رکھتے خفگی سے کہا.

"تم کتنی دیدہ دلیر ہو گئی ہو. "اور وہ دروازے کی طرف جاتی واپس مڑی. "پولیس افسر کی بیوی ہوں,ڈرتی نہیں ہوں کسی سے. "وہ مسکرا رہی تھی اور حمزہ نے ابرو اٹھائی.(واہ(

****

یہ ایک پانچ منزلہ بلڈنگ تھی. جس کے تیسرے فلور کے ایک فلیٹ میں وہ سب بیٹھے تھے. ایک صوفے پر ردابہ شیری اور حیا تھے جبکہ ساتھ والے پر حمزہ بیٹھا تھا. حمزہ نے بلیو جینز پر کمانڈو شرٹ پہن رکھی تھی. حیا کے ہزار اصرار پر بھی وہ اپنے لیے لایا گیا کرتا شلوار پہن کر نہیں آیا تھا. حیا نے گلابی ہلکے کام والے سوٹ پر گلابی دوپٹہ کندھے پر پھیلایا ہوا تھا. اور بال ویسے ہی ڈھلک کر کمر پر گر رہے تھے. سامنے سمایا کے والدین, تین بھائی اور دو پھوپھو بیٹھی تھیں. بیچ میز پر مٹھائی کی ٹوکریاں, گفٹ باسکٹ وغیرہ پڑے تھے. تبھی دروازے سے عنایا سمایا کو لے کر نمودار ہوئی, سمایا نے سلور رنگ کا لمبا فراک پہن رکھا تھا اور دوپٹہ نفاست سے سر پر سجا تھا. پہلے وہ ردابہ سے ملی, اور حیا اپنی جگہ پر کھڑی ہو گئی, سمایا کو گلے لگایا. اور کان میں سرگوشی کی.

"مبارک پیاری لڑکی. "سمایا مسکراتی اس سے الگ ہوئی اور پھر حمزہ کی طرف سر جھکایا. اور ہونٹ ہلائے.

"اسلام علیکم سر!"اس نے بھی آگے سے اسی طرح سر کو خم دیتے جواب دیا. حیا اپنی جگہ چھوڑ کر ایک طرف ہو گئی اور سمایا کو شیری کے ساتھ بیٹھ دیا.

صوفے کے پیچھے کھڑے شیروان نے شیری کے کان میں کچھ کہا اور شیری سے ہنسی روکنا مشکل ہو گیا. دوسری طرف ٹانگ پر ٹانگ جمائے حمزہ اٹھا, اور اس کے پیچھے آ کر کندھے پر ہاتھ رکھا.

"کنٹرول شیری کنٹرول"شیری کے لیے صورتحال واقعی سنجیدہ نہیں تھی. تو اس نے حمزہ کو نیچے ہونے کا اشارہ کیا. اور آہستہ سے بولا.

"حمزہ بھائی مجھے بہت ہنسی آرہی ہے" .

"زبان دانتوں تلے دباؤ نہیں آئے گی. "وہ کہتا کھڑا ہو گیا.

پھر شیری ردابہ کے کان میں بولا. "ماسی مجھے واش روم جانا ہے پلیز!"ردابہ نے اسے گھورا. "چپ کر کے سیدھے ہو کر بیٹھ جاؤ. "شیری نے کچھ کہنا چاہا مگر وہ دوبارہ سمایا کی امی سے بات کرنے لگ گئیں. حمزہ واپس اپنی جگہ پر جا کر بیٹھ گیا جس کے ساتھ اب حیا بیٹھی تھی. حمزہ کو بیٹھتے دیکھ وہ بڑبڑائی.

"لوگ ایسے موقعوں پر شیروانی, یا کرتے شلوار پہنتے ہیں. اور یہاں لوگ پتا نہیں کیا بن کر آگئے ہیں. "ٹانگ پر ٹانگ جماتے حمزہ نے گردن موڑ کر اسے دیکھا.

"میں یوں بھی اچھا لگ رہا ہوں" .

"حمزہ!"وہ افسردہ سی بولی. "ہماری شادی بھی یوں ہوتی نا. "حمزہ نے گردن سیدھی کرلی اور ایک ہاتھ حیا کی کمر میں ڈالا پھر سامنے دیکھتے ہوئے سر اس کی طرف جھکایا. حیا نے شاک سے اسے دیکھا.

"حمزہ سب دیکھ رہے ہیں. "مگر وہ اتنا پاس ہو گیا کہ حمزہ کا سر اس کے سر کے بالکل قریب ہو گیا. پھر اس نے سر گوشی کی. "ہم اپنے بچوں کی شادی یوں کرلیں گے. "حیا کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے, دل کی ایک دھڑکن مس ہوئی, گال گلابی پڑے اور اس نے نظریں گود پر جھکاتے سر اثبات میں ہلایا. پھر ہاتھ واپس نکالتے وہ آہستہ سے بولا.

"استغفر اللہ" !

آواز حیا تک نہیں گئی. وہ اب سمایا سے بات کر رہی تھی. رسم کے لیے ردابہ کھڑی ہو گئی تھی. شیری نے ایک نظر سمایا کو دیکھا پھر حیا کو. حیا اسے ہی دیکھ رہی تھی اور شیری نے فوراً ہاتھ اٹھا کر ہلایا. اور حمزہ نے وہین سے اسے گھورا کہ سیدھے ہو کر بیٹھو. اور وہ بادل ناخواستہ منہ بنا کر بیٹھ گیا.

ردابہ کے ساتھ اب حیا بھی کھڑی ہو گئی تھی. دونوں نے سرخ دوپٹہ سمایا کے سر پر اڑایا. پھر حیا نے ایک انگوٹھی شیری کو پکڑائی. جو اسے سمایا کو پہنانی تھی. اب شیری کی اپنی سٹی گم ہونے لگ گئی تھی. ایک تو سب اسے دیکھ رہے تھے, بھئی کیا ہے وہی شیری ہوں جس سے ہزار بار مل چکے ہو وہ اندر ہی اندر کڑ رہا تھا.

"ہاتھ آگے کر و بیٹا. "ردابہ نے سمایا کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا اور سمایا نے تھوڑے توقف سے ہاتھ آگے کر دیا. اس کا ہاتھ کانپ رہا تھا. وہ ان سب کو جانتی تھی. زیادہ وقت حمزہ کے گھر ہی گزارا تھا. شیری بہترین دوست تھا مگر یہ شادی کی نروسنیس تھی. حیا نے اس کا دوسرا ہاتھ پکڑ کر دبایا. تا کہ برین ڈسٹریکٹ ہو جائے اور وہ بہتر محسوس کرے. شیری کو اب پسینہ آرہا تھا. ٹشو سے ماتھا تھپکتے وہ حمزہ کو دیکھنے لگا اور حمزہ مزے سے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے اسے ہی دیکھ رہا تھا. "پہناؤ انگوٹھی. "ردابہ نے شیری کے بازو کو ہلایا اور وہ بے چارا معصومیت سے ہونٹ نکال کر ان کی طرف دیکھنے لگا. اور پھر سرگوشی کی. "مجھے ڈر لگ رہا ہے. " تبھی حمزہ اٹھ کر اس کے پیچھے آچکا تھا اور اب اس کا کندھا ہاتھ سے دبا رہا تھا.

"شیری! یہ وہ ہی سمایا ہے میرے بھائی, تمہاری بیسٹ فرینڈ. "وہ قدرے اونچا بولا اور سب ہنس دیے. سمایا نے محض سر جھکایا اور شیری نے حمزہ کو گھورتے خفت سے سمایا کا ہاتھ پکڑا. حیا سیدھی ہو گئی. سمایا کا دل برق رفتاری سے دوڑنے لگا. شیری کے اپنے ہاتھوں میں لغزش تھی. اور اللہ اللہ کر کے اس نے انگوٹھی سمایا کی انگلی میں تقریباً دھکیلی. کلک کلک کئی تصویرین زویان نے کیمرہ مین اتاری. اور سب نے ہاتھ اٹھا کر تالیاں بجائی.

اب کہ عنایا نے انگوٹھی سمایا کو تھمائی. سمایا نے پر شکوہ نظروں سے اسے دیکھا. اپنے بیسٹ فرینڈ کے ساتھ یہ سب بہت آکورڈ لگ رہا تھا. وہ دونوں پچھلے ایک ہفتے سے ایک دوسرے کو نظر انداز کر رہے تھے. کم سے کم بات اور کم سے کم سامنا.

اور اب وہ ایک ساتھ بیٹھے بھی دوسرے لوگوں کی طرف زیادہ متوجہ تھے. "شیری ہاتھ آگے کرو." حمزہ نے اسے پیچھے سے تاکید کی اور شیری نے ہاتھ آگے بڑھایا. سمایا نے کانپتے ہاتھوں سے انگوٹھی شیری کی انگلی میں پہنائی. پھر تصویریں بنی اور تالیاں گونجی.

دعائے خیر کے لیے سب نے ہاتھ اٹھائے اور نئے جوڑے کے لیے دعائیں مانگ کر ایک دوسرے کو مبارکباد دینے لگے. ان دونوں کو تو بس اپنی اپنی دھڑکنیں سنائی دے رہی تھین ایک معرکہ تھا جو انہوں نے ابھی سر کیا تھا.

"بہت مبارک شیری. "حمزہ نے سامنے آتے کہا اور شیری نے کھڑے ہو کر حمزہ کو گلے لگایا. "پتا ہی نہیں چلا تم اتنے بڑے ہو گئے. "حمزہ اسے اپنے بازوؤں میں دباتے آہستہ سے بولا. وہ اداس لگ رہا تھا. اور شیری نے اس سے الگ ہوتے ہوئے اس کے گال کو چوما. اور حمزہ نے اسے گھورتے ہوئے دوبارہ گلے لگا لیا. وہ اس سے الگ ہوا تو سمایا کے بھائی اس سے گلے مل رہے تھے اور ساتھ مبارکباد دے رہے تھے. آخر میں شیروان نے اپنے بازو اس کے گرد باندھے.

"بڑا افسوس ہوا تیری شادی کا سن کر. اللہ تجھے صبر دے. "اور شیری نے زور سے اسے دبایا. "بکواس نہ کر اور پھر ہنستے ہوئے دونوں الگ ہوئے.

حمزہ اب سمایا کو مبارکباد دے رہا تھا. "ویلکم ٹو دی فیملی سمایا!" اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور سمایا نے شرماتے ہوئے سر کو خم دیا. کھانا لگ چکا تھا اور سب اب لاؤنج کی طرف جا رہے تھے. پیچھے شیری, شیروان, حیا اور سمایا رہ گئے تھے. تبھی حیا نے شیری کو بلایا جو شیروان کے ساتھ کھڑا باتیں کر رہا تھا.

"شیری تم بھی سمایا کو مبارکباد دے دو." وہ مسکراہٹ دباتے بولی. سمایا نے سر اٹھا کر حیا کو پر شکوہ نگاہوں سے دیکھا. اور شیری نے ہاتھ بالوں میں پھیرتے وہیں سے جملہ اچھالا.

"میں گھر جا کر آرام سے مبارکباد دے دوں گا." اس کے کان سرخ ہو رہے تھے تبھی وہ سمایا کی طرف دیکھے بغیر شیروان کی طرف مڑ گیا اور حیا نے جو خبر دی شیری کرنٹ کھا کر مڑا.

"کس نے کہا آپ سے میں فرانس جا رہا ہوں؟" حیا نے شانے اچکائے. "اوپس سوری! میرے منہ سے نکل گیا." وہ سمایا کے ساتھ باہر نکل گئی. شیری ان کو جاتے دیکھتا رہا اور پھر سر جھٹک کر خود بھی ان پیچھے باہر چلا گیا.

****

حویلی نما گھر کے لاؤنج میں رونق لگی ہوئی تھی. سب دوست مل بیٹھے تھے. انیقہ اور جنت بھی آ گئی تھی ہاں بس سمایا اور عنایا نہیں تھی. شیری زیر عتاب آیا ہوا تھا. وہ اس کا مزاق اڑا رہے تھے. ہنس رہے تھے. چھیڑ رہے تھے.

شیری فون ہاتھ میں لیے صوفے کے ایک سرے سے ٹیک لگائے خفگی سے ان کی باتیں سن رہا تھا. شیروان, انیقہ اور جنت کو منگنی کی تقریب لہک لہک کر سنا رہا تھا.

"تم لوگوں کو پتا ہے جب شیری, سمایا کو انگوٹھی پہنا رہا تھا تو اس کے ہاتھ ایسے کانپ رہے تھے." اس نے ہاتھ اٹھا کر دکھایا. اور وہ دونوں بے ساختہ ہنستی چلی گئیں. وہ اور بھی بہت کچھ بتا رہا تھا تبھی شیری کی برداشت جواب دے گئی. اس نے ٹانگ سے ٹانگ اتاری اور ایک پیر شیروان کے منہ کے آگے کیا.

"یہ لے مائیک میں بول." کچھ دیر خاموشی رہی. شیری کی بات سمجھنے میں انکو پانچ سیکنڈ لگے اور پھر سب ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو کر ادھر ادھر گرنے لگے اور شیروان نے غصے سے اس کا پیر پرے دھکیلا. مگر وہ خود بھی ضبط نہیں کر پایا اور بے اختیار ہنستا چلا گیا. ہنس ہنس کے ان کی آنکھوں سے پانی آنے لگ گیا تھا.

شیری نے انگلی اٹھا کر شیروان کو تنبیہہ کی. "آئندہ باپ سے پنگا مت لینا." اور شیروان نے باپ کو پکڑ ازویان اوپر چڑھا,اب وہ ان کے نیچے چیخ رہا تھا.

"جاہلو! نیچے اترو, ابھی تو میری شادی بھی نہیں ہوئی." وہ اکیلا تھا. مگر برابر لڑ رہا تھا. تبھی حیا کمرے سے نکل کر سیڑھیاں اترنے لگی اور وہ دونوں اس کے اوپر سے اٹھے. شیری اب لمبے لمبے سانس لے رہا تھا .

حیا اب ان کی طرف آچکی تھی.

"جنت تم زرا مسز ہارون کے ساتھ مختلف کاموں کی فہرست تیار کروادو. فریحہ اور علی آرہے ہیں میں انہیں اٹینڈ کرلوں. "جنت کھڑی ہوگئ اور حیا کچن میں چلی گئ. تبھی بیل ہوئی. شیروان نے دروازہ کھولا. علی اور فریحہ ہاتھ میں گفٹ لیے اندر آگئے.

"مبارک بھئی بہت بہت مبارک. "وہ شیری کی طرف بڑھے اور شیری کھڑا ہو گیا. علی نے اسے گلے لگایا .

"تم بھی شہیدوں میں شامل ہونے جارہے ہو." علی نے اس سے الگ ہوتے کہا اور فریحہ نے علی کے بازو پر ہاتھ مارا تو سب ہنس دیے.

"بھئی گھر والے نظر نہیں آرہے." فریحہ پیچھے مڑی تو حیا کچن سے نکل رہی تھی. اس کے ہاتھ گیلے تھے جن کو وہ دوپٹے سے خشک کررہی تھی.

"اسلام علیکم! بہت ناراض ہیں. ہم آپ سے." فریحہ کے گال سے گال مس کرتے وہ بولی. "آئے کیوں نہیں آپ شیری کی منگنی کی رسم کے لیے؟" وہ علی کی طرف مڑی.

"سوری یار! ہم دونوں کام کے سلسلے میں شہر سے باہر گئے ہوئے تھے." فریحہ نے معذرت کی اور علی نے وعدہ کیا.

"لیکن شادی میں ہم ضرور شرکت کریں گے." معزرت اور وعدہ دونوں قبول ہوگئے.

لڑکے صوفوں سے اٹھ کر نیچے قالین پر بیٹھ گئے تھے اور اب صوفے پر فریحہ اور علی بیٹھے تھے. شیر وان اب شیری کی منگنی کی داستان ان کو سنا رہا تھا. اور شیری بار بار خفت سے اسے گھور رہا تھا. (کمینہ(

حیا جوس کے دو گلاس ان کو تھماتے خود بھی سنگل صوفہ پر بیٹھ گئی. علی نے اوپر حیا کے کمرے کو دیکھا.

"حمزہ نظر نہیں آرہا. "فریحہ سے باتیں کرتی حیا یک دم رکی. پھر علی کی نظروں کا تعاقب اپنے کمرے کے دروازے تک کیا.

"آپ کے پاس ہی تو گئے تھے وہ. کہہ رہے تھے کچھ کام ہے. "حیا متذبذب سی بولی. اور علی نے چونک کر فریحہ کو دیکھا. وہ دونوں تو دو دن سے حمزہ سے نہیں ملے تھے. شیری نے بھی چونک کر گردن موڑی. حیا کو یوں خود کی طرف دیکھتے علی سنبھلا.

"ارے ہاں! بھول گیا میں. آیا تھا وہ. "علی نے انگوٹھے کے ناخن سے کنپٹی مسلی. پتا نہیں کیا کرتا پھرتا ہے. وہ اب خود سے بڑبڑا رہا تھا.

حیا نے قالین پر بیٹھے شیری کو دیکھا جو اب اسے ہی دیکھ رہا تھا. (میں نہیں کہتا تھا نظر رکھیں ؟(

****

) سات سال بعد(

ویمن کالج کی پرشکوہ عمارت کے باہر وہ گاڑی کے پاس کھڑا تھا. اس کے ساتھ ایک تین سال کا بچہ کھڑا تھا. وہ دونوں ایک طرح سے ڈریسنگ کیے ہوئے تھے. کمانڈو شرٹ کے نیچے نیلی جینز. بس دونوں کے سائز میں فرق تھا. وہ پچھلے پندرہ منٹ سے بچے کو کہیں جانے کے لیے منا رہا تھا مگر بچہ آگے سے مسلسل بحث کر رہا تھا. ایک بار تو اس کا دل چاہا اسے دو تھپڑ لگائے, اٹھا کر گاڑی میں ڈالے اور قریبی آئس کریم پارلر سے اپنی فیورٹ آئس کریم کھا

آئے. تب تک اس کی ماں بھی فری ہو جائے گی تو وہ کھانا کھانے ریسٹورنٹ چلے جائیں گے. مگر اس کی ماں سے ہی تو ڈر لگتا تھا. تو جینز کو زرا اوپر کرتے وہ اکڑوں اس کے سامنے بیٹھ گیا.

"بابا کی جان نہیں ہو پھر؟ وی بوتھ ول ہیو فن. ماما کو پتا بھی نہیں چلے گا." وہ اب اسے نئے سرے سے منا رہا تھا.

"نو." بچے نے دوٹوک جواب دیا اور ننھے بازوؤں کو سینے پر باندھتے دوسری طرف دیکھنے لگ گیا. حمزہ تھوڑی دیر بیٹھا یوں ہی اسے دیکھتا رہا پھر بڑبڑایا.

"ٹڈا." بچے نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا. ہاتھ سینے سے ہٹا کر کمر پر رکھے. "یو تالڈ می ٹدا؟(یو کالڈ می ٹڈا؟)" شاید اسے باپ سے اس لفظ کی توقع نہیں تھی. تو وہ اپنی بچگانہ توتلی آواز میں بولا. حمزہ نے ہلکے سے شانے اچکائے. "ٹڈی کا بیٹا ٹڈا ہی ہوتا ہے." کہہ کر وہ کھڑا ہونے لگا تو بچے نے دونوں کانوں کو ہاتھ لگایا. اور بچوں کی زبان میں بولا. "استنفر اللہ (استغفر اللہ").

اب عمارت سے اندر جاؤ تو اس بچے کی ماں سیمینار ہال کے باہر راہداری میں پرنسپل کے ساتھ چلتی قدم ہال کی طرف بڑھا رہی تھی جہاں سینکڑوں لڑکیاں اس انسپریشنل اسپیکر کی منتظر تھیں. وہ سفید شرٹ پر اورنج بلیزر پہنے ہوئی تھی. بالوں کو آگے سے اٹھا کر پیچھے اونچی پونی بنا رکھی تھی جو اس کے چلنے سے ادھر ادھر جھول رہی تھی.

اس نے ہال میں قدم رکھا, کچھ لڑکیاں کھڑی ہو گئیں, کچھ نے بیٹھے بیٹھے ہاتھ اوپر اٹھا کر تالیاں بجائی, سیٹیوں کی آواز آئی. گویا سب اس کو جانتی ہوں. احترام کے ساتھ اسے زمین سے چند انچ اونچے اسٹیج پر رکھی کرسیوں تک لے جایا گیا. بغیر کسی تاخیر کے پروگرام کا آغاز ہوا اور اب کالج کی ہی ایک لڑکی اس موٹیویشنل اسپیکر کا تعارف کروا رہی تھی.

"ہماری مہمان کسی بھی تعارف کی محتاج نہیں ہیں, ہم سب ان کو جانتے ہیں, آج سے تین سال پہلے وہ پہلی بار ہمارے کالج آئی تھیں. آج پھر ہمیں ان کو سننے کا شرف مل رہا ہے. ہماری مہمان انسانی نفسیات اور مینٹل ہیلتھ پر

لکھی جانے والی دو کتابوں کی مصنفہ ہیں اور مینٹل ہیلتھ پر لکھی گئی ان کی کتاب عالمی ایوارڈ کے لیے نامزد ہے۔"ہال میں تالیاں گونجی تو لڑکی چپ ہو گئی۔ مہمان خاتون نے سر کے خم سے سب کا شکریہ ادا کیا۔

"میں آپ سب کا وقت ضائع کیے بغیر اپنی مہمان سے گزارش کروں گی کہ وہ آئیں اور اپنے الفاظ سے ہمیں شفا یاب کر دیں۔ آپ سب کی بھرپور تالیوں میں" پھر لڑکی نے کرسی پر بیٹھی مہمان کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"مسز حیا حمزہ فیاض بیگ"

حیا مسکراتی ہوئی کھڑی ہوئی۔ اور اعتماد سے چلتی روسٹرم کے پیچھے جا کھڑی ہوئی۔ مائیک سیدھا کیا اور ہال میں خاموشی چھاتی گئی۔ وہ مسکرا کر ہال میں بیٹھی لڑکیوں کو دیکھ رہی تھی۔ (ہاں پبلک اسپیکنگ کا پہلا نقطہ ہے کہ اپنے حاضرین پر مسکراتے ہوئے ایک گہری نظر ڈالی جائے۔ آتے ہی بولنا شروع نہ کیا جائے)۔

"اسلام علیکم حسیناؤ!" وہ اپنے حاضرین کے مطابق الفاظ کا چناؤ کر رہی تھی۔ ہال میں کھلکھلاہٹ ہوئی، تالیاں بجی۔ اور اونچی آواز میں سلام کا جواب آیا۔ اور کچھ سیکنڈ وقفے وقفے سے مختلف کونوں سے سلام کا جواب دیا جاتا رہا۔

"میں جب اپنے سامنے اتنی لڑکیوں کو دیکھتی ہوں تو مجھے عجیب سی مسرت ہوتی ہے۔ کیوں کہ میں جانتی ہوں میری یہ بات یہاں موجود چھ سو لڑکیوں تک نہیں بلکہ چھ سو نسلوں تک پہنچنے والی ہے"۔

"بیٹا اگر لڑکی سمجھدار ہو، تمیز دار ہو، ہمبل ہو تو نسلیں سمجھدار، تمیز دار اور ہمبل ہوتی ہیں۔ آپ کہتے ہیں نا کہ لڑکی سسرال جا کر ان کے رنگ میں ڈھل جاتی ہے میں کہتی ہوں لڑکی کے پاس اگر علم ہے اور دینے والا ہاتھ ہے تو وہ سسرال والوں کو اپنے رنگ میں ڈھال سکتی ہے۔ بشرطیکہ وہ صبر سے کام لے"۔

"سرداری علم سے ملتی ہے اور سخاوت سے ملتی ہے۔ سر کہتے ہیں ان کے گاؤں میں ایک لڑکے کی شادی شہر میں ہو گئی۔ گاؤں والوں نے ناپسند کیا۔ کہ شہر کی شادیاں اچھی نہیں ہوتی۔ وہ لڑکی آئی اور اس نے پورا خاندان بدل دیا۔ گھر والوں کو پتا چل گیا کہ جوتے یوں ہی نہیں پھینک دینے گھر آ کر، روز نہانا دھونا ہے، صاف ستھرا رہنا ہے، شادیوں پر

پہلے وہ سب خود کھانا شروع کر دیتے تھے تو اس لڑکی نے کر کے سکھایا کہ بھئی ہوسٹ نے آخر میں کھانا ہے پہلے مہمان کو دو اور مہمان سے پوچھنا بھی ہے کہ اور کچھ چاہئیے؟ آپ کو ملا؟ اس لڑکی نے صرف اس لڑکے کے گھر کو بدلا اور ان کی دیکھا دیکھی آس پاس کے گھر بدلنا شروع ہو گئے. آج وہ لڑکی اپنے خاندان کی عورتوں میں سر دار ہے. "وہ سانس لینے کو رکی.

"عمر کی وجہ سے نہیں بلکہ علم کی وجہ سے. اس کے عمل نے پڑھے لکھے اور ان پڑھ میں فرق کیا" .

"بیٹا تعلیم اگر آپ کا رہن سہن اور انداز نہیں بدلتی نا تو آپ جاہل ہیں. تعلیم آپ کے اندر نور پیدا کرتی ہے اور نور کا مطلب ہے کہ پڑھے لکھے اور ان پڑھ کے انداز میں فرق ہو" .

"بچے ماں ہونا بہت بڑی ذمہ داری ہے, صرف بچوں کو پیدا کر کے چھینک نہیں دینا ہوتا کہ خود سیکھ لے گا. میں جب ماں بنی تو تب مجھے احساس ہوا کہ یہ تو بہت بڑی ذمہ داری ہے. ایک بچے کی پوری زندگی اس بات پر منحصر ہے کہ آپ اس کی تربیت کیسی کرتے ہیں. یو آر شیپنگ آ لائف. میں نے میرے بیٹے کو پازیٹو بنانے کے لیے پہلے خود کو پازیٹو بنایا. اور یقین کریں میرے شوہر صاحب نے پوری کوشش کی کہ وہ اسے بگاڑ دیں " .

ہال میں کھکھلاہٹ ہوئی. اور وہ خود بھی مسکرانے لگ گئی.

"میں نے صرف ارہاب کو نہیں پالا اس کے ابا کو بھی نئے سرے سے سب سکھایا ہے. اور حمزہ نے مجھے سنا کیونکہ میرے پاس علم تھا شاید. اور میں امید کرتی ہوں اب جبکہ میں یہاں ہوں تو وہ اپنے سارے بدلے میرے بچے سے نہ لے رہا ہو. "کہہ کر وہ خود ہی ہنس دی.

اب دوبارہ باہر آؤ تو ارہاب اب بھی اسے گھور رہا تھا اور حمزہ سوچوں میں گم نظر آتا تھا.

ارہاب کی زبان سے استغفر اللہ سن کر اسے تین سال پہلے کا وہ دن یاد آیا جب ارہاب پیدا ہوا تھا. وہ ابھی کراچی سے آیا تھا اور سیدھا ہسپتال پہنچا تھا. حیا کے لیے پرائیویٹ روم پہلے ہی وہ لے چکا تھا. وہ اندر گیا تو حیا کی آنکھیں بند

تھیں. شاید سو رہی تھی. حمزہ اس کے پاس پڑے اسٹول پر بیٹھ گیا. ایک ہاتھ اس کے ماتھے پر رکھا. اور دوسرے میں اس کا ہاتھ پکڑ کر چوما. "سوری میں یہاں نہیں تھا تمہارے پاس." آہستہ سے بولتا وہ اس کے ماتھے پر جھکا. ماتھا چوما اور پھر سر اس کے سر سے لگائے یوں ہی بیٹھا رہا.

"تم کافی دیدہ دلیر نہیں ہو گئے." حیا نے بند آنکھوں سے کہا اور وہ مسکراتا ہوا محظوظ سا سیدھا ہوا. حیا نے آنکھیں کھولیں. تھوڑی دیر وہ حمزہ کے چہرے کے تاثرات سمجھنے کی کوشش کرتی رہی. وہ مسکرا رہا تھا, حیا نے اٹھنا چاہا تو وہ اسے سہارا دے کر پیچھے تکیہ سیٹ کرنے لگا. حیا کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا. حیا کی آنکھوں میں آنسو اور ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی. آنسو کونوں سے باہر آنے کو بے تاب تھے. حمزہ نے آنسو انگلی سے صاف کیے. اور گردن دائیں بائیں ہلاتے رونے سے منع کیا. اور اسٹول کھینچ کر اس کے اور پاس ہو گیا. حیا کی دسترس میں آیا تو زرا آگے ہو کر اس نے اپنا سر حمزہ کے سینے سے لگا دیا. اور سارے ضبط ٹوٹ گئے. وہ بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگ گئی تھی. حمزہ کی اپنی آنکھوں میں نمی اترنے لگی تھی. مگر وہ بس اس کا سر تھپکتا رہا. اور ٹھوڑی اس کے سر پر ٹکا دی. اللہ نے چار سال بعد ان کو اس اولاد کی نعمت سے نوازا تھا. چار سال شاید زیادہ نہیں تھے مگر جب انسان کسی چیز کی طلب کرنے لگے تو ایک دن بھی پہاڑ بن جاتا ہے. وہ بھی ایک دوسرے کو تسلیاں دے دے کر دن گزار رہے تھے. حیا ڈپریشن کی طرف جانے لگ گئی تھی اور حمزہ نے اسے ایک ماہ کے لیے ردابہ کے پاس بھیج دیا تھا جہاں سے وہ بہت سی پازیٹویٹی لے کر آئی تھی. حیا رو رو کر نڈھال ہو گئی تو اس کے سینے سے سر ہٹایا. وہ اب سائڈ ٹیبل سے ٹشو لے کر اس کا چہرہ صاف کر رہا تھا جو آنسوؤں سے تر تھا. "اب مت رونا ہاں؟" حیا نے اثبات میں سر ہلایا اور حمزہ نے اس کے ماتھے کو چوما.

" چلو اب ہیرو دکھا دو. کتنا انتظار کروانا ہے." کمرے میں ادھر ادھر دیکھتے وہ بے تابی سے بولا اور حیا نے مسکرا کر سر ہلایا. "نرس گئی ہے." تھوڑی دیر بعد نرس ہاتھ میں ایک ننھی سی جان کو پکڑے اندر آئی اس کے ساتھ ایک

سینئر ڈاکٹر بھی تھا جو عمر میں بھی خاصا تھا. نرس نے بچہ حمزہ کے ہاتھوں میں دیا. ڈاکٹر نے بچے کی طرف انگلی سے اشارہ کیا. " لیجیے اپنا کارنامہ. "حمزہ نے آنکھیں سکیڑ کر ڈاکٹر کر دیکھا پھر بچے کو اور حیا کی طرف دیکھ کر بولا. " استغفر اللہ. "ڈاکٹر اور نرس ایک ساتھ ہنسے. حمزہ نے بچے کو چوما اور حیا نے ہنستے ہوئے اس کے بازو پر ہاتھ مارا.

تبھی اسے احساس ہوا کوئی اسے ہلا رہا ہے. اس نے چونک کر دیکھا ارہاب اس کی ٹانگ پکڑ کر ہلا رہا تھا.

"وائے آر یو سمائلنگ. "وہ اب بھی غصے میں تھا. حمزہ دوبارہ اکڑوں بیٹھا. ارہاب کو گلے لگایا اور پھر اس کا گال چوما. " بکز آئی لو یو" .

اب دوبارہ اندر سیمینار ہال میں آ جاؤ. وہ کہہ رہی تھی.

"لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں شادی کب کرنی چاہیئے, تو اس کا مین ایک جملے میں جواب دوں گی کہ جب آپ چاہے لڑکا ہو یا لڑکی جب وہ ذمہ دار ہو جائے, ذمہ داریاں اٹھانا سیکھ جائے تو اس کی شادی کرنی چاہیئے اس سے پہلے شادی کرنا زیادتی ہو گی اس بندے کے ساتھ جس سے آپ اس غیر ذمہ دار کی شادی کروا رہے ہیں" .

"ماں بچے کو برباد کر سکتی ہے. میرے آفس میں ایک اولڈ کپل آیا کہ بچہ ہاتھ سے نکل گیا ہے, نشہ کرتا ہے, اتنا پیسہ ہے پر وہ گھر سے چوریاں کرتا ہے, مار کٹائی کرتا ہے. میں نے ان کو تحمل سے سنا اور پھر معذرت کے ساتھ ان خاتون سے مخاطب ہوئی کہ میڈم یہ آپ کی غلطی ہے آپ نے وقت پر اس کے باپ کو بتایا ہوتا اور وقت پر اس کے کان کھینچے گئے ہوتے تو آج یہ نہ ہوتا. مگر مائیں پردے ڈالتی رہتی ہیں, سوچتی ہیں بھلا کر رہی ہیں بچے کا. پر وہ اپنے بچے کے ساتھ زیادتی کر رہی ہوتی ہیں" .

"ہم کیا کرتے ہیں بچہ بگڑ جائے تو ذمہ داری نہیں لیتے اللہ سے کہتے ہیں یا اللہ یہ تیرے بھروسے. او بھئی اللہ نے آپ پر بھروسہ کیا تھا تبھی تو آپ کے پاس بھیجا. ہاں آپ اللہ سے مدد ضرور مانگیں" .

"پتا ہے ہماری بچیاں کیوں ساری زندگی مظلوم بن کر گزار دیتی ہیں؟ کیونکہ ان میں اتنی قابلیت ہی نہیں ہوتی کہ اپنے لیے اسٹینڈ لے سکیں. پتا ہے ظالم شوہر نے گھر سے نکال دیا تو ماں باپ کو بوجھ اٹھانا پڑے گا تو ساری زندگی ظلم سہتے گزار دیتی ہیں. بچے! اپنا کیرئر بنانا, خود مختار بنا پھر شادی کرنا. اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ آدھونس جماتی رہو کہ میں خود مختار ہوں تمہیں چھوڑ دوں گی. اونہوں! صبر تحمل سے اپنی شادی کو کامیاب بنائیں. اور صبر کریں برداشت نہیں. کیونکہ حکم صبر کا ہے. "ردابہ کے الفاظ دہراتے وہ اپنی مسکراہٹ چھپا نہیں سکی. تالیاں بجی تو وہ چونکی.

"اب سب سے اہم اور آخری بات دیکھ. بیٹا دنیا میں دو طرح کے لوگ ہوتے ہیں, پہلے بکٹ اور دوسرے ڈائپر. "

ڈائپر کے لفظ پر سرگوشیاں ہوئیں, کھکھلاٹ سنائی دی.

"بیٹا بکٹ وہ لوگ ہوتے ہیں جو آپکو انرجائز کرتے ہیں. جن کے ساتھ ہونے سے آپ موٹیویٹ محسوس کرتے ہیں اور ڈائپر وہ ہوتے ہیں جن کو آپ کچھ بتاتے ہیں تو وہ کہتے ہیں تمہارے بس کی بات نہیں ہے, چاہے مذاق میں ہی مگر وہ آپ کی اونچی سوچ کا مذاق اڑاتے ہیں. آپ ان کے ساتھ لو محسوس کرتے ہیں یہ ڈائپر آپ کی انرجی چوس لیتے ہیں. اور بکٹ آپ کو انرجی سے بھر دیتے ہیں. کوشش کریں آپ کی زندگی میں بکٹ ڈائپر سے زیادہ ہوں. اب دیکھ لین آپکہ زندگی میں بکٹ کون ہے اور ڈائپر کون ہے. "وہ چپ ہوئی اور ہال سے تم بکٹ, تم ڈائپر جیسی آوازیں آنے لگ گئ. کہیں سے قہقے بلند ہونے لگے. پھر حیا نے اپنا فون اٹھا کر کانٹیکٹ لسٹ دکھا کر ایک نمبر ڈائل کیا جب وہ اسکرین پر بڑا نظر آنے لگا تو فون کو حاضرین کی طرف گھمایا. سامنے بیٹھے لوگوں نے دیکھا وہاں انگریزی میں 'مائی بکٹ' لکھا تھا" .

"ہی از مائی ہسبنڈ. "اور پھر تالیاں بجی اور بجتی چلی گئیں. تبھی کال پک ہو گئی. حیا نے مسکراہٹ دباتے فون کان سے لگایا. دوسری طرف سے فوراً آواز آئی. "یہ اپنا پیس سنبھالو, تب سے یہ مجھے اخلاقیات کے لیکچر دے رہا ہے. "

وہ مصنوعی خفگی دکھا رہا تھا. فون مائیک کے پاس ہونے سے آواز پورے ہال میں گئی. اور سب نے جان دار قہقہے لگائے. حیا نے مسکرا کے ہال کی طرف کندھے اچکائے. اور پھر فون پر بولی. "آئی ایم ان سیشن,ول بی دئیر ان تھرٹی منٹس. "اور بات سنے بغیر فون کاٹ دیا.

"یہ سب بتانے کا مقصد صرف اتنا ہے کہ آپ اگر خوش اور کامیاب زندگی گزارنا چاہتے ہیں تو اپنی زندگی کے بکٹس کا تعین کر لیں. اگر آپ میں سے دس لڑکیاں بھی میری بات پر عمل کرتی ہیں تو میں سمجھوں گی میں نے دس نسلوں کی تربیت میں اپنا کردار ادا کر دیا. "لڑکیوں نے بھرپور انداز میں تالیاں بجائی اور ان شاء اللہ کہا.

اب دوبارہ باپ بیٹے کی طرف آجاؤ.

"آئی لو یو ٹو بابا" بچے نے اپنے ننھے بازو اس کی گردن میں ڈالے. "چلو پھر آئس کریم کھانے چلتے ہیں. "حمزہ نے اسے خود سے الگ کیا اور انگلی پکڑ کر مڑا. مگر بچہ اپنی جگہ سے نہیں ہلا. حمزہ جھلا کر واپس مڑا بچے نے انگلی اٹھا کر دائیں بائیں ہلائی. "ناٹ ود آؤٹ ماما" اب حمزہ نے اسے گھورا اور جھک کر کندھے پر اٹھالیا .

"تمہاری ماما کو دیکھ لوں گا میں. "ارہاب ہاتھ پاؤں مارتا رہا.

"آئی ول ٹیل ماما " .

"وہ آپ کو ڈانٹیں گی " .

"شوٹے بچے ماما سے پوچھے بغیر کہیں نہیں جاتے"

وہ حمزہ کے سر پر ہاتھ مار رہا تھا اور ماں کے سکھائے سبق دہرا رہا تھا. حمزہ نے گاڑی کا دروازہ کھولا,ارہاب کو گود میں بٹھا کر ایک ہاتھ اس کے گرد لپیٹا. وہ اب بھی اچھل رہا تھا. اور دوسرے ہاتھ سے اگنیشن میں چابی گھمائی. اور گاڑی ارہاب کے شور کے ساتھ زن سے سڑک کی طرف بڑھ گئی.

حیاان دونوں سے انجان اب اسٹیج پر بیٹھی ٹیچرز کی طرف مڑی. اور ان کو مخاطب کیا. "میڈم مار نہیں پیار. " کہہ کر وہ مسکرائی اور پھر آگے بولی.

"اب اساتذہ ہاتھ سے نہیں زبان سے مارنے لگ گئے ہیں. اور زبان سے لگے گھاؤ ان بچیوں کو ڈھیٹ, ضدی بنا دیتے ہیں ان کی پرسنالٹی ڈیمج کر دیتے ہیں. تو اخلاق اچھا کر لیں یہ بچیان آپکا احترام کرنا شروع کر دیں گی. صرف ٹیچر مت بنیں وہ استاد بنیں جن کا ذکر یہ کسی اسٹیج پر کھڑی ہو کر فخر سے کر سکیں. " پھر وہ ہال کی طرف مڑی.

"اگر آپکی تعلیم آپ کو با اعتماد, کریٹو اور با کردار نہیں بنا رہی تو یقین کریں آپ اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں. اور بچے کردار صرف زنا, شراب نوشی اور جھوٹ بولنے سے خراب نہیں ہوتا یہ محض کردار کا ایک جز ہیں, اگر آپ امتحان میں چیِٹنگ کرتے ہیں, اگر ٹیچر اپنا کام ایمانداری سے نہیں کرتا, اگر ایک انسان کا کام ہی سکھانا نہیں اور وہ ٹیچر بن جائے, یا ایک بندی جس کا کام سکھانا ہے اور وہ کچھ اور بن جائے تو یقین کریں یہ ان طلبا اور ان مریضوں پر ظلم ہے. آپ کے کردار پر سیاہی ہے" .

"اور آخری بات! خدارا اپنی زندگی کا مقصد ڈفائن کر لیں ورنہ جانوروں اور ہم میں کوئی فرق نہیں" .

"شکریہ مجھے برداشت کرنے کے لیے. " وہ اب اپنی کرسی کی طرف جا رہی تھی. ٹیچرز نے کھڑے ہو کر اسے رسیو کیا. لڑکیوں نے کھڑے ہو کر ہاتھ بلند کر کر کے تالیاں بجائی.

تبھی اس کی ٹیم سے ایک بندے نے آ کر اس کے کان میں سرگوشی کی اور اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا. آنکھوں میں نمی ابھرنے لگی. اور وہ معذرت کرتی کھڑی ہو گئی. ابھی لڑکیاں اس سے بات کرنا چاہتی تھی اپنے مسائل ڈسکس کرنا چاہتی تھی مگر وہ اپنی چودہ رکنی ٹیم کے ساتھ لمبے لمبے قدم اٹھاتی باہر کی جانب بھاگی. پیر کہیں رکھتی اور پڑ کہیں رہا تھا. آنکھوں سے آنسو لڑھکنے لگے تھے. دماغ سائیں سائیں کرنے لگا تھا. آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا رہا تھا. اس کی ٹیم کی لڑکیان لڑکے اس کے پیچھے اور ساتھ بھاگ رہے تھے. اسے تسلی دے رہے تھے مگر اسے کچھ

سنائی نہیں دے رہا تھا. تبھی اس نے اپنے ہینڈ بیگ سے اپنا فون نکالا لاسٹ ڈائیلڈ نمبر نکالا,اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے. فون کان پر لگانے سے پہلے وہ گر گیا. اس نے اٹھانے کی بھی زحمت نہیں کی بس پارکنگ کی طرف بھاگ رہی تھی. گاڑی میں بیٹھ کر اس نے ڈرائیور کو گاڑی پاس میں موجود آئس کریم پارلر کی طرف لے جانے کو کہا. ایک لڑکے نے حمزہ کا نمبر ملا کر فون اسے تھمایا اور خود پیچھے بیٹھ گیا. اس کی آنکھوں سے اب آنسو گرتے جا رہے تھے. دوسری طرف سے آواز آئی تو فوراً بولی.

"ہیلو,ہیلو حمزہ! ارہاب.. حمزہ مجھے میرا ارہاب چاہئیے. حمزہ." وہ اب آواز سے رونے لگ گئی تھی.

گاڑی سڑک پر دوڑ رہی تھی. حمزہ نے ارہاب کو ایک ہاتھ میں کس کر پکڑا ہوا تھا اور دوسرا ہاتھ اسٹیئرنگ پر تھا. وقفے وقفے سے وہ ارہاب سے ہاتھ ہٹا کر گئیر پر رکھ لیتا. ارہاب نے احتجاج بند کر دیا تھا مگر اپنی ماما کے نام سے اب تک اسے ڈرا رہا تھا.

"بابا! ماما ول سکولڈ اس. (ماما ہمیں ڈانٹیں گی)" وہ اسے انجام سے باخبر کر تا رہا, حمزہ کبھی سڑک پر دیکھتے مسکراتا اور کبھی جھک کر اس کا گال چوم لیتا.

"بابا! وی شوڈ کال ماما ٹو. شی لو ایکسریم" اس نے سر پیچھے گرا کر باپ کو دیکھا اور حمزہ نے منہ بنایا.

"بیٹا کہیں تو ماما کو اکیلے رہنے دیا کرو. وہ ہمیں دیکھ دیکھ کر تھک جاتی ہیں." وہ سڑک پر دیکھتے بولا تو ارہاب تھوڑی دیر بات سمجھنے کی کوشش کرتا رہا.

"ماما ہیٹ اس؟" اس نے نتیجہ نکالا اور حمزہ نے ابرو اٹھا کر اسے دیکھا. اور نظر دوبارہ سڑک پر جما دی.

"بابا! ماما ہیٹ اس؟" اس نے پھر پوچھا تو حمزہ نے موڑ کاٹتے الٹا اس سے سوال پوچھا.

"یو ٹیل " .

"شی لو اس الاااااااٹ. "ساتھ ہی اس نے بازو پھیلائے. "اتنا. "اور حمزہ ہنسا. "یس شی لو اس اتنا سارا" .

"اور ہمارے ارہاب کو ماما سے زیادہ پیار ہے کہ بابا سے؟" حمزہ نے عام سا سوال پوچھا اور ارہاب نے اوپر دیکھ کر آنکھیں گھمائیں.

"آئی لو بوتھ." اس نے تین انگلیاں اٹھائیں تو حمزہ نے مسکراتے ہوئے ایک انگلی بند کی.

"دس از ٹو." وہ اب دو انگلیاں الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا. اور پھر بڑبڑایا. "یس دس از ٹو".

"اوکے ناؤ چوز ون. ماما یا بابا؟"

"دونوں." وہ اب اوپر اٹھ کر سڑک پر دوڑتی گاڑیاں دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا. حمزہ نے بازو اس کے گرد باندھ لیا.

"چوز ون".

"دونوں" وہ بار بار کے سوال سے اب زچ آ رہا تھا. تو حمزہ سے پوچھا.

"یو ٹیل ماما اور اہاب؟" اپنا نام اس نے 'ر' کے بغیر لیا اور حمزہ نے فوراً کہا. "حیا." ارہاب کی اٹھنے کی کوشش ڈھیلی پڑ گئی اور اس نے سر اٹھا کر ظالم باپ کو دیکھا. اور اس کا بازو خود سے ہٹانے کی کوشش کرنے لگا. حمزہ مسکراہٹ دباتے اب آئس کریم پارلر کے سامنے گاڑی پارک کرنے کو جگہ دیکھ رہا تھا. ارہاب کو اس نے ساتھ والی سیٹ پر بٹھایا اور وہ دونوں بازو سینے پر باندھ کر نچلا ہونٹ باہر نکالے اپنے جوتوں کو دیکھنے لگا. حمزہ نے گاڑی ایک طرف لگائی. اور اس کی طرف مڑا.

"آپ نے بھی تو ماما کو چوز کیا." حمزہ اس کی ناراضگی دور کر رہا تھا. اس نے بنے منہ کے ساتھ سر اٹھایا. "آئی سیڈ دونوں." ایک ہاتھ سینے سے ہٹا کر تین انگلیاں دکھائی اور حمزہ نے ایک اندر کر دی. مگر اس نے دوبارہ نکال لی. جو اظہار تھا کہ وہ ناراض ہے. حمزہ اسے مناتا رہا مگر وہ کہاں مانتا تھا. تبھی حمزہ نے اسے گود میں اٹھا کر اس کو اپنی ٹانگوں پر کھڑا کیا.

یار.. تمہاری ماما نے اتنا پیارا ارہاب مجھے دیا ہے اسی لیے تو میں اس سے پیار کرتا ہوں۔" ارہاب نے سر ہلایا, جیسے باپ کے پیار کی وجہ سمجھ آئی اور وہ منہ کھول کر ہنسا. باپ کی گردن میں بازو ڈالے اور منہ زرا سا کھول کر اس کا گال چومنے لگا. ہونٹ اس کے گال کے پاس لے کر جاتا پھر پیچھے کرتا پھر گال پر رکھتا اور پھر ہنسنے لگ جاتا. حمزہ نے اسے خود سے الگ کرتے اس کا گال چوما. اور اسے دوبارہ اس کی سیٹ پر بٹھایا.

"میں آتا ہوں۔" وہ باہر جانے لگا تو ارہاب نے گاڑی کے شیشے پر ہاتھ مارا۔ "اوپن اٹ۔" حمزہ نے کچھ سوچا ٹیک اوے سامنے ہی تھا اور رش بھی نہیں تھا زیادہ سے زیادہ پانچ, سات منٹ ہی لگنے تھے. اور پھر بٹن دبا کر شیشہ کھول دیا. دروازہ بند کرنے سے پہلے اس نے ارہاب کو تنبیہہ کی. "ماما کال کریں تو مت اٹھانا. شی ول سکولڈ یو." بچے کو ماں سے ڈراتا وہ خود ٹیک اوے کی طرف چلا گیا.

ٹیک اوے کی کھڑکی کے سامنے ایک لڑکا کھڑا اپنا آرڈر دے رہا تھا. حمزہ نے مڑ کر گاڑی کی طرف دیکھا ارہاب دوسری طرف شیشے سے باہر دیکھ کر ہاتھ ہلا رہا تھا. حمزہ واپس ونڈو کی طرف مڑ گیا. لڑکا اب اپنا آرڈر رسیو کر رہا تھا. وہ ہٹا تو حمزہ نے دو الگ الگ فلیور کی آئسکریم بتائی. تین, چار منٹ گزرے تو وہ گھڑی دیکھتے ارہاب کو دیکھنے کے لیے مڑا. اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا. گاڑی میں ارہاب نظر نہیں آ رہا تھا. گلے میں گلٹی ڈوب کر ابھری اور وہ گاڑی کی طرف بھاگا. پیچھے گو تھرو ونڈو پر کھڑے آدمی نے اسے آواز دی مگر وہ اب گاڑی کھول کر اندر دیکھ رہا تھا. وہ وہاں نہیں تھا. حمزہ نے ایک ہاتھ کمر پر رکھا اور دوسرا ماتھے پر. اس کے کان دہکنے لگے تھے. کہاں جا سکتا ہے وہ. یا کون لے جا سکتا ہے. اس کے دماغ میں جھماکے ہو رہے تھے. دل کا ایک حصہ کسی نے مٹھی میں بھینچ لیا تھا.

اس نے سیٹ سے اپنا فون اٹھایا, کسی کی کال نہیں تھی. حیا! ہو سکتا ہے حیا نے کسی سے کہہ کر اسے منگوا لیا ہو اکثر وہ یوں ہی کرتی ہے. مگر پہلے فون بھی تو کرتی تھی. حمزہ نے لب کاٹتے حیا کا نمبر ملایا ساتھ ہی حیا کی تصویر بھی اسکرین پر ابھری. مگر پھر اس نے کال کاٹ دی اور ایک اور نمبر ملایا. یہ حیا کا ایونٹ آرگنائزر تھا. سارم!

"ہیلو سر!" وہ خوش دلی سے بولا تو حمزہ نے قدرے سوچتے اس سے پوچھا. "ارہاب وہاں ہے؟" اور اگلا جواب حمزہ کے سر پر پہاڑ بن کر ٹوٹا .

"نہیں سر" .

"اوکے اوکے ." اس نے فون کاٹ دیا اور کہنا بھول گیا کہ حیا کو اس کال کے بارے میں مت بتانا. اب وہ فون میں ارہاب کی تصویر کھولے وہاں گزرتے لوگوں کو دکھا رہا تھا.

ادھر حیا رو رو کر بے حال ہو گئی تھی. اور بار بار ڈرائیور کو تیز چلانے کی تاکید کر رہی تھی. اسے رہ رہ کر وسوسے آ رہے تھے. چاہے حمزہ پولیس کی نوکری سے ریٹائر ہو چکا تھا مگر دشمنیاں تو موت تک پیچھا نہیں چھوڑتیں. نہیں وہ ارہاب کو نہیں کھو سکتے تھے. گاڑی رکی تو اس نے چونک کر سر اٹھایا. وہ آئس کریم پارلر کے باہر تھے. سامنے حمزہ کی گاڑی کھڑی تھی وہ تیزی سے اپنی کار سے باہر نکلی اور اس کی گاڑی کی طرف لپکی. گاڑی میں کوئی نہیں تھا, قدم قدم بھاری تھا. اس نے فون پر حمزہ کا نمبر ملایا جو پہلی کال کے ساتھ ہی اٹھا لیا گیا. "حمزہ! ارہاب ملا؟" دل نے کہیں دعا کی کہ وہ مل گیا ہو. دوسری طرف سے پر سکون جواب آیا.

"نہیں" .

"حمزہ میرا بچہ چاہیئے مجھے." وہ دوبارہ رونے لگ گئی. لوگ رک رک کر اسے دیکھ رہے تھے. ایونٹ آرگنائزر اسے تسلی دے رہا تھا. پھر سامنے آتے انسان کو دیکھ کر وہ ٹھٹھکی. آنکھوں میں بے پناہ حیرت در آئی. جو جلد غصے میں بدل گئی. وہ حمزہ تھا جو دونوں ہاتھوں میں آئسکریم پکڑے باری باری منہ سے لگا رہا تھا.

"ارہاب مل گیا؟" وہ امید سے اس کی طرف لپکی. اور اس نے کندھے اچکائے.

"بتایا تو نہیں" .

"حمزہ تمہیں احساس بھی ہے ہمارا بچہ کھو گیا ہے۔" اس کو آرام سے آئسکریم کھاتے دیکھ کر وہ آنسوؤں کے ساتھ دبی دبی چلائی۔

"تم ہی تو کہتی ہو ہمیں پریشان نہیں ہونا چاہئیے کیونکہ ہو گا تو وہی جو اللہ نے لکھا ہے۔" آئسکریم زبان سے لگاتے وہ بولا اور حیا کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔

"یہ بھی کہتی ہوں کہ اللہ نے انسان کے ہاتھ میں کوشش رکھی ہے اور..." وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتی تھی مگر اگلی آواز پر رک گئی۔ اور کرنٹ کھا کر آواز کی طرف مڑی۔

"ماما۔" ارہاب پیچھے کسی کی گود میں تھا۔ وہ لپک کر اس کے پاس گئی۔ اسے اپنی گود میں لیا اور بار بار اس کے گال چومنے لگی۔ آنسو آنکھوں سے گرتے جا رہے تھے۔ پھر سامنے کھڑے لڑکے کو دیکھا اور ماتھے پر شکنیں ابھری۔ "شیری۔" وہ واپس حمزہ کی طرف مڑی اور اس نے فوراً شانے اچکائے۔ اور دوبارہ آئس کریم کھانے لگ گیا۔

شیری کا جسم پہلے سے بھرا ہوا تھا۔ چہرے کی رونق کئی گنا بڑھ چکی تھی اور حمزہ کی طرح ہلکی داڑھی تھی مگر حمزہ کی عمر کے ساتھ ہونے والی تبدیلیوں اور میچیورٹی نے حمزہ کو زیادہ پرکشش بنا دیا تھا۔

وہ غصے سے بپھری شیری کو گھور رہی تھی جو اب اپنے بالوں میں ہاتھ پھیر کر معذرت کر رہا تھا۔

"میں ابھی پندرہ منٹ پہلے ائیر پورٹ سے آیا تھا۔ ارہاب سے ملنے کا دل تھا تو حمزہ بھائی کو کال کی۔ فون ارہاب نے اٹھایا۔ اور بتایا کہ وہ آئسکریم کھانے آئے ہیں۔ اینڈ کس کو نہیں پتا حمزہ بھائی کو کہاں کی آئسکریم پسند ہے۔ میں پاس ہی تھا تو آ گیا۔" شیری نے بڑی احتیاط سے سارا ملبہ حمزہ پر گرا دیا۔ ارہاب آئسکریم کے نام پر ماں کے کندھے سے باپ کو دیکھنے لگا۔ جو اب بھی آئسکریم کھا رہا تھا۔

"تو تم حمزہ سے پوچھ کر اسے نہیں لے جا سکتے تھے؟ تمہیں پتا نہیں کہ..." اسکی بات ادھوری رہ گئی اور حمزہ آگے آیا۔

"مجھ سے پوچھتا؟ یہ اپنی کال کا ریکارڈ بھی مٹا چکا تھا وہ تو میرے فون کے اسپائی کیمرہ نے اس کی تصویر چپکے سے لے لی. "وہ فون حیا کے پیچھے سے زیری کو دکھا رہا تھا. جس مین شیری کی تصویر تھی. شیر نے ابرو اٹھائی.(اسمارٹ ہاں(حمزہ نے سر کو خم دیا.(شکریہ(

حیا کا تو ان دونوں کے نان سیریس رویے پر دماغ گھوم گیا تھا. "تم دونوں ایک جیسے ہو. "وہ دبی غرائی.

شیری نے مسکراہٹ چھپاتے بالوں میں ہاتھ پھیرا اور ارہاب نے دونوں بازو حمزہ کی طرف پھیلائے. "بابا! ایکسریم, بابا! ایکسریم. "حمزہ نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر اس کی ماں کو جب اب اسے ہی گھور رہی تھی.

"یو جسٹ لو یور ماما, سو نو آئسکریم!"وہ اب ٹشو سے ہاتھ صاف کر رہا تھا. ماں کے ساتھ ساتھ اب ارہاب کو بھی تپ چڑھ چکی تھی.

"سارم! کالج سے کام نمٹا کر تم سب گھر چلے جانا. آج کے لیے اتنا کافی ہے. "وہ ایونٹ آرگنائزر کو ہدایت دے کر حمزہ کی طرف مڑی

"اور تم گھر پہنچ کر ملو. "وہ گاڑی کی طرف مڑی اور ارہاب نے ماں کے کندھے کے اوپر سے انگلی اٹھا کر ہلائی. "وی ول سکولڈ یو. "اور یوں ہی غم سے اس کے حصے کی آئس کریم کھا جانے والے باپ کو دیکھتا ماں کے ساتھ حمزہ کی گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا.

حمزہ نے آگے بڑھ کر شیری کو گلے لگایا. جو کل رات فرانس سے آیا تھا اور آج دوپہر لاہور سے اسلام آباد پہنچا تھا. حمزہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا اور شیری پیچھلی سیٹ پر اور اس کے ساتھ ہی گاڑی زن سے آگے بڑھ گئی.

****

وہ دونوں حمزہ کی ریٹائرمنٹ کے بعد اسلام آباد شفٹ ہو گئے تھے. گھر لیا, فرنش کیا اور ردابہ اور ہارون کو بھی اپنے پاس بلا لیا. پہلے انہوں نے منع کر دیا مگر حیا اور حمزہ کے روز روز کی فون کالز اور خود جا کر کنوینس کرنے کی کوشش

کامیاب ہوئی اور دونوں ان کے پاس ہی آ گئے تھے. حمزہ اپنی فیملی کو پرانے سایوں سے دور رکھنا چاہتا تھا. تبھی لاہور چھوڑ کر دارالحکومت میں آبسایا.

باہر عصر ہو رہی تھی اور دن ابھی خاصا روشن تھا مگر اس چھ کمروں کے بنگلے میں اندھیرا تھا. ساری بتیاں بجھائے وہ دونوں لاؤنج میں بیٹھے تھے اور حمزہ کی گود میں ارہاب بیٹھا تھا. ردابہ اور ہارون انسٹیٹیوٹ تھے, شیری ان سے ملنے گیا تھا.

حیا ٹی وی دیکھ رہی تھی, حمزہ کی کلاس وہ گاڑی میں ہی لے چکی تھی اور اب وہ ارہاب سے کھیل رہا تھا. ٹی وی پر آئس کریم کا کمرشل آیا اور ارہاب نے منہ بنا کر حمزہ کو دیکھا. اور اپنے خالی ہاتھ دکھائے. "بابا ایکس ریم؟" حمزہ نے حیا کو دیکھا جو اب ان کو ہی دیکھ رہی تھی اور مسکراہٹ دباتے ارہاب کے ننھے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر باری باری اس کی ہتھیلیاں چومی.

"کل بابا اور ارہاب آئسکریم کھانے جائیں گے. اوکے؟ "

"ماماٹو. " اس نے ماں کو دیکھا. حمزہ نے حیا کو دیکھا, چہرے سے غصہ اب بھی جھلک رہا تھا.

"اچھا یار بس کرو. بتایا تو ارہاب ضد کر رہا تھا" .

"استغفر اللہ " ارہاب باپ کی گود سے نکل کر ماں کی گود میں چڑھ گیا. اور کان میں کھسر پھسر کرنے لگا.

"باباسیڈ ماما کو نہیں بتائیں گے. " کہہ کر وہ کھڑا ہوا اور حمزہ نے اسے گھورا. اور ایک ہاتھ حیا کے گرد پھیلایا. اور ارہاب کو دوبارہ اپنی گود میں لیا. اس کے کان میں کچھ کہا. اور وہ ہنسنے لگ گیا. پھر ماں کی طرف دیکھ کر بولا.

"ماما! بابا یا اہاب؟"

حمزہ نے توجہ ٹی وی پر مرکوز کر لی. گویا بے خبر ہو. حیا نے ارہاب کے گال کو چٹکی میں بھرا. "ماما کی جان, میرا بچہ ارہاب. " حمزہ نے پر شکوہ نظروں سے حیا کو دیکھا اور ارہاب نے مزے سے حمزہ کو دیکھا.

"شی لوز می. یےےےےے!" وہ ہنس رہا تھا حمزہ بھی مسکرا دیا اور حیا کے پیچھے سے ہاتھ نکال کر صوفے پر رکھا جس پر حیا نے اپنا ہاتھ رکھ دیا. اور حمزہ نے انگلیاں بند کر لیں. نظروں کا تبادلہ ہوا, کتنا ہی پیار, بھروسہ ایک طرف سے دوسری طرف گیا. دونوں یوں ہی مسکراتے ہاتھ تھامے ٹی وی دیکھنے لگے. ارہاب دونوں ہاتھ باپ کی ہلکی داڑھی پر رکھ کر کھیل رہا تھا. گویا بال ہاتھوں میں لگنے سے اسے مزا آ رہا تھا.

"ماما یو نو..." وہ حیا کی طرف مڑا تو نظر ان کے ہاتھوں پر گئی. حمزہ نے حیا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں جکڑ رکھا تھا. ارہاب نے مڑ کر باپ کو دیکھا جو ٹی وی دیکھ رہا تھا اس کی گود سے اترا, اور فرش پر دونوں کے بیچ جا کر اس طرح کھڑا ہو گیا کہ اب ان کے ہاتھ اس کے سامنے تھے. وہ اب اپنے ننھے ہاتھوں سے حمزہ کی انگلیاں کھول رہا تھا. دونوں نے چونک کر اسے دیکھا. وہ سنجیدہ سے ان کے ہاتھوں پر جھکا ہوا تھا. ان کو اپنی طرف دیکھتے اس نے سر اٹھایا. اور حمزہ کی طرف ہونٹ نکال کر بولا.

"یو آر ہرٹنگ ماما." حمزہ نے اچنبھے سے اسے دیکھا. حیا فوراً بولی. "نہیں بیٹا! بابا نیور ڈو سو." مگر وہ اب بھی حمزہ کی انگلیاں کھول رہا تھا. اور بار بار خفا نظر حمزہ پر ڈال رہا تھا.

"ماما. آئی ایم ٹاکنگ ٹو بابا." اس نے ہاتھ اٹھا کر ماں کو تسلی دی. "آپ کو درد ہو رہا؟" حمزہ کے ہاتھ کی گرفت دیکھ کر وہ روہانسا ہو رہا تھا. تبھی حیا نے اس کے گال کو چھوا. "نہیں ارہاب! بابا از مائی پروٹیکٹر. وہ مجھے ہرٹ نہیں کرتے." وہ اب اس کے بال سہلا رہی تھی. حمزہ نے اداسی سے مسکراتے حیا کو دیکھا.

پروٹیکٹر, محافظ. کتنے سال ان الفاظ کے خوف نے اس کی زندگی اجیرن کر کے رکھی تھی. حیا نے سر ہلا کر اسے بھروسہ دیا. اور اپنے ہاتھ کی گرفت بڑھا دی. ہر مرد کو اپریسیشن چاہیئے ہوتی ہے وہ چاہتا ہے کہ اسے سراہا جائے. اسی طرح جیسے عورت چاہتی ہے کہ اسے عزت دی جائے. تبھی حیا اس کے ہر کام کو سراہتی ضرور تھی اور یہ تو پھر بھی حمزہ کا خوف تھا. اپنوں کی حفاظت نہ کر پانے کا خوف.

ارہاب اب بھی ہاتھ کھولنے کی کوشش کر رہا تھا.

" آئی ایم یور پروٹیکٹر. "وہ بڑبڑایا. اور حمزہ کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے. اس نے حیا کا ہاتھ چھوڑا اور ارہاب کو گود میں بٹھاتے اس کا سر اپنے سینے سے لگایا. پھر دوسرا بازو حیا کے گرد پھیلایا اور اس نے نزدیک ہوتے ہوئے اپنا سر حمزہ کے کندھے سے ٹکا دیا. حمزہ نے دونوں کو اپنے بازوؤں میں سمیٹتے خود میں چھپالیا اور ارہاب کے پاس سر گوشی کی.

"میری جان. بابا از یور پروٹیکٹر. میں تم دونوں کو کبھی کچھ نہیں ہونے دوں گا. "اس نے اپنے سینے میں چھپے ارہاب کے گال کو چوما. اور پھر ہونٹ حیا کے بالوں پر رکھے.

" آئی لو بوتھ آف یو. "وہ ان کو خود میں چھپاتا جارہا تھا. ارہاب نے بھی اپنے ننھے بازو اس کے گرد باندھ دیے تھے.

باہر اندھیرا بڑھتا گیا. اور تینوں یوں ہی بیٹھے رہے. ارہاب اب ہل بھی نہیں رہا تھا. شاید سو گیا تھا.

" کھانا بنانا ہے. "حیا آہستہ سے بولی. حمزہ نے چونک کر آنکھیں کھولیں.

"باہر سے منگوالیں گے. "وہ نہیں چاہتا تھا حیا اٹھ کر جائے .

"شیری آیا ہوا ہے. اچھا نہیں لگتا باہر سے منگوانا. "وہ اسی نرمی سے بولی .

" مت جاؤ. "حمزہ نے گرفت مضبوط کر دی. اور حیا نے سر اٹھا کر اسے دیکھا. پھر ارہاب کے بال سہلائے .

" ارہاب ؟"وہ نہیں ہلا. حمزہ نے تھوڑا ایک طرف کر کے اس کا چہرہ دیکھا اس کی آنکھیں بند تھیں .

" سو گیا ہے. "وہ اب حیا کے بالوں میں ہاتھ پھیر رہا تھا .

" اچھا لاؤ میں اسے اندر کمرے میں لٹا آؤں. "وہ اٹھ گئی. اور حمزہ نے دوسرا ہاتھ بھی ارہاب کے گرد باندھ لیا .

" اونہوں! ہم ٹھیک ہیں " .

"اتنامت کیاکرو حمزہ. چھوڑ دو اسے. تم بھی تھک گئے ہو." پھر مصنوعی خفگی سے اسے گھورا. "آئسکریم کھا کھا کر.
"وہ ہنسا. اور ارہاب کو اٹھانے کے لیے جھکی حیا کے گرتے بالوں کو اس کے کان کے پیچھے اڑیسا. اور ہاتھ گال پر رکھے رکھا. نظروں سے نظریں ملی تو وہ بولا.

"میں تم لوگوں کو پیار کرتے کرتے کبھی نہیں تھکتا" .

"ہائے حمزہ سر. آپ کتنے بدل گئے ہیں, کبھی آپ میرے سے دور بھاگتے تھے." وہ ہنسی. اور حمزہ نے کندھے اچکائے. تبھی ٹھک کی آواز سے لاؤنج روشن ہو گیا.

راہداری کے آخر میں شیری کھڑا تھا اور اب ان کی طرف ہی دیکھ رہا تھا. حیا سیدھی ہوئی اور حمزہ نے ہاتھ نیچے گرایا. شیری مسکراتا ہوا ان کی طرف آیا.

"بڑے ہو گئے, ایک عدد بچہ ہو گیا. جو ماشاءاللہ اب تین سال کا ہے پر آپ لوگوں کی جگہ بے جگہ رومانس کرنے کی عادت نہیں گئی." وہ اب ارہاب کا گال چوم رہا تھا.

"اور تمہاری کسی کے گھر بغیر اجازت گھسنے کی عادت نہیں گئی." حمزہ نے ارہاب کو اس سے پرے کیے. اور حیا ہنستی ہوئی کچن کی طرف بڑھ گئی.

"بھائی آپ فون پر پاسورڈ کیوں نہیں لگاتے؟" اسے یاد آیا کہ وہ کتنی آسانی سے اپنی کال کا ریکارڈ مٹا آیا تھا. حمزہ نے گہری سانس لے کر کچن کے دروازے پر کھڑی حیا کو دیکھا.

"میری بیوی مجھ پر شک کرتی ہے" .

شیری نے سمجھتے ہوئے سر ہلایا. بیوی نے مڑ کر اپنے شوہر کو دیکھا. آنکھوں میں ماضی جھلملانے لگا تھا.

صبح کے چار بج رہے تھے, پب کی رنگینی عروج پر تھی. شیشے کے دروازے کو دھکیل کر اندر جاؤ تو بائیں طرف وہ آخری میز پر اسی لڑکی کے ساتھ بیٹھا تھا. دونوں کی پشت دروازے کی طرف تھی. اب تم آگے چل کر اسی میز پر

پڑی سامنے والی کرسی پر بیٹھ جاؤ تو دیکھو گے کہ لڑکی نے نارنجی ساڑھی باندھ رکھی تھی, آنکھوں میں گہرا کاجل اور ہونٹوں پر گہری نارنجی لپ اسٹک تھی. حمزہ نے کالی جینز پر گول گلے والی سفید ٹی شرٹ اور سفید بلیزر پہن رکھا تھا.

دو گلاس میز پر پڑے تھے ایک میں پیلا اور دوسرے میں کالا پانی تھا. یعنی آم کا جوس اور الکوحل!

حمزہ کے آگے ایک چھوٹی سی ڈائری تھی, جس کے کھلے ہوئے صفحے پر اس نے کچھ الفاظ گھسیٹ رکھے تھے. آنکھیں نیند سے بوجھل تھیں, مگر وہ بیٹھا تھا اور کاغذ پر سر جھکائے, انگلیوں میں پنسل گھماتے, لڑکی کو بغور سن رہا تھا. لڑکی کا ایک ہاتھ اس کے بازو پر دھرا تھا. اور آنکھیں اس کے چہرے پر جمی تھیں. بولتے بولتے وہ چپ ہو گئی تو حمزہ نے سر اٹھایا.

"اور؟" لڑکی نے کندھے اچکائے.

"بس" .

"لیکن تم نے ابھی بتایا نہیں کہ وہ شِپ پاکستان سے کب نکلے گی اور کس پورٹ سے." وہ اسے دیکھ رہا تھا جواب مسکرا رہی تھی.

"بتاؤں گی. وہ بھی بتاؤں گی. پر آج نہیں." اس نے اپنے ہاتھ کی گرفت اس کے بازو پر بڑھا دی. اور اس کی گردن کی طرف جھکی, ہونٹ سفید شرٹ سے مس ہوئے اور حمزہ نے اسے پیچھے دھکیلا.

"تمہارا دماغ خراب ہے ارمینہ. میں شادی شدہ ہوں. میری بیوی ہے جو سارا دن ساری رات میرا انتظار کرتی ہے اور میں یہاں, یہاں تمہارے ساتھ بیٹھا رہتا ہوں." نیند سے بوجھل آنکھوں کی سرخی اور بڑھ گئی تھی.

"اپنے کام سے بیٹھتے ہو. اپنے مطلب کے لیے آتے ہو." وہ غرائی. اور حمزہ نے اسے گھور کر دیکھا. اور ایک ایک لفظ چبا کر ادا کیا.

"مجھے بتاؤ وہ شپ کب نکلے گی یہاں سے اور کس پورٹ سے ."حمزہ نے اس کا ہاتھ اپنے بازو سے جھٹکا. اور وہ ناگن کی طرح بل کھاتی اٹھی.

"میں تمہیں مفت میں کیوں اپنے لوگوں کی انفارمیشن دوں؟ کیوں دھوکہ دوں ان کو؟"

"اس کے بدلے میں تمہیں بھاری رقم دوں گا" .

"پیسے مجھے وہ لوگ بھی دے رہے ہیں جن کو میں تمہارے لیے دھوکہ دے رہی ہوں ."وہ دونوں میز ہاتھ پر مارتے جھکی. اور انگلی حمزہ کی طرف اٹھائی.

"مجھے اس فیور کے بدلے تم چاہیئے ."اس کی آنکھوں میں پیار غصہ سب جھل مل کر رہا تھا. حمزہ کے تنے تاثرات دیکھ کر وہ ٹھنڈی پڑتے دوبارہ کرسی پر بیٹھ گئی. اور حمزہ کا بازو پکڑ لیا. "حمزہ. آئی رئیلی لو یو. تمہارے ساتھ رہنا چاہتی ہوں. تم سے شادی کرنا چاہتی ہوں ."حمزہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ شادی شدہ ناگن بولے جا رہی تھی ." تمہاری بیوی میرے سے زیادہ خوبصورت نہیں ہو گی. اور نہ ہی تمہیں مجھ سے زیادہ پیار کرتی ہو گی ."اس نے دونوں ہاتھوں کا پیالہ بنا کر حمزہ کے گالوں پر رکھا. "پلیز حمزہ مجھے اپنی زندگی میں آنے دو. پلیز. "تھوڑی دیر پہلے کا غصہ پھر ہو گیا تھا وہ اب منت کر رہی تھی. "تمہاری آواز سننے کو ترستی ہوں میں اور تمہیں دیکھتے ہی ہر غم بھول جاتا ہے. میں اپنے شوہر سے طلاق لے لوں گی, اگر نہیں بھی دے گا تو. "اس نے ایک ہاتھ ہٹا کر ہوا میں اٹھایا. "تو میں یوں ہی تم سے شادی کر لوں گی. "وہ اول فول بکے جا رہی تھی. حمزہ کے جبڑے بھنچ گئے. زبان دانتوں پر پھرنے لگی تھی. یکایک اس نے اپنے منہ پر رکھے ارمینہ کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا.

"تم ٹھیک کہتی ہو. وہ تم سے زیادہ خوبصورت نہیں ہے. میں یوں ہی اس کے پیچھے تم جیسی خوبصورت لڑکی کو ٹھکرا رہا تھا. "اب وہ اس کے چہرے سے بال ہٹا رہا تھا. یک دم ارمینہ کا چہرہ خوشی سے لال پڑنے لگا. آنکھوں میں چمک آئی. حمزہ نے جوس کا گلاس اٹھا کر ہونٹوں سے لگایا. اور خالی گلاس میز پر رکھا.

"ہم شادی کر لیں گے. پھر چاہے تم اپنے شوہر سے طلاق لو یا نہیں. "اس کی آواز میں طنز تھا جو محبت میں اندھی ارمینہ کو نہیں دکھا.

"آئی وانٹ ٹو میک دس میموریبل. "اس نے ارمینہ کا ہاتھ تھاما اور اسے ڈانس فلور پر لے آیا. یہاں رش تھا. میوزک لاؤڈ تھا. کئی جوڑے بانہوں میں بانہیں ڈالے مگن تھے. کسی کو کسی کی پرواہ نہیں تھی. ارمینہ نے اپنے بازو حمزہ کی گردن میں ڈالے اور حمزہ نے اس کی پشت پر اپنے ہاتھ باندھے. میوزک کی تیز بیٹ سے بے نیاز وہ ہلنے لگے. حمزہ اس کے سر پر جھکا اور آہستہ سے سرگوشیاں کرنے لگا. وہ بے یقینی سے اسے دیکھتی, مسکراتی اور ہنس دیتی. چند منٹ یوں ہی گزر گئے. پھر حمزہ نے آہستہ سے اس کے کان میں کہا.

"شپ کب نکلے گی, کس پورٹ سے اور کہاں جائے گی؟ "

ارمینہ نے اسی انداز میں سرگوشی کی. "آج نہیں, کل بتاؤں گی. "اور پھر بازو اس کی گردن سے نکال کر سر اس کے سینے پر سر رکھتے گلے لگ گئی. حمزہ نے ناگواری سے آنکھیں بند کیں. اور اندھیرے میں بیسمنٹ کا منظر ابھرا. وہ اس کے گلے لگی ہوئی تھی. "آئی لو یو. "اور وہ کہہ رہا تھا" استغفر اللہ. "وہ ایک خوبصورت احساس تھا. سانس تھم گئی تھی. مگر اس لڑکی کو اپنے ساتھ جڑا دیکھ اسے عجیب گھن آرہی تھی. شاید وہ رشتہ پیارا تھا کہ اس سے جڑا ہر احساس بھی خوبصورت تھا. حمزہ نے اسے بازؤں سے پکڑ کر خود سے الگ کیا. ہونٹوں پر دوبارہ مسکراہٹ تھی.

"میرے دماغ میں وہ اٹک چکا ہے. میں چاہتا ہوں, جب ہم دونوں ساتھ ہوں تو کوئی اور سوچ میرے دماغ میں نہ آئے. "وہ پیار بھرے لہجے میں اس سے مخاطب تھا. ارمینہ نے بال کان کے پیچھے اڑستے سر ہلایا. اور اس کے پاس ہوتے سرگوشی کی.

"گوادر سے نکلے گی, رات دو بجے کے بعد اس سوموار اور نیپال جائے گی. "وہ پیچھے ہوئی اور حمزہ نے مصنوعی تشکر سے اسے دیکھا. دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھا.

"میں تمہیں کچھ بتانا چاہتا ہوں۔ "ارمینہ تو اس کو سننے کو ہمیشہ ہی بے تاب رہتی تھی۔ فوراً گردن ہلائی۔ اور حمزہ اس کے کندھے سے ہوتا کلائی تک آیا۔ اور یہ ایک لمحہ تھا کہ اس نے اس کی کلائی مروڑ کر پیچھے کمر سے لگا دی۔ وہ کراہی۔ حمزہ نے درشت نظریں اس کی نظروں پر جمائی۔

"بتانا چاہتا ہوں کہ میری بیوی چہرے سے تم سے زیادہ خوبصورت چاہے نہ ہو پر دل اور دماغ دونوں کی خوبصورت ہے۔ "ارمینہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ وہ تو اس سے ابھی پیار بھری باتیں کر رہا تھا۔ حمزہ نے ایک اور جھٹکا اس کے بازو کو دیا۔

"اور میں اس سے بہت پیار کرتا ہوں۔ اس دن سے جب اسے دیکھا۔ جب اسے اپنے لیے لڑتے دیکھا۔ اس کی آنکھوں کی تپش ہی بہت تھی میرے دل کو موم کرنے کے لیے۔ "وہ اس کی گرفت میں مچل رہی تھی۔ مگر حمزہ کو کوئی پرواہ نہیں تھی۔ وہ ناخن تک اس کی کلائی میں دھنساتا جا رہا تھا۔ شاید نشان بھی چھوٹ گئے ہوں شاید سرخ مائع بھی نظر آنے لگ گیا ہو۔ اسے پرواہ نہیں تھی۔ نہ آنسوؤں کی، نہ زخموں کی۔ اور یہ ہی فرق تھا حیا کو تکلیف دینے اور کسی اور کو تکلیف دینے میں، وہاں پرواہ تھی تبھی گرفت اتنی رہتی کہ نہ نشان رہے نہ زخم آئے۔

ارمینہ منمنائی۔ "یہ سب باتیں۔ دھوکہ دیا تم نے مجھے۔ "حمزہ نے دفعتاً ہونٹ ایک طرف کھینچ کر اسے دیکھا۔

"ارمینہ تمہیں لگتا ہے میرے پاس اتنی طاقت نہیں ہے کہ میں تمہیں حوالات میں پھینکوا دیتا؟ لیڈی پولیس تمہارا حشر نشر کر دیتی اور تم طوطے کی طرح اپنی زبان کھول دیتی۔ ہے پاور میرے پاس۔ مگر جو کچھ تم نے مجھے اپنے اس پیار میں بتایا، وہ شاید اس طرح نہ بتاتی۔ "وہ مسکرا رہا تھا۔ ارمینہ اندر تک جل گئی تھی۔ وہ اسے استعمال کر رہا تھا۔

"ترس آتا ہے مجھے تم جیسی لڑکیوں پر۔ ہاں تم اچھی تھی پر اپنے لیے لڑی نہیں بلکہ۔۔ "اس نے انگلی اٹھا کر پب میں موجود لوگوں کی طرف اشارہ کیا۔ "ان لوگوں کی طرح بن گئی۔ تم ان کو لڑکیاں دیتی ہو اسمگل کرنے کو۔ تم لوگ اندھے ہو چکے ہو اس دنیا کے پیچھے۔ "وہ چپ ہو گیا۔ عجیب سی تکلیف تھی جو سینے میں اتر رہی تھی۔

"تم سب ایک جیسے ہو." وہ خود کو چھڑواتے ہوئے غرائی. تو حمزہ نے اس کا ہاتھ جھٹکے سے چھوڑا اور اپنی بات کہی.

"جو دوہی لوٹ کر آتا ہے. اور ہم سب تمہارے جیسے ہیں.. دھوکے باز." پھر اس کو وہیں کڑھتا چھوڑ لمبے ڈگ بھرتا وہ باہر نکل گیا. وہ آنکھوں میں آنسو لیے اسے باہر جاتے دیکھتی رہی.

اب تم یہاں سے کئی میل دور حمزہ کے کمرے میں آ جاؤ. وہ ساری رات نہیں سوئی تھی. کل صبح سے نکلا حمزہ اب تک نہیں آیا تھا. یہ اسکا معمول تھا کہ وہ دو تین بجے ہی آتا تھا مگر آج تو رات بھی گزر گئی تھی. صبح کے سات بج رہے تھے. دل میں وسوسے سر اٹھا رہے تھے. شیری کے الفاظ بار بار سنائی دے رہے تھے. وہ سر جھٹک کر مثبت سوچنے کی کوشش کرتی رہی. نہیں اسے شک نہیں کرنا تھا. سر درد سے بھاری ہو رہا تھا. وہ کافی لینے نیچے آ گئی. ابھی وہ سیڑھیاں اتری ہی تھی کہ دروازہ کھلا اور سست قدم اٹھاتا وہ اندر داخل ہوا. وہ تھکا ہوا لگتا تھا. اسے دیکھ کر وہ رکی. "کافی بنا دوں؟ یا کھانا لگاؤں؟" وہ عام سے انداز میں بولی گو کہ آنکھوں سے ساری رات کی بے خوابی عیاں تھی. وہ اب اس کے روبرو کھڑا تھا. وہ اس کے تاثرات جاننا چاہ رہی تھی. ڈھونڈ رہی تھی کوئی تاثر جو کہے کہ وہ کسی لڑکی کے ساتھ نہیں تھا. وہ دھوکہ نہیں دے رہا اسے. اور پھر وہ ایک قدم آگے آیا. ہونٹ اس کے ماتھے پر رکھے. اور اسے اپنے کندھے سے لگایا ایک بازو اس کے گرد لپیٹا اور ٹھوڑی اس کے سر پر رکھتے آنکھیں بند کر لیں. وہ کھڑی رہی, سمجھنے کی کوشش کرتی رہی. "تم ٹھیک ہو." وہ آہستہ سے بولی. مگر وہ چپ رہا. ہاں دل کی دھڑکن کا شور تھا جو اسے سنائی دے رہا تھا. حیا نے اپنے بازو اس کے گرد باندھ دیے اور سرگوشی کی. "سب ٹھیک ہو جائے گا" .

تھکن, تکلیف دونوں کے مٹتے گئے. پھر اس نے حیا کو خود سے الگ کیا. اور مسکرایا. "پہلے کھانا کھاؤں گا پھر کافی." حیا سر ہلاتی کچن کی طرف بڑھی اور وہ بلیزر اتارتا صوفے پر جا کر نیم دراز ہو گیا. حیا نے وہیں شیشے کی چھوٹی میز پر کھانا لگایا. تبھی اس کی نظر حمزہ کی سفید شرٹ پر گئی. جس کے کندھے پر نارنجی لپ اسٹک کا نشان تھا. گلے میں گلٹی

ابھری. حمزہ نے اس کی نظروں کا تعاقب کیا. اور اس نشان کو دیکھتے ایک ہاتھ اس پر رکھا اور ایک سے اپنی ابرو ناخن سے کھرچنے لگا.

"کلر لگ گیا تھا." جیسے اس نے بہانہ سوچا اور حیا نے فوراً سر ہلایا. "دوبارہ نہیں دکھے گا" مگر یہ تب ہی تھا جب اگلے دن اس نے حمزہ سے ڈیمانڈ کی کہ وہ اپنے فون کا پاسورڈ کھول دے. اس لیے نہیں کہ اسے حمزہ پر شک تھا اس کی منطق یہ تھی کہ اس سے وہ آئندہ اس پر شک نہیں کرے گی. اور حمزہ نے سینے پر ہاتھ باندھتے ہوئے کہا تھا.

"تمہیں پتا ہے شک رشتے کو دیمک کی طرح چاٹ جاتا ہے؟" اور حیا نے جھٹ کہا تھا "اسی لیے تو کہہ رہی ہوں پاسورڈ کھول دو" .

قہقہہ لگا اور لاہور کے گھر کا لاؤنج اسلام آباد کے لاؤنج میں بدل گیا. وہ کھانے کی میز پر بیٹھے تھے جہاں حمزہ کے راتعوں کو دیر سے آنے کا قصہ حیا اور حیا کے شک کا قصہ حمزہ سنا رہا تھا. سب ہنستے ہوئے چپ ہوئے تو ردابہ بولی.

"بچے شک کا تو کوئی علاج نہیں ہے. تھوڑا تھوڑا شک جمع ہوتے بم کی طرح طلاق کی صورت میں پھٹ جاتا ہے. زندگی کے کسی بھی رشتے میں جب دراڑ آنے لگ جائے کسی وجہ سے تو ہمیں چاہئیے فوراً بیٹھ کر بات کر لیں. یہاں تک کہ اگر دوسرا نہ بھی سننا چاہے تو اپنے رشتے کے مان پر اسے زبردستی پکڑ کر بٹھائیں اور اپنا رشتہ بچا لیں." وہ چپ ہوئیں تو حمزہ نے فوراً کہا .

"مطلب میں پاسورڈ لگا لوں؟" اور حیا جھٹ بولی .

"سوچنا بھی مت. سرپرائز انسپیکشن کروں گی میں." حمزہ نے مصنوعی خفگی سے اسے گھورا اور اس کی آنکھوں کے سامنے ہی اپنا فون میز سے اٹھا کر جیب میں ڈال دیا. وہ مسکراہٹ دبائے رہی.

سربراہی کرسی پر ڈاکٹر ہارون بیٹھے تھے. ان کے دائیں طرف حمزہ اور بائیں طرف ردابہ تھی. پھر ردابہ کے ساتھ حیا اور حمزہ کے ساتھ شیری بیٹھا تھا.

اور اب حمزہ ڈاکٹر ہارون سے کہہ رہا تھا.

" آپ مجھے دو تھپڑ لگا کر اس دن سمجھا دیتے تو ہمارا رشتہ اتنے سال ٹوٹا نہ رہتا. "سب نے چونک کر اسے دیکھا اور ڈاکٹر ہارون نے ایک نوالہ منہ میں رکھا.

"ہاں تا کہ میں ظالم چچا بن جاتا اور تم مجھ سے بد ظن ہو جاتے. جوان بچوں پر کون ہاتھ اٹھاتا ہے؟ وہ باغی ہو جاتے ہیں" .

" کم آن چاچو! باغی اور بد ظن تو میں ویسے بھی ہو گیا تھا. سوچتا تھا آپ جن ہیں جو ماسی کو چمٹ گئے ہیں اور ان کو مجھ سے دور کوہ قاف لے گئے ہیں. "وہ اپنی پلیٹ پر جھکا بڑبڑا رہا تھا. ردابہ اور ہارون نے قہقہہ لگایا اور شیری نے حیا کو اشارہ کیا. (دیکھ رہی ہیں ؟(

اس نے مسکراہٹ دباتے کندھے اچکائے. (وہ بدل گیا ہے(

"بائی دی وے حمزہ اب تمہارا جاب کا کیا سین ہے ؟ "ایک کباب اپنی پلیٹ میں رکھتی ردابہ بولی تو حمزہ نے بالوں میں ہاتھ پھیرتے حیا کو دیکھا.

"اصل میں ماسی, میں مار پیٹ کا اتنا عادی ہو چکا ہوں کہ مجھے نہیں لگتا میں شریفوں والی کوئی نوکری کر سکتا ہوں. اور پھر میری بیوی ایک سیشن کا اتنا کما لیتی ہے. مجھے کیا ضرورت ہے. "وہ ہونٹ نیپکن سے تھپک رہا تھا. بیوی نے ابرو اٹھائی. شیری جھٹ سے بولا.

"پہلی بات یہ آپ کو ریزائن کرنے سے پہلے سوچنا چاہئیے تھے کہ کیا کام کریں گے. اتنے لوگوں کو جاب لیس کر دیا آپ نے. دوسرا آپ کی بیوی کماتی ہے پر میری بیوی آپ کے توسط سے جو کماتی تھی اب وہ بھی نہیں ہے. اس کی تنخواہ کے بغیر ہم اتنی مشکل سے گزارا کرتے ہیں. "وہ روہانسا ہو کر بتا رہا تھا اور ردابہ نے اسے گھورا. اور حیا ہنسی.

"سمایا کا کیٹرنگ کا بزنس بند ہو گیا کیا؟"شیری نے اس کی طرف بائیں آنکھ دبائی. "فرانس سے entrepreneurship پڑھ کر آنے کے بعد میں نے اور اس نے ہاتھ ملا لیا ہے. اب ہم اس سے تین گنا بڑی کمپنی چلا رہے ہیں. "دونوں ہنسے اور حمزہ کا دماغ کہیں اپنی ریٹائرمنٹ پر اٹک گیا تھا. تبھی ہارون بولے.

"سوچ لو جو کرنا ہے. بزنس کرنا ہے تو وہ بھی ٹھیک ہے جاب کرنی ہے تو بھی اپلائی کر دو کہیں. کسی سیکیورٹی ایجنسی میں یا. "جملہ ادھورا رہ گیا.

"چاچو آپ سمجھتے ہیں کہ میں نے پولیس کی نوکری اس لیے چھوڑی کہ پھر میں سیکیورٹی ایجنسیوں میں جا کر دوبارہ اپنی فیملی کو خطرے میں ڈال دوں؟"وہ ڈسٹرب نظر آنے لگ گیا تھا.

"بیٹا ہم بس یہ کہہ رہے کہ ابھی تم نے لیٹر دیا ہے. پر اسس میں وقت لے گا اینڈ وی آل نو تم کوئی اور جاب نہیں کر سکو گے. پولیس ہی تمہاری فیلڈ ہے. تو تم ری جوائن کی اپلیکیشن دو. "ردابہ دوٹوک بولی تو حمزہ کھڑا ہو گیا.

"میں اس سسٹم کا حصہ دوبارہ کبھی نہیں بننا چاہتا جو اپنے لوگوں کو اون نہ کریں. میں نے اپنی زندگی کے اتنے سال اس محکمے کو دے دیے اور یہ میرے گھر کو حفاظت نہیں دے سکے. ہم منہ کھول کے کہتے ہیں فوج اتنا بجٹ کھا جاتی ہے پر کبھی دیکھیں وہ اپنے سپاہی سے لے کر جنرل تک سب کو اون کرتے ہیں. ان پر یہ پیسہ لگاتے ہیں. اور ہمارے ہاں شہید کی ماں کو اس کے بیٹے اور دوسرے شہداء کے اعزاز میں ہونے والی تقریب میں نیچے بٹھا دیا جاتا ہے. واٹ شٹ مین!"وہ تو چھڑ ہی گیا تھا. میز پر سنجیدگی چھا گئی تھی.

"میں نے چھ سال اس منسٹر پر کام کیا. "اس نے چھ انگلیاں اٹھا کر دکھائیں. "چھ سال زندگی کے اس کیس کو دے دیے. کون سا گناہ اور جرم نہیں تھا جس میں وہ وہ ثقلین ملوث نہیں تھا. یاد ہے دربار پر جو دھماکہ ہوا تھا اس میں بھی یہ سہولت کار رہا. زندگی کو ہتھیلی پر رکھ کر میں نکلا تھا. مگر جب ایکشن کا وقت آیا, گرفتاری کا وقت آیا تو اعلیٰ حکام

نے ہاتھ کھینچ لیا. پرائم منسٹر کا آرڈر آگیا. سارا کیس ختم کر دیا جائے. ثبوت ختم کر دیے جائیں. پوری حکومت کو آگ لگ گئی" .

وہ ایک ہاتھ کمر اور دوسرا ماتھے پر رکھے اب لمبے سانس لے رہا تھا. جیسے سب دوبارہ سامنے دکھنے لگا تھا. حیا نے تاسف سے اسے دیکھا. وہ نوکری چھوڑنے کی درخواست چند ماہ پہلے دے چکا تھا, سینیئر آفیسر دوست اسے دوبارہ دیکھنا چاہتے تھے. درخواست منظور نہیں ہو رہی تھی, اپنی مرضی سے چھوڑنے کے باوجود وہ بے سکون تھا. تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر وہ مڑا اور کرسی کھینچ کر بیٹھا.

"اس کیس کے پیچھے میں سارا دن ساری رات گھر نہیں آتا تھا. کیونکہ وہ لڑکی اسی شرط پر میری مدد کر رہی تھی کہ جب وہ میسج کرے, کال کرے مین وہاں اسکے پاس پہنچوں. میری بیوی مجھ پر شک کرنے لگی. وہ شرٹ میری بیوی نے دوبارہ مجھے کبھی پہننے نہیں دی" .

وہ ارمینہ کی لپ اسٹک کے نشان والی شرٹ کا ذکر کر رہا تھا. حیا نے سر جھکا لیا. اسے لگتا تھا حمزہ کو نہیں پتا کہ وہ اس شرٹ کے کیوں خلاف تھی. وہ آگے بولا.

"ماسی! میرے گھر کے باہر سے دوبار دھماکہ خیز مواد ملا, میرا بچہ, میری بیوی مر جاتے اگر بر وقت پتا نہ چلتا. اور میں ان کے ٹکڑے جما کرتا رہتا. "اس نے جھرجھری لی.

"حمزہ تم بہادر آفیسر ہو. "حیا نے آہستہ سے کہا تو وہ سرعت سے اس کی طرف مڑا. "میں نے کہا تھا ہم اس بارے میں کبھی بات نہیں کریں گے. بھاڑ میں جائے یہ بہادری. میرے میں اتنی ہمت نہیں کہ اور جنازے اٹھا سکوں. " اس کے جبڑے حدت جذبات سے ہل رہے تھے.

"فار گاڈ سیک بھائی. "شیری نے اسے روکا. اور وہ تو اس وقت اپنے قابو میں نہیں تھا. نہ چاہتے ہوئے بھی نوکری چھوڑ دینے کی تکلیف اور بے سکونی کی ساری بھڑاس آج نکل رہی تھی. تو شیری کیوں بچتا.

" صحیح صحیح. آپ لوگ چاہتے ہیں میں بہادری دکھاتا. اپنی بیوی اور دو سال کے بچے کو مرنے دیتا. اگر وہ بچ جاتے تو دھماکہ خیز مواد کے بعد گن ہاتھ میں پکڑ کر اسی طرح سڑکوں پر پھرتا اور ایک دن میری بھی لاش گھر آتی. "حیا نے اپنا سر ہاتھوں میں گرا لیا. کھانا تو حرام ہو گیا تھا. مگر وہ چپ نہیں ہوا.

" پھر میری لاش پر تمغے لگاتے تم لوگ, میڈیا سیشن کرواتے, ہمارا حمزہ اتنا بہادر تھا کہ مر گیا. "اس نے استہزائیہ ہاتھ ہوا میں اٹھائے. اب تو ردابہ اور ہارون بھی کچھ نہیں بول رہے تھے. اس کی بھڑاس تھی وہ اس کے شانت ہونے کا انتظار کر رہے تھے.

" مجھے مرنے سے ڈر نہیں لگتا پر اپنے بچے کو میں یوں اکیلے دھکے کھانے کو نہیں چھوڑوں گا. یہ لوگ میرے بعد میری بیوی اور بچے کو بھی نہیں چھوڑیں گے. ان کی خون کی پیاس کبھی نہیں بجھتی. میں ایک پر سکون زندگی گزارنا چاہتا ہوں. جہاں مجھے ہر وقت اپنی فیملی کو کھونے کا ڈر نہ لگا رہے. "وہ اب گردن اٹھا کر سر کو دائیں بائیں گھما رہا تھا. سر درد سے پھٹنے لگا تھا.

" شیری! وکیل کو بلواؤ. میں اپنی پراپرٹی اپنی زندگی میں ہی اپنی بیوی اور بچے کے نام کروانا چاہتا ہوں. "وہ دوٹوک سا کہتا سیدھا ہوا. حیا کا ہاتھوں پر ٹکا سر تھوڑا اور گر گیا. ردابہ نے ہارون کو دیکھا جو حمزہ کو ہی دیکھ رہا تھا. شیری نے فوراً اثبات میں سر ہلایا. اس وقت وہ زخمی شیر تھا. اسے کچھ بھی کہنا فضول تھا جو سمجھا تا وہ اسی پر جھپٹ جاتا. شیری نے حمزہ کو دکھانے کو فون نکالا.

" یہ تو آج بھی اتنے ہی کھڑوس ہیں. " ایک میسج حیا کو کیا. اور اس نے بدلے میں اینگری ایموجی بھیجا اور ساتھ میسج. " وہ پریشان ہے " .

" بابا " آواز پر سب نے سر اٹھا کر دیکھا. اور حمزہ اور شیری پیچھے مڑے. ننھا ارہاب سفید ٹی شرٹ اور وہی نیلی جینز میں وہاں کھڑا تھا. حمزہ فوراً سیدھا ہو گیا.

چہرے کے تاثرات نارمل کیے. حیا نے ٹھوڑی ہاتھوں پر ٹکائی. جانتی تھی اب کیا ہو گا. حمزہ اب جب مڑے گا تو اتنا میٹھا ہو گا کہ ارہاب کو شوگر ہو جائے. اور یہ ہی ہوا. اب وہ کرسی سے کھڑا ہو کر ارہاب کے پاس جا رہا تھا.

"ہمارا بیٹا اٹھ گیا ہے؟" نیچے جھکتے اس نے ارہاب کو گود میں اٹھایا اور اس نے بانہیں حمزہ کی گردن میں ڈال دیں. "مجھے. مجھے. شور آ رہا تھا." وہ ہونٹ نکال کر بولا اور حمزہ نے اس کا گال چوما. "سوری بھئی. شیری چاچو کو ڈانٹ پڑ رہی تھی." وہ بات گھما گیا. اور شیری نے ارہاب کی طرف سر کو خم دیا. (میں ہی کمینہ ہوں اس گھر میں (

ارہاب ہنسا. "چاچو.." پھر ہنسا.

"بابا کو ڈانٹ پڑی پھر... پھر... چاچو کو ڈانٹ پڑی. ییےےے" وہ خوش ہو رہا تھا حیا نے دو انگلیاں ہونٹوں پر رکھ کر مسکراہٹ چھپائی. اور حمزہ نے اسے گھورا. پھر ارہاب کے کان میں سرگوشی کی. "سب کے سامنے نہیں بتاتے." اور اسنے سمجھتے ہوئے سر ہلایا. اور اونچی سرگوشی کی. "آئی ول ناٹ ٹیل دادا اینڈ دادو.. ماما نے آپکو ڈانٹا." حمزہ نے بے بسی سے ارہاب کو دیکھا اور ردابہ,ہارون ہنسے. ارہاب باپ کی گود سے اتر کر ہارون سے ملا پھر ردابہ سے. ان دونوں کے گال چوم کر کے وہ بھاگ کر شیری کے پاس آیا. شیری نے دو چاکلیٹس جیب سے نکال کر اسے تھمائی. اور اس نے تھینک یو کہتے شیری کے گال کو چوما اور دوبارہ باپ کی گود میں چڑھ گیا.

"اب یہ جاب لیس رہیں گے؟" شیری نے دوبارہ میسج بھیجا. حیا نے مسکرا کر اسے دیکھا. شیری کا فون وائبریٹ ہوا. "ہی ول جوائن پولیس اگین." شیری کو مزاق اچھا لگا تبھی اس نے منہ کھول کر ہنستا ایموجی بھیجا.

"اچھا تھا اور بھیجیں." (لطیفہ (

حیا ہنسی. اور سب نے اسے دیکھا تو وہ ہونٹ دباتی نفی میں سر ہلانے لگی. اور میسج ٹائپ کیا.

"وہ پیدا ہی پولیس کے لیے ہوا ہے. جلد اسے احساس ہو جائے گا کہ اس کی زندگی کا مقصد وہ کالی وردی ہے. اس کی بے سکونی اسے دوبارہ تھانے لے جائے گی" .

شیری نے بس اثبات میں سر ہلایا اور پلیٹ پر جھک گیا.

حمزہ ارہاب کو لے کر دوبارہ اپنی کرسی پر بیٹھ چکا تھا. اور تھوڑے سے چاول پلیٹ میں ڈال رہا تھا.

"میرا بیٹا اب کھانا کھائے گا." اس کے گرد ایک ہاتھ باندھتے دوسرے ہاتھ کی دو انگلیوں میں تھوڑے سے چاول اٹھا کر اس نے ارہاب کے منہ میں ڈالے اور وہ چاکلیٹس الٹ پلٹ کر دیکھتا منہ ہلانے لگا.

"حمزہ! اس کا منہ تو دھلوا دو پہلے." حیا خفگی سے بولی اور حمزہ نے ارہاب کو دیکھا جو اب اسے ہی دیکھ رہا تھا. پھر دونوں نے اپنا ایک ایک ہاتھ ہوا میں اٹھایا. گھمایا. گردن آگے کی. اور اپنی طرف سے شیر کی آواز میں بولے. "شیر منہ نہیں دھوتے." ارہاب کھکھلایا, حمزہ نے مسکراتے ہوئے ارہاب کا گال چوما اور دوبارہ اسے چاول کھلانے لگ گیا حیا نے روہانسا ہو کر ردابہ کو دیکھا.

"اس نے میرا بچہ بگاڑ دیا ہے." ردابہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا. "جب وہ نہ ہو تو ارہاب کی پروگرامنگ کر دینا." وہ سرگوشی سی کہ انداز میں بولی اور حیا نے سر ہلایا.

"ماسی! کیا میں نے آپ کو بتایا کہ میرا پیارا ہسبنڈ کل میرے ساتھ انسٹیٹیوٹ جا رہا ہے؟" حیا نے انگلی سے حمزہ کی طرف اشارہ کیا. حمزہ نے ابرو اٹھا کر اسے دیکھا.

"میں اسے ڈاکٹر فہمیدہ کے سیشنز میں بٹھوانا چاہتی ہوں. کیونکہ کچھ لوگوں کو باقاعدہ علاج کی ہی ضرورت ہوتی ہے." وہ چبا کر بولی اور حمزہ نے ناک سے مکھی اڑائی. ردابہ نے مسکراہٹ دبائی. اور شیری چہکا.

"آپ کیوں نہیں دیتی ان کو سیشنز. بڑا نام سنا ہے آپ کا".

"تمہیں لگتا یہ میرے قابو آنے والی چیز ہے؟" وہ ہنسی روکتے بولی اور حمزہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا. "آپ کا ہی سایہ ہے مجھ پر محترمہ." حیا ہارون کو دیکھتی فوراً سیدھی ہوئی.

"استغفر اللہ." ارہاب نے چاول منہ میں لیے اور دہرایا.

"استغفر اللہ "لاؤنج میں قہقہے گونجے اور سب کو اب ارہاب پر پیار آ رہا تھا. مگر اس کا باپ کب کسی کو اس کے پاس آنے دیتا تھا.

یہ انسٹیٹیوٹ کے دوسرے فلور پر واقع کلاس روم تھا. جس میں پندرہ کرسیاں کمرے کی تین دیواروں کے ساتھ ترتیب سے لگی تھیں جبکہ وائٹ بورڈ والی دیوار خالی تھی. تمام کرسیاں بھری ہوئی تھیں اور دائیں طرف دیوار کے ساتھ چار کرسیاں چھوڑ کر حمزہ وی گلے والی میرون ٹی شرٹ پہنے ٹانگ پر ٹانگ جمائے بیٹھا تھا. ڈائس کے پاس ڈاکٹر فہمیدہ لیپ ٹاپ پر جھکی کھڑی تھیں. سیشن شروع ہونے میں پانچ منٹ باقی تھے. ہلکی سرگوشیاں ہو رہی تھیں. مگر وہ یہاں کسی کو نہیں جانتا تھا سو چپ چاپ یہاں بیٹھے لوگوں کا جائزہ لے رہا تھا. پھر کبھی لب کاٹنے لگتا اور کبھی فون نکال کر اپنی اور ارہاب کی صبح لی ہوئی تصویریں دیکھنے لگ جاتا. اس کا کتنا دل تھا کہ ارہاب بھی اس کے ساتھ آ جائے. مگر حیا نے صاف منع کر دیا تھا. جانتی تھی اس کا دھیان سیشن سے زیادہ ارہاب پر رہے گا. چند ماہ مسلسل گھر رہنے سے اسے ارہاب کی زیادہ ہی عادت ہو گئی تھی. تبھی وہ ابھی سے اسے مس کرنا لگا تھا. ابھی بھی وہ تصویریں ہی دیکھ رہا تھا کہ کلاس کی لائٹس بند کر دی گئیں اور وائٹ بورڈ پر پروجیکٹر کی مدد سے لیپ ٹاپ کی اسکرین نظر آنے لگی. لکھا تھا.

"ایموشنل انٹیلیجنس, آئی ٹو سکسیس"

حمزہ نے فون جیب میں ڈالا اور زرا سیدھا ہو کر بیٹھ گیا. ڈاکٹر فہمیدہ کی آنکھیں اب ایک لائن سے دوسری اور پھر دوسری سے تیسری لائن تک کا سفر طے کر رہی تھیں. انہوں نے بات کا آغاز سوال سے کیا.

"میری ایک کزن ہے وہ اکثر شکایت کرتی تھی کہ اس کا خاوند آفس سے آ کر بہت غصہ کرتا ہے, بات بے بات جھگڑتا ہے, چیزوں میں نقص نکالتا ہے. "وہ قدم قدم آگے آنے لگیں.

"پھر پتا چلا کہ دراصل بھائی کا باس بہت غصے والا ہے,وہ کام کا بوجھ بڑھا کر رکھتا ہے اور زرا سی بات پر بہت بے عزت کرتا ہے. وہاں وہ کچھ بول نہیں پاتے. ان کا غصہ پھر گھر آ کر نکالتے ہیں."وہ اب کرسیوں کے بیچ میں کھڑی تھیں.

"اسی طرح اکثر فیس بک پر میٹرک,ایف ایس سی کی لڑکیاں پوسٹ لگاتی ہیں کہ پریکٹیکل کے لیے آئے ایکسٹرنل بد تمیزی کرتے ہیں,بیڈ ٹچ کرتے ہیں,فلرٹ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اگر ہم کچھ بولیں تو فیل کرنے کی دھمکی دیتے ہیں."وہ ایک ایک نظر سب پر ڈال رہی تھیں.

"کوئی بتائے گا یہ کیا وجہ ہے؟کیوں ہم کسی کا غصہ کسی پر نکال دیتے ہیں؟یا کیوں ہمارے یہ محترم اساتذہ اپنی بیٹیوں کی عمر کی لڑکیوں کو اکیلا دیکھ کر بد حواس ہو جاتے ہیں؟"وہ پوچھ رہی تھیں. سب خاموش رہے. تو وہ آگے بولیں. حمزہ نے اکتاہٹ سے ادھر ادھر دیکھا سب روجہ سے سن رہے تھے وہ ہی بے زار تھا دل چاہا فون نکال کر ارہاب کی تصویریں کھول لے مگر یہ کلاس ایتھکس کے خلاف ہوتا تو جھلا کر پیر ہلانا شروع کر دیا.

فہمیدہ نے ایک نظر اس کی ہلتی ٹانگ کو دیکھا اور پھر مڑ کر ڈائس کے پاس چلی گئی.

"سر!ایک ریسرچ کے مطابق ستائیس طرح کے مختلف جزبات ہیں. جن میں غصہ اور پیار سب سے طاقت ور ہیں. اور اگر ان کا صحیح وقت پر اظہار نہ ہو سکے تو یہ بندے کو تباہ کر دیتے ہیں. جو غصہ ضبط کرتا جائے گا,اندر انڈیلتا جائے گا اسے کل ہارٹ اٹیک ہو جائے گا. وہ دل کا مریض بن جائے گا. جو وقت پر اپنی عمر پر پیار نہیں حاصل کر سکے گا وہ پھر چاہے بوڑھا بھی ہو جائے اس کا ٹھرک نہیں جائے گا."اس لفظ پر کمرے میں بیٹھے لڑکے منہ جھکا جھکا کر مسکراہٹ چھپانے لگے مگر دو لوگ سنجیدہ رہے. ایک ڈاکٹر فہمیدہ دوسرا حمزہ. وہ اب بھی اپنی ٹانگ ہلا رہا تھا. اسے یہاں سے نکلنا تھا. گھر جانا تھا. مگر وہ بندھا ہوا تھا. ایک لڑکے نے سوال پوچھنے کو ہاتھ اٹھایا اور حمزہ نے ناگواری سے منہ بنایا. (پتا نہیں کب یہ تیس منٹ ختم ہوں گے)اب وہ لڑکا سوال پوچھ رہا تھا.

"ڈاکٹر فہمیدہ! قرآن میں ہے کہ 'اللہ کو غصہ پی جانے والے لوگ پسند ہیں. مگر آپ کہہ رہی ہیں کہ ہم غصہ نکال دیں؟" اس نے پوچھا اور کئی سر ہلے جیسے وہ بھی اس آیت سے واقف ہوں. ڈاکٹر فہمیدہ مسکرائیں. اس سے پہلے وہ کچھ کہتیں حمزہ کی ہلتی ٹانگ سے وہ ڈسٹریکٹ ہو رہی تھیں تبھی وہ زرا اس کی طرف آئی.

"آپ مسلسل ٹانگ ہلا رہے ہیں. میرا فوکس ڈائیورٹ ہو رہا ہے. کیا کوئی پریشانی ہے آپ کو؟" وہ آرام سے پوچھ رہی تھیں. حمزہ کی ہلتی ٹانگ رکی اور وہ زرا سیدھا ہو کر بیٹھ گیا. سب اس کو ہی دیکھ رہے تھے. اس نے کندھے اچکائے.

"آئی وانٹ ٹو گو ہوم." سب ہنس دیے. جیسے کوئی اسکول کا بچہ ہو وہ جسے جلدی گھر جانا ہے. حمزہ نے ان کی پرواہ نہیں کی اور دوبارہ بولا. "میرا بیٹا ہے گھر پر. میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا. اور میری بیوی نے اسے یہاں آنے نہیں دیا." وہ جنجھلایا ہوا لگ رہا تھا.

ڈاکٹر فہمیدہ نے سینے پر ہاتھ باندھے اور ان کی آنکھوں میں چمک در آئی.

"گریٹ! دس سیشن از فار یو." انگلی اس کی طرف اٹھاتی وہ کلاس کی طرف متوجہ ہوئی. اور حمزہ دوبارہ پیر ہلانے لگ گیا.

"تو ہم بات کر رہے تھے قرآن میں غصہ پی جانے کا حکم ہے. سر! 'پی جانا' اردو کا لفظ ہے. اردو کے الفاظ میں جھول ہو سکتا ہے اس لیے مطلب واضح کرنے کے لیے ہم اسے عربی میں ہی سمجھتے ہیں".

"یہ آیت جس کا آپ نے ذکر کیا, اس میں لفظ ہے کاظمین, جسے ہم نے اردو میں پی جانا کہا. یہ لفظ کاظمت سے نکلا ہے. کاظمت عرب میں اس طریقے کو کہا جاتا ہے جس کے زریعے وہ بھرے ہوئے کنویں کو کاریز (زیر زمین پائپ لائن) کے زریعے خالی کنویں سے جوڑ دیتے تھے." وہ دوبارہ کرسیوں کی بیچ خالی جگہ کی طرف آ رہی تھیں.

"اب یہ جو لفظ ہے کاظمت, یہ جو طریقہ ہے اس کے لیے اردو میں کوئی لفظ نہیں ہے. اس طریقے کو اردو میں کیا کہتے ہیں لغت خاموش ہے. تو کیا کیا ہم نے کہ اس لفظ سے قریب تر لفظ اٹھا کر ترجمے میں رکھ دیا." وہ ہاتھ ہلاتی بولتی جا رہی تھیں.

"اور وہ قریبی لفظ ہے 'پی جانا'. اب ہمیں سکھایا بھی یہ ہی جاتا ہے کہ غصہ آئے تو پی جاؤ, کنٹرول کر لو. اندر رکھ لو. باہر مت نکالنا".

"غصہ بری چیز نہیں ہے کیونکہ اللہ نے یہ جزبات بھی بغیر وجہ نہیں بنائے. واصف علی واصف کہتے ہیں. کم ظرف کا غصہ اسے کھا جاتا ہے اور اعلیٰ ظرف کا غصہ اسے بنا جاتا ہے. مطلب یہ کہ جو کم ظرف ہو گا ناوہ غصے میں جلتا کڑھتا ختم ہو جائے گا اور جو اعلیٰ ظرف ہو گا وہ اس غصے کو فیول کے طور پر استعمال کرے گا. تبھی کچھ لوگ ہوتے ہیں جن کو آپ کہتے ہیں تم نہیں کر سکتے تو وہ غصے میں کر کے دکھا دیتے ہیں"

"غصہ انرجی ہے. نیگٹو انرجی ہے اسے پازیٹو کام پر لگا دیں غصے کو کاظمت میں لگا دیں. اور یہ یوں ہو گا کہ کوئی مقصد ڈھونڈیں زندگی کا کوئی کام ڈھونڈیں اور یہ ساری انرجی وہاں لگا دیں ورنہ جو انرجی مثبت طرف نہیں لگتی وہ پھر ایک دن تباہ کن مواد کی صورت میں آپ کو ختم کر دیتی ہے. آپ کو ندامتیں اٹھانی پڑھ جاتی ہیں" .

"سر! آپکی زندگی میں آ کیا رہا ہے وہ اہم نہیں ہے مگر اس کاری ایکشن آپ کیسا دے رہے ہیں یہ اہم ہے" .

"ہمارے دماغ کا ایک حصہ ہے جسے ایموشنل برین کہتے ہیں, جب ہمارے ساتھ کوئی حادثہ ہوتا ہے تو یہ فوراً کوئی ری ایکشن دینا چاہتا ہے. مثال کے طور پر آپکو کسی نے گالی دی, انفارمیشن ایموشنل برین کو پہنچی اور اس نے فوراً رسپانڈ کیا آپ نے اسے ایک تھپڑ رکھ دیا یا بدلے میں گالی دے دی. اور بات یہیں ختم ہو گئی. اس سے اگلا حصہ ہے ریشنل برین, یہ تب کام کرتا ہے جب آپ ایموشنل برین کو قابو کر لیتے ہیں" .

"اسلام کہتا ہے, جب تمہیں غصہ آئے تو پانی پی لیا کرو, کھڑے ہو تو بیٹھ جایا کرو, بیٹھے ہو تو لیٹ جایا کرو. سر! یہ اس لیے ہے تا کہ آپ کو وقت لگے رسپانڈ کرنے میں. جب آپ فوراً رسپانڈ کرتے ہیں تو وہ جذبات والے حصے سے کرتے ہیں مگر جب آپ تھوڑا رک کر رسپانڈ کرتے ہیں تو ریشنل حصے سے کرتے ہیں. اور بہتر ری ایکشن دیتے ہیں اور اسی کو ہم ای کیو کہتے ہیں" .

"آپ آج جا کر اپنے گھر میں کہیں مجھے فلاں سے محبت ہو گئی ہے آپ کے والد آپ کو رکھ کر تھپڑ دیں گے اور والدہ دہائیاں دیں گی کہ میری ہی تربیت میں کمی رہ گئی. بھئی کوئی ان اللہ لوکوں کو بتائے کہ یہ جزبات ہیں. ان کو سمجھنے کی ضرورت ہے. غصہ, پیار, محبت, حزن ان کو کنٹرول نہیں کرنا مینج کرنا ہے" .

"ہمیں ایموشنل مینجمنٹ کا نہیں پتا. ہم نفرت کرتے ہیں بے پناہ کرتے ہیں, محبت کرتے ہیں بے پناہ کرتے ہیں."

وہ اب حمزہ کو دیکھ رہی تھی.

"اپنے جزبات کو مینج کرنا سیکھیں" .

"امریکہ کی ریسرچ ہے کہ انسان کی کامیابی میں پندرہ فیصد کردار آئی کیو کا اور پچاسی فیصد کردار ای کیو کا ہے. مگر ہم پھر بھی اس پندرہ فیصد پر ہی زور دے کر رکھتے ہیں. یاد کر لو, رٹا لگا لو, یاد کر لو. مگر یاد رکھیں بل گیٹس وہ ہی بنتا ہے جس کا ای کیو ہے. اور ای کیو والے ہی آئی کیو والوں کو لیڈ کر رہے ہوتے ہیں.

"ہر رشتے کو ایک جگہ دیں اور اس میں ہی رکھیں. ڈونٹ ٹیک اینی ریلیشن فار گرانٹڈ. کیونکہ جب ہم کسی چیز کو گرانٹڈ لیتے ہیں نا اللہ پھر حقیقت دکھا دیتا ہے, آپکو یا ان کو آپ سے دور کر دیتا ہے. اور پھر بہت تکلیف ہوتی ہے."

حمزہ کی ہلتی ٹانگ رک گئی. تو کیا اسنے اپنے رشتے گرانٹڈ لے لیے تھے؟ ہاں! اسے لگتا تھا بھلا وہ لوگ کہاں جائیں گے اسے چھوڑ کر. وہ یہ ہی سوچتا تھا کہ جب فارغ ہو کر گھر جاؤں گا تو رانیہ کے سارے شکوے ختم کر دوں گا. وہ آگے بول رہی تھی.

"لوگوں کو پیار دیں, پر اتنا نہ دیں کہ وہ آپ پر منحصر ہی ہو جائیں. اتنا مت کریں کہ اگر آپ کو کبھی ان سے دور ہونا پڑے تو آپ زندہ ہی نہ رہ سکیں." حمزہ کے گلے میں گلٹی ڈوب کر ابھری. ارہاب کے بغیر اسے چند منٹ بھی قیامت لگتے تھے. اانے ٹانگ سے ٹانگ اتار دی.

"یا آپ نہ ہوں تو وہ تکلیف برداشت نہ کر سکیں. کنٹرول مت کریں, جزبات دبائیں مت ان کو مینج کرنا سیکھیں. پیار کریں, غصہ کریں مگر ایک حد میں آجائیں. ورنہ یہ دونوں جذبات تباہ کن نتیجہ دیتے ہیں. نپولین کو غصہ آیا تو کہتا جنگ لڑو. ہزاروں لوگ مر گئے. پیار کرتے ہیں تو اتنا کہ دوسرا بندہ قید محسوس کرنے لگ جاتا ہے" .

"اور جب تک آپ اپنے جذبات نہیں سمجھیں گے آپ دوسروں کے جذبات بھی نہیں سمجھ سکتے. کیا آپ بتا سکتے ہیں آپ آخری وقت اس طرح کیسے ہنسے تھے کہ ٹائیم اینڈ اسپیس سے بے نیاز ہو گئے ہوں؟" انہوں نے ایک نظر کلاس میں گھمائی.

"ایک گھنٹہ پہلے." کسی نے کہا.

"پچھلے ہفتے." ایک اور جواب آیا.

دو چار کے علاوہ سب چپ تھے. وہ حمزہ کی طرف مڑی.

"آپ ایسے کب ہنسے تھے؟" وہ متذبذب سا اسے دیکھنے لگا. کیا کہتا یاد ہی نہیں آرہا تھا. اس کی تو ہنسی بھی کھو کھلی ہوتی تھی. تو محض شانے اچکائے. وہ مسکرائیں.

"چلو پھر آج لافٹر تھراپی کرتے ہیں." وہ روسٹرم کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی.

"ہنسیں." وہ کہہ رہی تھی. سب مسکرا کر نظروں کا تبادلہ کر رہے تھے.

"چلیں چلیں ہنسیں سب. کچھ بھی سوچیں اور ہنسیں." وہ ابھار رہی تھی. ایک لڑکے نے نقلی ہنسی ہنسنا شروع کیا. مسکراہٹیں گہری ہو گئیں.

"ہنسیں ہنسیں." اور آوازیں بھی مل گئیں. حمزہ یوں ہی بیٹھا رہا. (پاگل ہوں میں کیا؟) ڈاکٹر فہمیدہ نے ہاتھ اٹھا کر اسے بھی ہنسنے کا اشارہ کیا تو منہ بناتا وہ ہنسا. ہنستا گیا. اور پھر یک دم نقلی ہنسی اصل ہنسی میں بدل گئی. سب ہنس رہے تھے. ہنستے جا رہے تھے اور آخر میں ڈاکٹر فہمیدہ بھی ضبط نہیں کر پائیں اور وہ خود بھی ہنسنے لگیں.

سیشن ختم ہو گیا وہ کتنی دیر وقفے وقفے سے گزرے لمحوں کا سوچ کر ہنستے رہے.

اور پھر اس سیشن کا کمال یہ ہوا کہ اب حمزہ ہر وقت ارہاب کو اٹھا کر نہیں رکھتا تھا. گھر کے دوسرے افراد کو بھی ارہاب کو اٹھانے اور پیار کرنے کا حق مل گیا تھا. مشکل رہا تھا مگر جب لائف پارٹنر ہر قدم آپ کا ساتھ دے تو مشکلیں حل ہوتی چلی جاتی ہیں. وہ بھی حمزہ کو اپنے کاموں کے سلسلے میں مصروف رکھے رکھتی تھی. اور حمزہ نے اپنے پیار کو مینج کرنا سیکھ لیا تھا. ارہاب کو اپنے پروں کے نیچے سے نکال دیا تھا.

****

اسلام آباد میں واقع اس بنگلے کے گیٹ پر لگی تختی پر دو نام لکھے تھے. ڈاکٹر ہارون اور حمزہ فیاض بیگ !

گیٹ کے بائں طرف کھڑکی تھی جس میں سیکیورٹی گارڈ بیٹھا نظر آتا تھا. اندر جاؤ تو ایک طرف گیراج اور دوسری طرف لان تھا. اور سامنے اندر کو کھلتا لکڑی کا خوبصورت دروازہ.

لاؤنج میں کافی کی مہک پھیلی ہوئی تھی اور فرائی انڈوں کی خوشبو اس میں رچے جا رہی تھی. اتوار تھا تو مسٹر اینڈ مسز ہارون فرصت سے سو رہے تھے. ناشتہ شیری کے لیے بن رہا تھا. اسے دو گھنٹے بعد لاہور کے لیے نکلنا تھا. صوفے پر وہ اور ارہاب بیٹھے باتیں کر رہے تھے. ارہاب کو اس کی کمپنی پسند آ رہی تھی تبھی وقفے وقفے بعد اس کے کھکھلانے کی آواز آتی. بیرونی دروازہ کھلا اور ٹریک سوٹ میں ملبوس حمزہ اندر داخل ہوا.

ارہاب کی آنکھوں میں چمک در آئی.

"بابا. بابا." وہ صوفے سے ہی بازو پھیلا کر حمزہ کی طرف دیکھنے لگا. حمزہ اسے دیکھ کر مسکراتا اس کے پاس آیا. "بابا آئی مش یو." وہ ہونٹ نکالے بیٹھا تھا. حمزہ نے اس کے بالوں میں ہاتھ مارا. "میں شاور لے کر آتا ہوں, آپ شیری چاچو کے ساتھ باتیں کرو." وہ اٹھ کر کمرے میں چلا گیا اور ارہاب شیری کی طرف مڑ گیا جو اب اس کے کان میں کچھ کہہ رہا تھا. پانچ منٹ بعد گیلے بالوں کو ہاتھ سے جھاڑتا وہ باہر آیا. تو ارہاب اس کی طرف لپکا. حمزہ نے اسے گود میں اٹھا لیا.

"رک جاتے تم, ایک دو دن اور." حمزہ شیری سے مخاطب تھا. ارہاب اس کے بالوں پر ہاتھ مار کر خوش ہو رہا تھا.

"بھائی سمایا اکیلی ہے وہاں. پھر بزنس بھی دیکھنا ہے." وہ اداس لگ رہا تھا. اچانک ہی حمزہ اسلام آباد آ گیا تھا اور وہاں گھر پر سمایا اور شیری اکیلے رہ گئے تھے. حمزہ تو ان کو بھی ساتھ آنے کا کہتا رہا مگر اپنے بزنس کی وجہ سے وہ یہ شفٹ نہیں کر سکے تھے. حمزہ نے سر ہلایا. تبھی لینڈ لائن بجی. اور وہ میز پر پڑے فون پر جھکا.

"سر آپ سے ملنے کوئی نور بخش آیا ہے. کہتا ہے بہت ضروری کام ہے آپ سے." گارڈ تفصیلات بتا رہا تھا. ارہاب کو خود سے الگ کرتے اس نے دماغ پر زور دیا اس نے یہ نام کہیں سنا تھا پھر کریڈل رکھنے سے پہلے اس نے کہا." ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ میں آتا ہوں." ساتھ ہی کھڑا گیا. اور اندرونی راہداری سے ہوتا ڈرائنگ روم میں آ گیا جہاں ایک بزرگ سا آدمی پہلے ہی بیٹھا تھا. اس کی کمر تقریباً جھکی ہوئی تھی. جسم کمزور سا تھا, چہرے پر بے پناہ جھریاں تھیں. حمزہ کو دیکھتے ہی وہ کھڑا ہو گیا. اور آگے بڑھ کر ہاتھ تھاما. دونوں اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے تو آدمی بولا.

"صاب بڑی دور سے امید لے کر آپ کے پاس آیا ہوں." وہ بولا تو آواز لرز رہی تھی. حمزہ ٹانگ پر ٹانگ جمائے بغور اسے سن رہا تھا.

"میری سترہ سال کی بچی کے ساتھ کسی نے.." اس نے سر جھکا دیا. بوڑھی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے. حمزہ مضطرب سا سیدھا ہوا. ٹانگ سے ٹانگ اتاری.

"چھوڑ دو یہ بات. آگے بولو." وہ شاید سمجھ گیا تھا تبھی اگلے مدعے پر جانے کو کہا. مگر بوڑھے آدمی نے اپنی بات مکمل کی. "اس کے ساتھ زیادتی کر کے وڈیو نیٹ پر چڑھا دی ہے." آواز کی لرزش اور نمایاں ہونے لگی, سر اور جھک گیا. حمزہ کا اضطراب اور بڑھ گیا.

"تھانے رپورٹ کروائی؟" حمزہ کے دماغ میں یہ ہی خیال آیا تو اس نے فوراً اثبات میں سر ہلایا. "پر صاب وہ آدمی بڑا طاقت ور ہے. کوئی اس کے خلاف ایکشن نہیں لیتا سب نام سن کر ہی ڈر جاتے ہیں." وہ کہہ رہا تھا اور حمزہ بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا.

"کہاں سے آئے ہو؟" وہ ابتدائی تفتیش کرنے لگا .

"جی میں لور سے آیا ہوں." آدمی نے پنجابی لہجے میں بتایا اور حمزہ کا ماتھا ٹھنکا. "تو آپ اسلام آباد...؟ اس کا جملہ ادھورا رہ گیا اور آدمی جھٹ سے بولا.

"صاب مجھے کسی نے بتایا کہ آپ میری مدد کر سکتے ہیں." وہ امید سے اسے دیکھ رہا تھا. "حمزہ نے نفی میں گردن ہلائی اور کھڑا ہو گیا. "میں پولیس کی نوکری چھوڑ چکا ہوں. آپ اپنے علاقے کے تھانے والوں سے مدد...." آدمی نے اسے بات مکمل نہیں کرنے دی اور جھٹ کھڑا ہو گیا.

"مہربانی کرو صاب. بڑی امید لے کر آیا ہوں. کوئی میری مدد نہیں کر تا میری بچی پاگل ہو جائے گی. خدا کے واسطے میری مدد کر دو." وہ ہاتھ جوڑ رہا تھا.

حمزہ نے نفی میں سر ہلاتے, ہاتھ اٹھا کر کچھ کہنا چاہا مگر وہ بولتا گیا.

"میں اس سے وعدہ کر کے آیا ہوں. اس کی حفاظت نہیں کر سکا. کمزور ہوں صاب. ایسے بڑے ہاتھیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا پر اپنی بچی کو انصاف تو دلا سکتا ہوں. آپ کو جتنے پیسے چاہئیے میں دینے کو تیار ہوں. میں" ..

اس نے دونوں جیبوں میں ہاتھ ڈالے۔ "میں کچھ پیسے لایا ہوں۔ اپنی ساری جمع پونجی لے آیا ہوں۔" اب وہ جیب سے مڑے تڑے دس، بیس، پچاس، سو کے نوٹ میز پر رکھ رہا تھا۔ حمزہ کو سمجھ ہی نہیں آیا وہ کیا ردعمل دے۔ اس کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ اس سسٹم کا اب حصہ نہیں تھا کم از کم اپنی طرف سے تو نہیں۔

حمزہ اس کی طرف آیا اور اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھا۔

"بابا جی میں پولیس کی نوکری چھوڑ چکا ہوں۔ میرے ہاتھ میں کچھ نہیں ہے۔ مجھے حیرت ہے آپ اتنی دور میرے پاس کیوں آئے ہیں۔ کس نے بھیجا ہے آپ کو؟" وہ آرام سے پوچھ رہا تھا۔ بزرگ کی آنکھوں سے آنسو لڑھک رہے تھے۔

"میں بڑی امید سے آیا ہوں صاب۔ اس کڑی نے کہا تھا کہ آپ میری مدد ضرور کرو گے۔" حمزہ نے ابرو اٹھائی۔ کون لڑکی؟ مگر پوچھا نہیں۔ پوچھنے کا حال ہی نہیں تھا۔ پھر وہ نفی میں سر ہلاتے مڑنے لگا مگر اس سے پہلے وہ آدمی اس کے پیروں میں تھا۔

"ارے۔" وہ اسے کندھوں سے پکڑ کر اٹھانا چاہتا تھا مگر وہ نہیں اٹھا۔

"۔ خدا کا واسطہ ہے صاب۔ خدا کا واسطہ ہے۔ میں اپنی زمین بیچ دوں گا۔ میری بچی کو انصاف دلا دو۔ میں اس کے جہیز کا ایک ایک سامان بیچ کر پیسے دے دوں گا۔ بڑی امید لے کر آیا ہوں۔ میری بچی مر جائے گی۔ میں برا باپ نہیں بننا چاہتا۔ صاب میری بچی مر جائے گی۔ صاب تمہاری بھی تو کوئی بیٹی ہو گی، بہن ہو گی۔ صاب خدا کے لیے میری بچی کو بچا لو۔" وہ روئے جا رہا تھا بولے جا رہا تھا۔ حمزہ لب کاٹ رہا تھا ساتھ اسے اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر باپ کی محبت اپنے جسم کی طرح کمزور نہیں تھی۔ وہ نہیں اٹھا۔ منتیں کرتا رہا۔ گڑگڑاتا رہا۔ حمزہ کا سر اب درد کرنے لگا تھا۔ جس ادارے سے بھاگ رہا تھا وہ اس کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔

"میں اپنے دوست سے بات کروں گا. وہ آپ کا مسئلہ حل کر دے گا" وہ بمشکل کہہ پایا. بوڑھے آدمی نے سر اٹھایا. حمزہ نے اس سے نظریں نہیں ملائی. کس سے بات کرے گا؟ علی اور فریحہ سے؟ اتنے سالوں میں تھانے میں کئی تبدیلیاں ہو چکی تھیں. علی گجرات اور فریحہ جھنگ تعینات تھی. مگر وہ بس تسلی دے رہا تھا. جھوٹی تسلی. بزرگ آدمی کھڑا ہو گیا. تشکر بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگا.

"بہت شکریہ صاب. بہت شکریہ. اللہ تمہیں بہت عزت دے. تم بہت ترقی کرو. تمہارے بچے کبھی کسی تکلیف میں نہ پڑیں صاب. اللہ ان کی حفاظت کرے." وہ اس کے ہاتھ چوم رہا تھا., دعائیں دے رہا تھا. حمزہ کا دل چاہا وہ چیخے. کیا بے بسی تھی. جھوٹی تسلیاں اس بوڑھے باپ کے ساتھ باندھ رہا تھا وہ. حلق تک کڑوا تھا. گلے میں کچھ اٹک گیا تھا. وہ محض سر ہلا سکا. وہ اس آدمی کے لیے کچھ نہیں کر سکتا تھا.

آدمی جانے کو مڑا دروازے تک پہنچا تو بمشکل حمزہ کہہ پایا. "یہ اٹھا لیں." اشارہ میز پر رکھے مڑے تڑے نوٹوں کی طرف تھا جس میں اس نے ابھی چند نوٹ جیب سے نکال کر مروڑ تروڑ کر ڈال دیے تھے. اب کسی طرح تو اپنے آپ کو تسلی دینی تھی. وہ بھی خود کو مطمئن کرنے کے لیے یہ کر گیا تھا. آدمی نوٹ جیب میں ڈال کر باہر نکل گیا. جاتے ہوئے بھی اس کی زبان پر ہزار دعائیں تھی اور اب واقعی اس کا سر درد سے پھٹنے لگا تھا. وہ ڈرائنگ روم سے باہر نکلا. راہداری عبور کرتے لاؤنج میں آیا سب کھانے کی میز پر موجود تھے. اسے دیکھ کر ردابہ نے اسے آواز لگائی.

"کون تھا." وہ رکا. حلق سے آواز نکالنا محال تھا. نظر ارہاب پر پڑی جو حیا کی گود میں بیٹھا جوس پی رہا تھا. "صاب تمہاری بچے کبھی کسی تکلیف میں نہ پڑیں. اللہ ان کی حفاظت کرے." الفاظ گونج گونج کر آرہے تھے. ایک باپ کی محبت کا مزاق بنا آیا تھا وہ. جھوٹی تسلیاں دے آیا تھا. مگر وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا, وہ پولیس کا حصہ نہیں تھا. یہ تسلی سکون بخش تھی. گہرا سانس خارج کرتے وہ میز کی طرف آیا سب اسے دیکھ رہے تھے. اس کا رنگ متغیر تھا.

"کوئی تھا غلط جگہ آ گیا تھا۔" وہ خود کلامی سی کے انداز میں بولا۔ جھک کر حیا کی گود میں بیٹھے ارہاب کا گال چوما اور اپنے کمرے میں جا کر دروازہ بند کر دیا۔ اس کی پریشانی حیا سے کب چھپنی تھی۔ وہ ارہاب کو ناشتہ کروانے لگی۔ اور پھر سب کے اٹھنے کے بعد برتن سمیٹ کر کچن میں رکھ دیے۔ باقی کام اب عشرت کا تھا جو اتوار کو دیر سے ہی آتی تھی۔
وہ کمرے میں آئی تو حمزہ اسٹڈی ٹیبل کے سامنے پڑی کرسی پر بیٹھا لیپ ٹاپ پر سر جھکائے بیٹھا تھا۔ حیا نے پیچھے سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ چونک کر مڑا اور ساتھ ہی ایک ہاتھ نے لیپ ٹاپ کی اسکرین گرا دی۔

"م۔ میں جاب کے لیے اشتہار دیکھ رہا تھا۔" وہ صاف جھوٹ بول گیا۔

"ہاں دیکھ لو۔ میں تم سے پوچھنے آئی تھی کہ شیری ارہاب کو لے جانا چاہتا ہے تو بھیج دوں؟" اس نے عام سے انداز میں پوچھا اور حمزہ کرنٹ کھا کر کرسی سے اٹھا۔ "بالکل نہیں۔ ہم کبھی لاہور نہیں جائیں گے۔" باپ کا دل فوراً کسی نے مٹھی میں بھینچ لیا۔

" دو دن کی بات ہے حمزہ! سمایا کو اچھا لگے گا۔ ان کے کون سا اپنے بچے ہیں ابھی۔" وہ دو قدم اس کی طرف آئی اور بغور اس کے چہرے کو دیکھا۔ کچھ تھا جو وہ چھپا رہا تھا۔ "نہیں۔" وہ دوٹوک سا بولتے دوبارہ اسٹڈی کی طرف مڑا۔ "نہیں ہیں تو کر لیں۔" وہ جل کر بولا۔ ارہاب کو لاہور بھیجنے کا خیال ہی بھیانک تھا۔

وہ اب اس کے سر پر کھڑی بول رہی تھی۔ "حمزہ یہ خدا کے فیصلے ہوتے ہیں۔ اللہ نے ان کے لیے بہتر وقت سوچ رکھا ہے۔ یوں کسی کو کہنا تکلیف دیتا ہے۔" حمزہ خود اس انتظار کی تکلیف سے گزرا تھا مگر اس وقت تکلیف کچھ اور تھی۔ "حیا پلیز! آئی وانٹ ٹو بی الان فار سم ٹائم۔" حیا نے گہرا سانس لیا اور سر ہلاتی دروازے کی طرف آئی تبھی اس نے حمزہ کو کہتے سنا۔ "شیری سے کہو سمایا کو یہاں لے آئے کچھ دنوں کے لیے۔" وہ دروازہ بند کر کے نکل گئی۔ اور وہ پیچھے دوبارہ لیپ ٹاپ کھول کر بیٹھ گیا۔ اسکرین پر چند دن پہلے کا نیوز پیپر کھلا پڑا تھا جس کی سرخی تھی۔

"لاہور: سترہ سالہ انسیہ کی وڈیوز زیادتی کے بعد سوشل میڈیا پر وائرل۔ باپ انصاف کے لیے دربدر" !

****

شیری لاہور آ گیا تھا. اور آتے ہی اپنے آفس گیا تھا جہاں سمایا بھی موجود تھی. وہ اسے ارہاب کی شرارتوں کے بارے میں بتا رہا تھا, تصویریں دکھا رہا تھا اور وہ اس سے حیا اور حمزہ کی خیریت دریافت کر رہی تھی. جامنی فراک پر شفون کا جامنی دوپٹہ گلے سے لگائے ہلکے جامنی میک اپ کے ساتھ وہ اچھی لگ رہی تھی. سربراہی کرسی پر وہ بیٹھی تھی اور سامنے شیری. یہ سمایا کا آفس تھا.

"تم کہہ رہے تھے ارہاب کو لے آؤ گے." اس نے سرسری سا پوچھا تو شیری نے آگے ہو کر اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا.

"تمہیں پتا ہے حمزہ بھائی لاہور کے نام سے ہی اپنی فیملی کو دور رکھتے ہیں. تو میں نے فورس نہیں کیا. پر وہ کہہ رہے تھے کہ تمہیں لے آؤں کچھ دن کے لیے." وہ مسکرائی اور اثبات میں سر ہلایا.

"بھابھی کی بھی کال آئی تھی." سمایا اسے بتانے لگی. "کہہ رہی تھیں کہ جلد وہ حمزہ اور ارہاب کے ساتھ لاہور آئیں گی. ان کا کوئی سیشن ہے." شیری نے شانے اچکائے.

"ان کے آنے سے بہت کچھ بدلا ہے. اینڈ آئی ایم شیور اگر وہ کہہ رہی ہیں تو حمزہ بھائی ضرور آئیں گے. مگر کم از کم بھابھی اور ارہاب کو اکیلے نہیں بھیجیں گئے." وہ حمزہ کی ان سیکیورٹی جانتا تھا تبھی یقین سے بولا اور سمایا نے سر ہلایا.

حیا نے اسے اب تک ایموشنلی سپورٹ کیے رکھا تھا. وہ اس کی جیٹھانی سے زیادہ بڑی بہن بنی رہی تھی. "کیا سوچ رہی ہو." منی فریج سے پانی کی بوتل نکال کر وہ دوبارہ کرسی پر آ کر بیٹھ گیا.

"حیا بھابھی میں کچھ تو ہے شیری, جو وہ لوگوں کے دل میں جگہ بنا لیتی ہیں." وہ دونوں بازو میز پر رکھتے بولی تو شیری نے اثبات میں سر ہلایا.

"یو نو. جب میں شادی کر کے آئی تھی تو جب سب کمرے سے چلے گئے تو انہوں نے مجھ سے کہا تھا.

آفس شیری کے کمرے میں بدل گیا.

عروسی جوڑے میں ملبوس وہ بیڈ پر بیٹھی تھی. ابھی سب اٹھ کر گئے تھے اور اب وہ اور حیا کمرے میں اکیلی تھیں.

حیا اس کے سامنے بیڈ پر بیٹھی کہہ رہی تھی.

"سمایا پہلے تم میری دوست تھی اور اب دیورانی بھی ہو. سسرال کے رشتے تھوڑے نازک ہوتے ہیں کہ زرا سی بات ہی دوری لے آتی ہے. تو پہلی بات کہ تم مجھے حیا یا بھابھی جو کہنا چاہو کہہ کر بلا سکتی ہو. حمزہ پہلے ہی تمہیں کہہ چکا کہ شیری کی طرح تم اسے حمزہ بھائی بلاؤ. اور دوسری بات." وہ سانس لینے کو رکی سمایا اسے ہی دیکھ رہی تھی.

"دوسری بات یہ کہ." اس نے سمایا کا ایک ہاتھ پکڑا.

" کبھی تمہیں لگے میں تنہارے ساتھ جان, انجانے میں کوئی زیادتی کر رہی ہوں تو شیری سے کہنے کے بجائے یا دل میں رکھنے کے بجائے تم میرے پاس آسکتی ہو. آئی ول لو ٹو لسن یور شکایتیں." انگریزی جملے میں ایک لفظ اردو کا بول کر وہ ہنسی اور سمایا بھی مسکرائی.

"تو میری پیاری دیورانی صاحبہ ہر رشتے میں بہتر یہ ہی ہوتا ہے کہ جب کوئی بات دل میں آجائے تو فوراً متعلقہ بندے سے کلئیر کر لی جائے. ہو سکتا ہے کہنے والے نے کسی اور طرح کہی ہو, تو اگر رشتے بچانا چاہو تو جلد از جلد بات کر لی جائے. ناراضگی میں کمیونیکیشن کبھی ختم نہ کی جائے. بات کرنے سے ہی مسئلے حل ہوتے ہیں. کیا سمجھی؟" وہ فرینک ہو کر کہہ رہی تھی اور سمایا سر ہلاتی مسکرائی. "ضرور" .

شیری نے مسکرا کر سر ہلایا. وہ دوبارہ اپنے آفس میں تھے. "حیا بھابھی کو انسانی نفسیات سمجھنا آتی ہے. وہ نہ فوراً فیصلہ سناتی ہیں, نہ فوراً جج کرتی ہیں." وہ کہہ رہی تھی. تبھی سمایا کا فون بجا.

حیا بھابھی کالنگ.

اسکرین شیری کی طرف گھماتے اس نے فون کان سے لگایا. "اسلام علیکم"

"وعلیکم اسلام "ٹی وی کی آواز بند کرتے حیا کہہ رہی تھی. "کیسی ہو پیاری لڑکی " .

"پہلے اداس تھی اب میرا شوہر آگیا ہے تو ٹھیک ہوں. "وہ ہنسی. شیری نے اسے اشارہ کیا کہ فون اسپیکر پر ڈالے. سمایا نے فون اسپیکر پر ڈال کر میز پر رکھا.

"بھابھی! ارہاب نے آپ کو کچھ بتایا؟" مسکراہٹ دباتے وہ پوچھ رہا تھا. سمایا نے اشارہ کر کے ہوچھ کس بارے. تبھی حیا کی آواز آئی .

"کیا بتانا تھا. "وہ ہنسا .

"اونہوں. اونہوں کچھ نہیں. "اب فون پر ارہاب بول رہا تھا .

"چاچو. آئی ول کم. "سمایا فون پر جھکی .

"ہاب چچی کو بھول گئے ہونا " .

"چچی. آئی مِش یو. "ایک نظر ماں کو دیکھ کر وہ شرما گیا. اور سمایا کی مسکراہٹ گہری ہوئی .

"کب آؤ گے چچی کے پاس. "حیا نے اسے بتایا تو وہ جھٹ بولا. "ماماشاتھ آؤں گا " .

پھر کچھ سوچ کر بولا. "آپ بے بی شِشٹر کب لاؤ گی؟" ایک دم سب کی مسکراہٹ سمٹ گئی. حیا نے ہاتھ سے اسے اشارہ کیا. (کیا بول رہے ہو؟) تو وہ آگے بولا .

"چاچو واز سیئنگ. بے بی شِشٹر آئے گی. "شیری نے سر ہاتھ میں گرا یا. سمایا مسکرائی.

"اوئے! میں نے کہا تھا اپنے بابا سے کہنا. "حیا کو سمجھ آگیا تھا وہ کچھ دیر پہلے کیا ہوچھ رہا تھا تبھی ارہاب سے فون لیتے ڈانٹتے ہوئے بولی.

"شیری تم بعض آجاؤ. "شیری نے بالوں میں ہاتھ پھیرا .

سمایا اسے الگ غصہ ہو رہی تھی, حیا الگ اسے سمجھا رہی تھی. پھر وہ ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے اور فون بند ہو گیا.

شیری اور سمایا کو یہیں آفس میں چھوڑ کر اسلام آباد حمزہ کے کمرے میں آ جاؤ. وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے فون کان سے لگائے بیٹھا تھا.

"علی کچھ کر یار. وہاں ایس ایچ او کو کال کر. اسے کہہ اس کیس کو دیکھے." وہ مضطرب سا بول رہا تھا. دوسری طرف کی بات سن کر وہ دوبارہ بولا.

"یار کسی اور سے کہہ دے, فریحہ سے کہہ کسی سے بات کرے. وہ بیچارا دھکے کھاتا پھر رہا ہے. میں اس سے کہہ چکا ہوں کہ مدد کروں گا" .

"حمزہ یوں کچھ نہیں ہو سکتا. وہ تھانیدار تیری جگہ آیا ہے. اور اس کے پیچھے بڑے لوگ ہیں. وہ کیوں ہماری بات سنے گا؟" حمزہ چپ رہا. کیا کرے وہ. تبھی علی دوبارہ آواز ابھری. "ایک کام ہو سکتا ہے. اگر تو واقعی سیریس ہے اس کیس کو لے کر. "حمزہ جھٹ سے بولا.

"تو بتا یار. کچھ کر. " وہ اس بوجھ کو خود سے جلد از جلد اتارنا چاہتا تھا. وہ اس پریشانی میں زیادہ ہی چڑچڑا ہوتا جا رہا تھا.

"تو خود آجا. " وہ چپ ہوا پھر دوبارہ بولا.

"اپنی ریزگنیشن واپس لے لے. فوراً تجھے تیری سیٹ پر بحال کر دیا جائے گا. پھر جیسے مرضی کیس دیکھ" .

"سیدھی طرح کہہ کہ تو کچھ نہیں کر سکتا. " وہ جل کر بولا اور فون بند کر دیا. جب سے وہ آدمی گیا تھا حمزہ مضطرب بے انتہا مضطرب تھا. ایک باپ کے اپنی اولاد کے لیے آنسو تھے جو دوسرے باپ کو اپنے دل پر گرتے محسوس ہو رہے تھے. "کیا بکواس ہے. " وہ بڑبڑاتا آنکھیں موند کر لیٹ گیا.

****

نئ صبح وہ ہی بے زاری لے کر طلوع ہوئی تھی. وہ بستر سے نکلنے کو تیار ہی نہیں تھا. ارہاب بار بار کمرے کا چکر لگا رہا تھا اور اب بھی وہ اسکی کمر پر بیٹھا تھا.

"بابا. بابا. ماماز... کالنگ یو " .

"سیڈ ہر آئی ایم ناٹ فیلنگ گڈ. "وہ بند آنکھوں سے بولا. اور ارہاب پریشانی سے اسے دیکھنے لگا. پر جھک کر اس کے ماتھے کو چھوا. " آپکو. آپکو. خار ہے ؟"حمزہ نے آنکھیں کھولی ارہاب اس کے منہ پر جھکا ہوا تھا. حمزہ اسے پکڑ تا ہوا سیدھا ہوا اور اسے اپنے پیٹ پر بٹھایا.

"بابا اداس ہیں. "اس کے ہاتھ میں اپنی انگلی پکڑاتے وہ واقعی اداس, پرءشان نظر آ رہا تھا .

"ماما کہتی ہیں. کہ کہ جب اداش ہوتے ہیں تو تو.. "اسے بات بھول گئی. تو معصومیت سے باپ کو دیکھا. "آئی فار گیٹ. "حمزہ مسکرایا. اور اسے خود پر جھکاتے گال چوما. ارہاب کو گود میں لے کر انگڑائی لیتا باہر نکلا. حیا کچن میں تھی. وہ ٹی وی آن کر کے بیٹھ گیا.

"ہم آپکو یہ خبر دے رہے ہیں لاہور سے جہاں انسیہ زیادتی کیس میں بڑی پیش رفت ہوئی ہے. انسیہ کے باپ کی طرف سے ایک بڑی سیاسی ہستی کا نام لیا جا رہا ہے. "حمزہ کا ماتھا ٹھنکا. سیاسی ہستی. ماتھے پر تیوریاں در آئی. اب نیوز کاسٹر بار بار دہرا رہی تھی.

"بڑی پیش رفت. انسیہ زیادتی کیس. سیاسی ہستی" .

اس نے ناگواری سے ٹی وی بند کر دیا. اس دن کے بعد اس نے دوبارہ اس نیوز کو فالو نہیں کیا تھا. وہ بے چین ہو جاتا تھا اوپر سے علی کی بات. سب دماغ میں گچ مچ ہو رہا تھا. نیوز پیپر, نیوز چینل سب کو وہ نظر انداز کر رہا تھا مگر اپنے اندر سے آتی آواز بہت بلند تھی. اور یہ ہی اس کی بے سکونی تھی. وہ اتنا خود غرض کب بن گیا تھا؟

"کیا بات ہے جناب۔ آج کل آپ کچھ زیادہ نہیں سو رہے۔" کافی کا مگ اسے پکڑاتی وہ وہیں بیٹھ گئی۔ "بابا از اپ سیٹ۔" ارہاب ماں کی گود میں چڑھتا بولا۔ تو حیا نے اس کے گرد بازو باندھے۔ "تو کیا آپ نے بابا کو نہیں بتایا کہ پریشان ہونے کے بجائے وہ اپنے دل کی سنیں؟" حیا اس کے بال سہلا رہی تھی۔ حمزہ نے مگ ہونٹوں سے لگایا۔ "جب زندگی میں کوئی فیصلہ کرنا ہو تو جو دل کہے اسے ایک بار ٹرائی ضرور کرنا چاہئیے۔" وہ ارہاب سے کہہ رہی تھی مگر الفاظ حمزہ کے لیے تھے۔ ارہاب نے باپ کو دیکھا۔ اور ماں کی گود میں اچھلا۔

"بابا دل کی شنو۔" اسے خود ماں کی بات سمجھ نہیں آئی تھی مگر باپ کو ماں کے الفاظ پہنچا دیے۔ حمزہ اداسی سے مسکراتا اس کے گال پر جھکا۔ چوما اور سیدھا ہوا۔

"اپنی ماما سے کہو میں نے دل کی سن لی۔ وہ میرے کپڑے نکال دیں۔ میں لاہور جا رہا ہوں۔" اس نے 'لاہور' کے نام پر حیا کو دیکھا جو اب مسکرا کر اسے دیکھ رہی تھی۔ ارہاب کو حمزہ کی گود میں بٹھاتے وہ خود کھڑی ہو گئی۔

"اللہ تمہارے لیے آسانی کرے گا حمزہ۔" وہ کمرے کی جانب بڑھی اور حمزہ نے اس کے الفاظ دہرائے۔ سکون اسے اپنے اندر اترتا محسوس ہوا۔ الفاظ میں بھی کتنی تاثیر ہوتی ہے نا۔ دوسرے انسان کی آدھی پریشانی ختم ہو جاتی ہے۔ حیا اس کے کپڑے استری کرنے لگ گئی۔ اور وہ فون پر نمبر ملا کر بات کرنے لگا۔ یکایک ڈور بیل بجی تو فون کان اور کندھے کے بیچ رکھے، ارہاب کو اٹھائے اس نے دروازہ کھولا۔ سامنے گارڈ کھڑا تھا۔ اس میں ہاتھ میں ایک خوبصورت لفافہ تھا۔ لفافہ اس نے حمزہ کے ہاتھ میں تھمایا اور واپس مڑ گیا حمزہ نے فون ہر اللہ حافظ کہا اور اسے جیل میں اڑیستہ اندر آ گیا ارہاب کو نیچے اتار کر وہ لفافہ کھول کر دیکھنے لگ گیا۔ اندر اینویلپ کی طرح کا ہی خوبصورت فولڈر تھا۔ وہ اب فولڈر کھول کر پڑھ رہا تھا۔ آنکھیں حیرت اور بے یقینی سے چمکی اور اس نے وہیں سے حیا کو آواز دی۔

"حیا۔ حیا۔" حیا سوالیہ نظروں سے کمرے سے سر نکالے اسے دیکھ رہی تھی۔

"سی دس۔ "اس نے دور سے ہی فولڈر اسے دکھایا۔ اور پھر پڑھ کر بتانے لگا۔ انگریزی میں لکھا تھا۔

"عالمی ایوارڈ کی تقریب اس سال 7 نومبر کو لندن میں منعقد کی جا رہی ہے۔ مسز حیا حمزہ فیاض بیگ اور ان کی فیملی کو اس میں شرکت کی دعوت دی جاتی ہے۔ اور۔ "اس نے نظر اٹھا کر حیا کو دیکھا جو اب اس کے پاس آ کھڑی ہوئی تھی۔

"اور مسز حمزہ اپنی مینٹل ہیلتھ پر لکھی گئی شاہکار کتاب پر عالمی ایوارڈ وصول کر کے وہاں موجود حاضرین سے اس کے متعلق بات کریں گی۔ "اس نے ایک نظر پھر حیا کو دیکھا جو اب دونوں ہاتھ منہ پر رکھے بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

نیچے تاریخ, وینیو اور دستخط تھے۔ وہ فولڈر صوفے پر رکھنے کو جھکا مگر حیا نے جھٹ اس کے ہاتھ سے فولڈر پکڑا اور جلدی سے کھول کر دوبارہ پڑھنے لگی۔ جیسے یقین نہ آیا ہو۔ اب آنسو اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔ اس نے تو اتنا دور کا سوچا بھی نہیں تھا۔ بس کوشش کی تھی کہ لوگوں کی زندگی اس کتاب سے سہل ہو جائے۔ حمزہ نے فولڈر اس کے ہاتھ سے لے کر صوفے پر گرایا۔ اور اسے اپنے کندھے سے لگایا۔

"یو ڈیزرو دس ایوارڈ۔ "وہ اسے سراہ رہا تھا۔ ارہاب ماں کو روتے دیکھ کر پریشان سا صوفے پر کھڑا ہو گیا۔

"ماما آر یو اپ سیٹ؟ "وہ اس کی قمیص پکڑ کر کھینچنے لگا۔ حمزہ نے ہاتھ بڑھا کر اسے گود میں اٹھایا۔ تو وہ اب بھی ماں کو دیکھ رہا تھا۔ حیا نے آنسو صاف کرتے تھوڑا اونچا ہو کر ارہاب کا گال چوما۔

"آئی ایم بلیسڈ" !

"یور ماما از آ سپر لیڈی۔ "حمزہ ارہاب کو اس کے لفظوں میں سمجھانے لگا اور اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر تالی بجائی۔ "

ییےےے ماما از آ شپر لیڈی۔ "وہ کھکھلا رہا تھا تو حیا بھی ہنس دی۔ اب حمزہ ردابہ اور ہارون کو کال کر کے بتا رہا

تھا۔ پھر شیری کو کال کی۔ فریحہ, علی وہ سب کو بتا رہا تھا۔ یہ اس کی فیملی کے لیے قابل فخر لمحہ تھا۔ حیا وضو کر کے جائے نماز پر کھڑی ہو گئی تھی بات اتنی بڑی تھی کہ یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔ وہ اب ہاتھ اٹھائے اللہ کا شکر ادا کر رہی تھی۔

****

ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ کالی گول گلے کی شرٹ پہنے, دونوں ہاتھ جیب میں ڈالے وہ آئی جی پنجاب کے آفس کی عمارت کے باہر کھڑا تھا۔ جہاں سے گیا تھا آج دوبارہ وہیں آ کھڑا ہوا تھا۔ گہرا سانس اندر کھینچتے وہ اندر کی جانب بڑھا۔ اور چند منٹ بعد وہ آئی جی صاحب کے آفس میں ان کے سامنے بیٹھا تھا۔

"حمزہ! ہم حکومت کے پابند ہوتے ہیں۔ تمہیں پتا ہی ہے پولیس کب حکومتی مداخلت سے آزاد ہے؟ بالفرض میں تھانیدار کو ہدایت کروں بھی تو وہ اس بندے کا قریبی ساتھی ہے۔ گھر کے بھیدی میری ہی لنکا ڈھا دیں گے۔" آئی جی صاحب آرام سے اسے سمجھا رہے تھے۔ حمزہ نے پہلو بدلا۔

"سر غریب آدمی کی عزت ہی تو ہوتی ہے۔" اور یہ کہتے اس کے سامنے رانیہ کا جسم لہرایا۔ اس نے سر جھٹکا۔ اس وقت وہ کچھ اور نہیں سوچنا چاہتا تھا۔ تو بولا۔

"آپ تھانیدار بدل دیں۔ کوئی نیا آدمی بیٹھا دیں جو اس کیس کو سنجیدگی سے لے"۔

"حمزہ تم سمجھدار ہو یار! کوئی بھی کیوں بڑی سیاسی شخصیت سے دشمنی مول لے گا؟ جس طرح تمہین اپنی فیملی پیاری ہے, سب کو اسی طرح اپنے گھر والے عزیز ہیں۔" آئی جی صاحب نے میز پر رکھی چائے کی طرف اشارہ کیا۔ اور حمزہ نے سر جھکا لیا۔ اپنی فیملی کی حفاظت کے لیے پیچھے ہٹ کر اس نے کچھ غلط نہیں کیا تھا۔ مگر پھر وہ کیوں بے سکون تھا۔

"سر پلیز۔ وہ آدمی بڑی امید لے کر میرے پاس آیا تھا۔ ڈو سم تھنگ فار دیم۔" وہ اب بھی اٹکا ہوا تھا۔

"تو تم خود کیوں نہیں اس کیس کو دیکھ لیتے؟ پھر جس کا مرضی نام ڈالنا جسے مرضی پکڑنا." آئی جی صاحب نے حل بتایا اور حمزہ نے نفی میں سر ہلایا.

"دس سسٹم از دی موسٹ کرپٹ ون." وہ بڑبڑایا.

"تو حمزہ. سسٹم کو بدلنے کے لیے سسٹم کا حصہ بننا پڑتا ہے. باہر کھڑے ہو کر آپ سسٹم کو نہیں بدل سکتے." وہ اسے سمجھانے لگے. "تم جب چاہو آ جانا تمہارا عہدہ بحال کر دیا جائے گا." حمزہ تھوڑی دیر بیٹھ کر باہر آ گیا. اب وہ پہلے سے زیادہ مضطرب تھا. دل کی سن کر یہاں آیا تھا پر کوئی فائدہ نہیں ہوا تھا.

اس کا رخ اپنے تھانے کی طرف تھا. سوچا تھا دوبارہ کبھی یہاں نہیں آئے گا مگر اللہ کا فیصلہ کچھ اور ہی تھا. بے تاثر سا گردن اٹھائے وہ عمارت کے اندرونی دروازے کی طرف بڑھا. کئی لوگوں نے رک رک کر اسے سلام کیا. وہ اب نئے تھانیدار کے سامنے ٹانگ پر ٹانگ جمائے بیٹھا تھا.

"تم تو پکی توبہ کر کے گئے تھے پھر واپس کیسے آنا ہوا." تھانیدار دانت نکالتے کہہ رہا تھا. حمزہ نے اس کے طنزیہ لہجے کو نظر انداز کیا.

"انسیہ کیس کے سلسلے میں آیا ہوں. سنا ہے تم لوگ ایف آئی آر میں سیاسی ہستی کا نام نہیں ڈال رہے." وہ سنجیدہ تھا. اور اس کی بات پر تھانیدار نے قہقہہ لگایا.

"کیا حمزہ. تم جیسے سمجھدار آفیسر." پھر رکا.

"اونہوں. ایکس آفیسر جب بچوں جیسی باتیں کرتے ہیں تو افسوس ہوتا ہے. کیا بھول گئے تم کس وجہ سے گئے تھے؟ میرے یار! پیسہ اور طاقت سب خرید لیتی ہے." وہ اب تمسخرانہ انداز میں اسے دیکھ رہا تھا. اور حمزہ کو کب پتا نہیں تھا کہ یہ دولت اور طاقت کتنے انصاف کچل دیتی ہے. اس نے سر ہلایا اور دوبارہ بولا.

"مجھے اس کا نام ایف آئی آر میں چاہیئے۔" تھانیدار نے نفی میں سر ہلایا۔ "نہیں ہو سکتا۔ اور ویسے بھی غریب کی کیا عزت۔" اور تب حمزہ دھاڑا۔ "چادر غریب کی ہی تو ہے۔" تھانیدار سیدھا ہو کر بیٹھا۔

"میرا سر نہیں کھاؤ۔ جا کر اوپر بات کرو۔ مجھے جتنا کہا گیا میں نے وہ ہی کیا ہے۔" وہ ایکدم درشت ہو گیا تھا۔

"خود ایسے حالات میں بھاگ جاتے ہیں اور پھر آ جاتے ہیں انصاف کی رٹ لگا کر۔" وہ اونچا بڑبڑا رہا تھا۔ حمزہ کے جبڑے بھنچ گئے۔ کیا بتاتا اسے اپنی فیملی کے لیے گیا تھا۔ کون سمجھتا اس کے جزبات؟ سر ہلاتا وہ کھڑا ہو گیا۔

"میں ہر قیمت یہ کیس چلواؤں گا۔" دروازہ مارتا وہ باہر نکل گیا۔ پیچھے تھانیدار نے نمبر ملاتے فون کان پر لگایا۔

"حمزہ آیا تھا۔ اس کی باتوں سے لگا وہ ری جوائن کرنے کا سوچ رہا ہے۔" پھر ادھر کی بات سنی۔

"کرنے دو جو کرتا ہے۔ دوبارہ بھاگنا پڑے گا تو شرم سے خود ہی کسی بل میں چھپ جائے گا۔" تھانیدار نے خباثت سے دانت نکالے اور فون رکھ دیا۔

* *

یہ اینٹوں کا چھوٹا سا ٹوٹا پھوٹا گھر تھا۔ جس کے صحن میں بچھی چارپائی پر وہ ہاتھ رکھے وہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔ سامنے وہی بزرگ اپنی بیٹی کے ساتھ بیٹھا تھا۔ لڑکی نے منہ چادر سے لپیٹ رکھا تھا۔

"صاب کوئی نہیں سنتا۔ میں تو تھک گیا ہوں۔ یہ دوبار خودکشی کی کوش کر چکی ہے۔" باپ بے بسی سے کہہ رہا تھا۔ لڑکی کی آنکھیں ڈبڈبانے لگیں۔ حمزہ لب کاٹنے لگا۔

"کیا تم مجھے بتاؤ گی کہ وہ آدمی کون ہے۔ میرا مطلب وہ سیاسی شخصیت۔ وہ اب بھی سر جھکائے بیٹھا تھا۔

"وہ۔ جس کا شہر میں ڈیرہ ہے۔ بڑی بڑی مونچھیں ہیں۔ اور۔" اس کی آواز گیلی تھی۔ "ثق۔ ثقلین" وہ اٹکتے ہوئے بولی اور حمزہ نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔

"ثقلین؟ وہ منسٹر ثقلین؟" لڑکی نے اثبات میں سر ہلایا تو حمزہ کی آنکھوں میں خون اتر آیا. گالیاں. گالیاں. بہت گالیاں دل سے نکلی.

"میں چلتا ہوں. وہ کھڑا ہو کر مڑا تو پیچھے سے آواز آئی.

"صاب میں انصاف کی امید کروں یا زہر کھا کر مر جاؤں؟" لڑکی اسکے پیچھے کھڑی ہو گئی تھی. حمزہ کے قدم زنجیر ہوئے. وہ مڑا نہیں. اور کچھ کہے بغیر باہر نکل گیا. گاڑی اب سڑک پر بے لگام دوڑ رہی تھی. جبڑے بھینچے ہوِ تھے. ماتھے پر بل پڑے تھے.

اور اس سے زیادہ بے لگام اس کا دماغ تھا. چھ سال میں وہ ثقلین کا کچھ نہیں بگاڑ سکا تھا تو اب بغیر وردی کی طاقت کے کیا اکھاڑ لیتا. ایک جگہ اس نے گاڑی روک دی. اور کتنی دیر یوں ہی روکے رکھی. پھر سر تب اٹھایا جب اس کا فون بجا.

"جی." وہ بے زاری سے بولا آگے سے حیا کی آواز کھنکی.

"آپ تو لاہور جاتے ہی ہمیں بھول گئے ہیں. پرانی محبوبہ تو نہیں مل گئی." وہ جان بوجھ کر تذکرہ کر رہی تھی.

"یار میں پریشان ہوں. اور تنگ نہیں کرو." وہ بے زار سا بے زار تھا. تو وہ سنجیدہ سی بولی.

"حمزہ کیس لے لو. ری جوائن کر لو." وہ کچھ نہیں بولا. بولنے کا دل بھی نہیں تھا.

"میں نے اسٹڈی پر پڑے تمہارے کاغذ دیکھے. حمزہ اس دور میں کون ایسی سچویشن میں اپنی بیٹیوں کے لیے کھڑا ہوتا ہے؟ وہ غریب ہے. بوڑھا ہے پر اپنی بیٹی کے لیے کھڑا ہوا ہے. لوگ تو ایسی صورتحال میں خود اپنی بیٹیوں کو مار دیتے ہیں. مگر وہ ایک اچھا اور مضبوط باپ ہے. جو جانتا ہے اس کی بیٹی کا قصور نہیں ہے. ورنہ تو بیٹیاں ہی قصور وار ٹھہرا دی جاتی ہیں. فیصلہ بھی ان کے خلاف ہوتا ہے, لوگ نفرت بھی انہی سے کرتے ہیں اور سزا بھی ان کو ہی ہوتی ہے." وہ کہے جا رہی تھی. اور وہ سن رہا تھا. شاید سننا چاہتا تھا.

"دوسروں کے لیے آسانی پیدا کرو. تا کہ اللہ تمہارے لیے آسانی کرے. تم اللہ کے بندوں کی حفاظت کرو, اللہ ہماری حفاظت کرے گا. تم کیوں ہمارے لیے پریشان ہوتے ہو؟ وہ کرو جو تمہیں سکون دیتا ہے. اور تمارا سکون تھانے میں ہے. ورنہ کچھ دن بعد تم ہم سے بھی تنگ آ جاؤ گے. کیونکہ تم وہ نہیں کر رہے جو تم چاہتے ہو" .

دل کا سارا غبار ہٹتا جا رہا تھا. دل بھی تو یہ ہی چاہتا تھا. ایسا نہیں کہ حیا نے اسے پہلے کبھی یہ سب نہیں کہا تھا مگر تب وہ یہ سننا نہیں چاہتا تھا اور آج جب وہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا تو اسے محض بہانہ ہی چاہیئے تھا. اور بہانہ حیا نے دے دیا تھا.

"ثقلین نے کیا ہے یہ. "وہ آہستہ سے بولا مگر حیا کے لہجے میں کوئی فرق نہیں آیا.

"شاید تب ثقلین کا وقت نہیں آیا تھا. اب اللہ نے تمہیں ایک اور موقع دیا ہے. تو بس میری جان اللہ کا نام لو اور کیس میں ہاتھ ڈال دو. اللہ تمہیں کامیابی دے گا. "وہ اسے حوصلہ, ہمت, دعا سب ساتھ دے رہی تھی. اور یہ ہی لمحہ تھا جب اس نے فیصلہ لیا. فون کاٹ کر اس نے ایک اور نمبر ملایا.

"سر آئی وانٹ ٹوری جوائن. "دو چار باتیں کر کے اسنے فون ایک طرف رکھا گاڑی اسٹارٹ کی اور دوبارہ فون اٹھا کر ایک میسج حیا کو کیا.

"کیا تم نے مجھے میری جان کہا تھا؟ "فوراً جواب آیا.

"استغفر اللہ" .

****

یہ وہی تھانے کی پرانی عمارت تھی. اپنے آفس میں وہ ٹانگ پر ٹانگ دھرے بیٹھا تھا. سامنے انسیہ بیٹھی تھی اور اس کے ساتھ لیڈی کانسٹیبل تھی. وہ اس سے تمام تر تفصیلات لے رہا تھا. کچھ باتوں پر ہچکچانے لگ جاتی تو حمزہ کانسٹیبل کو

اشارہ کرتا کہ چھوڑ دو. کیونکہ وہ اس کیس کو ایک الگ سرے سے پکڑنا چاہتا تھا. تمام تربات بتا کر انسیہ نے مدد طلب نظروں سے حمزہ کو دیکھا .

" سر وہ وڈیو. " کہہ کر اس نے سر جھکایا تو حمزہ دونوں ہاتھ باہم ملا کے میز پر بازو رکھتے آگے ہوا.

"بیٹا. پہلے تو یہ سر اٹھالو. سر ان کے جھکنے چاہئیے جو قصوروار ہیں. اور میں ان کی گردنیں لٹکتے دیکھنا چاہتا ہوں. "

لڑکی نے اثبات میں سر ہلایا.

" اور دوسرا تم ایسا انصاف دیکھو گی کہ لوگ کانوں کو ہاتھ لگائیں گے. " وہ اب کہ زہر خیز نظروں سے دیکھ رہا تھا.

لڑکی نے اثبات میں سر ہلایا. اور حمزہ کے اشارے پر لیڈی کانسٹیبل اسے باہر لے گئی. اب وہ شیری کا نمبر ملا رہا تھا.

" آئی وانٹ ایوری باڈی ان بیسمنٹ پندرہ منٹ ہیں. " گھڑی سیکھتے اس نے فون بند کر دیا اوپر ثقلین کے میسج کا نوٹیفکیشن تھا. " مبارک حمزہ. " حمزہ نے ناگواری سے فون جیب میں ڈالا اور خود بھی باہر نکل گیا. نوکریاں بحال ہو گئی تھیں. تبھی پندرہ منٹ میں شیری, سمایا, شیر وان وہاں تھے. عنایا اور زویان کی دو سال پہلے شادی ہوئی تھی اور زویان اسے لے کر اپنی فیملی کے پاس دبئی چلا گیا تھا. سب لوگ کافی بدل چکے تھے. شادیاں تو سب کی ہی ہو چکی تھی اور جسمانی و ذہنی طور پر بھی وہ اب میچیور دکھتے تھے.

حمزہ سربراہی کرسی پر بیٹھا تھا. اس کے دائیں طرف شیر وان اور دوسرے ہاتھ پر سمایا تھے جبکہ شیری اس کے ساتھ کھڑا لیپ ٹاپ پر جھکا ہوا تھا.

" سر جب اتنے ثبوتوں کے ساتھ کچھ نہیں ہوا تو اب ہم کیا کر لیں گے. " شیر وان منہ بنا کر بولا. شیری نے سر اٹھا کر اسے دیکھا. " یہ کہتے ہوئے تم بالکل ڈاپر لگے ہو. " وہ اسے سنجیدہ سا کہتا دوبارہ لیپ ٹاپ پر جھک گیا.

"خود ہو گا ڈائپر۔" پھر اس نے ناک پر ہاتھ رکھا۔" سمیلی ڈائپر۔" وہ بھی تڑاخ سے بولا۔ سمایا نے دو انگلیاں ہونٹوں پر رکھ کر مسکراہٹ چھپائی۔ شیری نے خفت سے اسے دیکھا۔ حمزہ پر سوچ انداز سے پنسل انگلیوں میں گھماتے اسے دیکھنے لگا۔ کہہ تو وہ صحیح ہی رہا تھا۔ مگر دوسری بار کے اس موقعے کو وہ جانے نہیں دینا چاہتا تھا۔

تبھی وڈیو پر بحث شروع ہو گئی۔

"وڈیو اتنے لوگوں تک پہنچ چکی ہے کہ ختم کرنا مشکل ہے۔" شیری نے حمزہ کو دیکھا۔

"سوشل میڈیا پر تو ایک منٹ لگتا ہے وائرل ہونے میں اور ایسی چیزیں تو لوگ ویسے ہی فوراً اپنے دوستوں کے ساتھ شئیر کر دیتے ہیں۔" سمایا نے آگے ہوتے ہوئے کہا۔ حمزہ باری باری ان کو دیکھا رہا تھا۔

"یا وڈیو میں منسٹر صاحب کی شکل ہوتی تو شاید کچھ بنتا۔" شیر وان نے کہا اور حمزہ کی گھومتی پنسل رک گئی۔ دماغ کئی مسافتیں طے کرنے لگا۔

"کم از کم اسے صاحب مت کہو۔" شیری نے جل کر کہا۔ اور سمایا نے حمایت کی۔ مگر حمزہ اب نہیں سن رہا تھا۔ یک دم وہ اٹھا پیچھے دیوار میں لگی الماری میں جھک کر کچھ ڈھونڈنے لگا۔ پیچھے میز پر وہ اب بیٹھے اپنی باتیں کر رہے تھے۔

"جنت کیسی ہے۔" سمایا شیر وان سے پوچھ رہا تھا۔ ہاں شیر وان کو جنت پہلی نظر میں بھائی تھی اور اس کا جھکاؤ اس کی طرف دیکھتے شیری نے بات حمزہ کے کان میں ڈالی اور پھر بات ردابہ سے ہوتے ہارون اور ہارون کے زریعے جنت کے گھر تک پہنچی وہ ویسے ہی ڈاکٹر ہارون کی عزت کرتے تھے اور حمزہ کو بھی جنت کے دوست کی حیثیت سے جانتے تھے۔ ادھر شیر وان کے گھر پر بھی کسی کو اعتراض نہیں ہوا کہ حمزہ کے توسط سے سب ہو رہا تھا۔ اور انسان کی کریڈیبیلٹی ہی بہت ہوتی ہے۔

"اللہ کا شکر ہے۔ آل فٹ۔" ایک نظر الماری میں جھکی حمزہ کو دیکھتے اس نے انگڑائی لی۔ اب کم از کم وہ حمزہ کو دیکھ کر چپ چاپ نہیں بیٹھتے تھے۔

حمزہ کو مطلوبہ چیز مل گئی تو الماری کے پٹ بند کرتا دوبارہ اپنی کرسی پر آکر بیٹھ گیا. سب سیدھے ہو گئے.
اس کے ہاتھ میں بٹنوں والا فون تھا. جو کافی پرانا اور خستہ حال تھا. اب وہ اسے کھول رہا تھا. سب جھک کر دیکھ رہے تھے. فون کھل گیا. اس نے بیٹری نکال کر باہر رکھی اور اندر سے ایک میموری کارڈ نکالا. اسے اپنے فون میں ڈالا. اور فون کے ساتھ ڈیٹا کیبل لگاتے وہ پرجوش دکھ رہا تھا.
اب شیری کے ہاتھ سے لیپ ٹاپ لے کر وہ خود بٹن دبا رہا تھا. شیری جا کر سمایا کے دوسری طرف بیٹھ گیا. تبھی اسکرین پر وڈیو ابھری. اور حمزہ نے لیپ ٹاپ ان لوگوں کی طرف گھمایا. وہ آگے ہو کر اسکرین دیکھ رہے تھے. وہ ثقلین کی وڈیو تھی. وڈیو خاصی معیوب تھی. سمایا نے ایک نظر دیکھ کر نظر ہٹالی. شیر وان نے لیپ ٹاپ حمزہ کی طرف گھما دیا. وہ اب وڈیو بند کر رہا تھا. حمزہ نے گہری سانس خارج کی. یہ وہی وڈیو تھی جس کی دھمکی حمزہ ثقلین کو دے کر آیا تھا مگر اس نے جھوٹ بولا تھا کہ وہ وڈیو اپنے دوستوں میں دے چکا ہے. بلکہ اس نے یہ سوچ کر سنبھال کر رکھے رکھی کہ اللہ نے پردہ رکھا ہے تو وہ کیوں کسی کو سر عام نشر کرے. مگر اب جبکہ وہ خود ایک گری ہوئی حرکت کر چکا تھا وہ کیا پردہ رکھنا. سب سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے. حمزہ نے شیری کو اشارہ کیا.
"فیک آئی ڈی سے اپلوڈ کر دو." شیری اٹھ کر اسکی طرف آیا. ہاتھ جلدی جلدی لیپ ٹاپ پر چلنے لگ گئے.
"سر اس سے کیا ہو گا؟ ہم تو انسیہ کیس پر کام کر رہے ہیں." سمایا فارمل ہو گئی. تو حمزہ نے کنپٹی مسلی.
"اگر ہم ڈائریکٹ اس پر ہاتھ ڈالیں گے تو وہ ہمیں نقصان پہنچائے گا. لیکن اگر عوام اس کے خلاف آواز بلند کرے گی تو میں دیکھ رہا ہوں اس کی پارٹی اس سے ہاتھ اٹھالے گی. الیکشن کے پاس کوئی اس کو بچانے کی کوشش نہیں کرے گا اور پھر میں اس سے نمٹ لوں گا." وہ مسکرایا. اور سر جھٹکا. "ایک فرعون کا باب ختم ہونے جا رہا ہے." اس نے شیری کی طرف دیکھتے کہا اور شیری نے لیپ ٹاپ اس کی طرف گھمایا. اپلوڈنگ ایک کلک کی دوری پر تھی. حمزہ نے سر کو خم دیا اور یہ وڈیو اپلوڈ ہونے لگی. حمزہ نے ایک میسج ٹائپ کیا.

"خیر مبارک ثقلین صاحب!چیپٹر دی اینڈ" میسج کر کے اس نے حیا کا نمبر ملایا فون اسکرین پر حیا کی تصویر ابھری اور وہ فون کان سے لگاتا باہر نکل گیا.

****

حیا اسٹڈی ٹیبل پر بیٹھی تقریب میں بولنے کے لیے مختلف پوائنٹ کاغذ پر اتار رہی تھی. پیچھے بیڈ پر ارہاب بیٹھا بلاکس سے مختلف شکلیں بنا رہا تھا. حیا کا فون بجا. جو بیڈ پر پڑا تھا. "ارہاب فون دو مجھے. "حیا سر جھکائے کچھ لکھ رہی تھی.

ارہاب نے بلاکس چھوڑ کر فون اٹھایا سامنے حمزہ کی تصویر تھی. وہ چہکا. اور انگلی سے اوپر کو سلائڈ کیا.

"اشلا ملیکم بابا(اسلام علیکم)"حیا مسکراتے ہوئے پیچھے مڑی .

وہ اپنے لاہور والے گھر کے کمرے میں بیڈ پر لیٹتا وہ اب ارہاب سے کہہ رہا تھا.

"میرا بچہ کیسا ہے؟"وہ شرمایا .

"میں ٹھیک ہوں " .

"اور ارہاب کی ماما کیسی ہیں " .

"ماما بھی ٹھیک. "حمزہ نے کراؤن سے ٹیک لگاتے ٹانگیں لمبی کی .

"کیا کر رہے تھے؟ "

" کھیل رہا تھا. "وہ بلاکس کو دیکھ کر بولا. اور حمزہ مسکرایا. "بابا کو مس نہیں کرتے ہو. "اور ارہاب نے ہونٹ نکالے. "آئی مش یو. آئی آکس (آسک) ماما. لیٹس گو. وہ. کہتی بابا آجائیں گے. "وہ روہانسا ہو رہا تھا. حمزہ کا دل چاہا وہ ابھی وہاں چلا جائے مگر ابھی تو اصل کام شروع ہوا تھا. تو وہ پیار سے بولا. "بابا مس یو الاٹ. جلدی سے میں اپنے

ارہاب کے پاس آجاؤں گا. "ارہاب کھکھلایا. "اوکے. ماما سے بات کریں. "حیاجو اٹھ کر اب بیڈ پر آگئی تھی ارہاب نے فون اسے تھمایا اور خود دوبارہ بلاکس کی طرف مڑ گیا.

وہ فون لے کر کمرے سے باہر آگئی .

"میں دیکھ رہی ہوں جناب بہت مصروف ہو گئے ہیں. کہیں واقعی پرانی محبوبہ تو نہیں مل گئی؟" وہ ایک ٹانگ صوفے پر موڑے بیٹھی تھی. حمزہ کا موڈ اچھا تھا تو فوراً بولا. "فی الحال تو نہیں ملی لیکن اگر ابھی میسج کر دوں تو ملنے ضرور آجائے گی. "حیا نے دانت پیسے. "آئی ہیٹ یو. "اور وہ ہنسا. "نہیں. یو لو می. "حیا بھی ہنس دی.

"دل کے بہلانے کو غالب خیال اچھا ہے " .

"مطلب یو ڈونٹ لو می؟" وہ یکدم سنجیدہ ہو گیا اور حیا محظوظ ہوتے بولی. "آاااممم! پتا نہیں. "وہ اور خفا ہو گیا. " اوکے ایٹ لیسٹ ارمینہ از شیور کہ وہ مجھ سے پیار کرتی ہے. "وہ کال کاٹ گیا. فون دوبارہ بجنے لگا. مگر وہ اسے ہاتھ میں لے کر لیٹا رہا. رنگ بند ہو گئی اور دوبارہ بجنے لگی. دو کالز کے بعد اس نے فون اٹھایا اور خفگی سے بولا. "جی بولیں. "وہ آگے سے اتنے ہی پیار سے بولی. "آئی مس یو. "وہ بولا کچھ نہیں, منہ بنائے لیٹا رہا.

"تمہارے ساتھ جینا سیکھا ہے. ہنسنا سیکھا ہے. میں شکر گزار ہوں اللہ کی کہ اس نے مجھے اتنی پریشانیوں میں ڈالا, اس نے مجھے تم سے ملوایا. میں ہر نماز میں اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں کہ اگر وہ حادثہ نہ ہوتا تو آج میں مسز حیا حمزہ فیض بیگ نہ ہوتی. "وہ ایموشنل ہو رہی تھی. حمزہ کے تاثرات ڈھیلے پڑے. وہ کہہ رہی تھی.

"یو آر مائی لائف. یو آر مائی ایوری تھنگ حمزہ. "ناراضگی ختم ہو گئی حمزہ کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے .

"سن رہے ہو؟" اس کی طرف سے آواز نہیں آئی تو وہ رکی.

"ہمم" وہ اتنا کہہ سکا. اس کے الفاظ اسے سکون دے رہے تھے.

"تو میری جان! آئی لو یو الاٹ. "وہ کہہ کر چپ ہو گئی. حمزہ کی مسکراہٹ گہری ہوئی.

تھوڑی دیر وہ چپ رہا پھر آہستہ سے بولا. "استغفر اللہ. "حیا جل گئی.

"کیا یار. ہمیشہ یوں ہی کہتے ہو. "وہ واقعتاً ہمیشہ یہ ہی جواب دیتا تھا. حیا کی خفگی بجا تھی.

"مجھے شرم آتی ہے ایسی باتیں سن کر. "وہ مسکراہٹ دبا رہا تھا. حیا نے ایک ہاتھ ہوا میں اٹھایا اور اونچا کہا .

"استغفر اللہ. "اندر بیڈ پر کھیلتا ارہاب ماں کی آواز سن کر کھکھلایا.

"استفر اللہ" .

****

وڈیو آدھے گھنٹے میں ہی ہر موبائل پر دکھنے لگی تھی. میڈیا میں تہلکہ مچ گیا تھا. ایک سیاسی جماعت کو چھوڑ کر باقیوں میں خوشی کی لہر تھی. ثقلین کے پارٹی سربراہ نے اس رسپانس کو دیکھتے فوراًاس سے قطع تعلقی کا اظہار کر دیا. سب کو اپنی اپنی پڑگئی تھی. عزت چلی گئی. منسٹری چلی گئی. اس وڈیو پر سہاگہ یہ کہ حمزہ نے انسیہ سے پریس کانفرنس کروائی, جہاں اس نے ثقلین کو اپنے کیس میں نامزد کر دیا. سوشل میڈیا پر 'ہیش ٹیگ جسٹس فار انسیہ 'ٹاپ ٹرینڈ بن گیا. اور یہ ہی وقت تھا کہ ثقلین کے اوپر سے ہر طرح کا ہاتھ کھینچ لیا گیا عوام بینر لیے اس کے ڈیرے کے باہر سیلاب کی طرح امڈ آئی. اور اس وقت وہ جیل کی سلاخوں کے پیچھے کھڑا تھا. آنکھیں بدحواسی سے پھٹی ہوئی تھیں. حوالات کی گرمی پسینے کی صورت نچڑ رہی تھی. حمزہ نے آخری کمرے میں اسے لے جانے کا حکم دیا اور کافی دیر انتظار کروا کر وہ وہاں گیا. سامنے ثقلین اسے نفرت سے دیکھ رہا تھا.

"تم پچھتاؤ گے. "وہ ہتھکڑی میں جکڑے ہاتھوں کے ساتھ اسے دھمکی دے رہا تھا. حمزہ اطمینان سے مسکراتا کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا. "مگر افسوس تم مجھے پچھتاتے ہوئے دیکھ نہیں سکو گے. "اس نے ٹانگ پر ٹانگ جمائی. ثقلین کو کچھ سمجھ نہیں آیا. وہ اسے گالیاں بکنے لگا. گالیاں بہت گھٹیا تھیں. حمزہ نے سب ریشنل دماغ پر چھوڑ دیا. اور کچھ دیر بعد جب وہ بول بول کر تھک گیا تو حمزہ نے پیچھے کھڑے آدمی کو اشارہ کیا. کچھ دیر بعد وہ اسے عدالت کے لیے لے جا

رہے تھے۔ ابھی وہ اسے لے کر تھانے سے باہر آئے ہی تھے۔ ایک بڑا ہجوم گیٹ کے باہر کھڑا اسے گالیاں دے رہا تھا, اس کے خلاف نعرے لگا رہا تھا۔ غم و غصے کا اظہار کر رہا تھا۔ میڈیا وہاں موجود تھا حمزہ نے کالی عینک آنکھوں پر لگاتے گیٹ پر کھڑے پولءس اہلکار کو اشارہ کیا کو اسی اشارے کا منتظر تھا۔ گیٹ کھل گیا۔ ہجوم بے قابو ہو گیا۔ تھانے کا احاطہ لوگوں سے بھر گیا۔ پولیس بظاہر ان کو روکنے کی کوشش کرتی رہی۔ مگر وہ آگے بڑھتے گئے یہاں تک کہ ثقلین کو جالیا۔ وہ اس کو گالیاں دے رہے تھے, پیٹ رہے تھے, تھپڑ, مکے لاتیں جس میں جتنا دم تھا وہ اتنا زور لگا رہا تھا۔ خون اس کے منہ سے بہہ بہہ کر گر رہا تھا۔ ٹانگین جواب دینے لگی تھیں۔ وہ زمین کی طرف جھکتا جا رہا تھا۔ اور تبھی ہجوم نے کسی کو جگہ دی۔ آنے والی انسیہ تھی۔ حمزہ چند سیڑھیوں سے اوپر کھڑا منظر دیکھ رہا تھا۔ انسیہ اب اس کے سر پر کھڑی تھی۔ وہ ہاتھ جوڑے رحم کی اپیل کر رہا تھا۔ انسیہ نے سختی سے آنکھیں بند کیں اور اس کے منہ پر تھوکا۔ اب وہ ہجوم کی طرف موڑی اور چیختے ہوئے بولی۔

"تم سب غلام ہو۔ تم سب غلام ہو۔ اپنے مفس کے غلام ہو۔ پوری دنیا فتح کر لو مگر رہو گے تم لوگ غلام ہی خود کی خواہشات کے غلام اپنے نفس کے غلام۔" آنسو آنکھوں سے گرتے جا رہے تھے اور وہ بولتی جا رہی تھی۔

"بہن, بیٹیاں اب سانجھی کیوں نہیں رہیں؟ بیٹیاں اپنے ہی رشتے داروں سے محفوظ کیوں نہیں رہی؟ تم سب نفس کے غلام ہو۔" وہ ہر طرف انگلی اٹھا کر گھوم رہی تھی۔ کئی سر جھک گئے۔ کئی آنکھوں میں تاسف ابھرا۔

حمزہ نے گہرا سانس اندر کھینچا۔ وہ اب بلک بلک کر رو رہی تھی۔

"وکٹم بھی ہم بنتی ہیں, ظلم بھی ہمارے ساتھ ہوتا ہے۔ پھر عزت بھی ہماری جاتی ہے۔ نفرت اور حقارت بھی ہمارے حصے آتی ہے۔ خاموش رہنے کا بھی ہمیں کہا جاتا ہے۔ کون لوگ ہو تم؟ کون لوگ ہو؟" وہ چلا رہی تھی۔ چلاِ جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ دماغ کو لگا وہ اور تکلیف برداشت نہیں کر سکے گی اور دماغ ماؤف ہو گیا۔ وہ بے ہوش ہو کر

گر پڑی. لیڈی کانسٹیبلز نے اسے سہارا دے کر اندر لے گئیں. ہجوم دوبارہ متشعل ہو کر ثقلین پر ٹوٹ پڑا. اور فرعون کا باب ختم ہو گیا.

حمزہ جانے کو مڑا. نظر گیٹ پر کھڑی عورت پر پڑی. وہ سیاہ چادر سے منہ چھپائے ہوئے تھی. حمزہ کو اپنی طرف دیکھتے پا کر وہ مڑ گئی اور تیز تیز قدم اٹھاتی ایک طرف چل دی. حمزہ اس کے پیچھے بھاگا. وہ اور تیز ہو گئی. وہ اب ایک کالی گاڑی میں بیٹھ رہی تھی. حمزہ اس کے سر پر جا پہنچا. دوسری طرف کا دروازہ کھول کر اس نے اندر دیکھا اور سب ساکت ہو گیا. وہ ارمینہ تھی. وہ بھی وہیں رک گئی. آنکھوں کے گرد سیاہ ہلکے اور بغیر میک اپ کے مرجھایا ہوا چہرہ. آنکھوں میں آنسو امڈنے لگ گئے. حمزہ جانے کو مڑا تو وہ لرزتی آواز کے ساتھ بولی. "تھوڑی دیر رک جاؤ." اس کے قدم زنجیر ہوئے. مڑ کر اسے دیکھا. اور اندر بیٹھ گیا. کئی لمحے خاموشی رہی. پھر حمزہ بولا. "کیسی ہو؟" وہ آنسوؤں میں ہنسی. حمزہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا.

"ٹھیک ہوں. ایک دم ٹھیک ہوں." وہ ہنسے جا رہی تھی.

وہ چپ ہو گیا. وہ بغور اسے دیکھنے لگی. "تم خوش ہو؟" حمزہ نے شانے اچکائے. "الحمدللہ".

"ہمم.." ارمینہ نے سر جھٹکا. چادر اب بھی لپیٹے ہوئے تھی. "تم نے کیا حالت بنا رکھی ہے. وہ میک اپ. کاجل لگی آنکھیں, گہری لپ اسٹک. کہاں گئے سب؟" اسے یوں دیکھ کر واقعتاً اسے ڈر لگا تھا اسے کے گال پچکے پڑے تھے. ارمینہ زخمی سا مسکرائی. اور سر سے چادر اتاری. حمزہ کے گلے میں گلٹی ڈوب کر ابھری. اس کے سر پر بال نہیں تھے. اور پھر شکل ایسی ہوئی پڑی تھی کہ اسے خوف آنے لگا. اور وہ نظریں پھیر گیا. ارمینہ نے ہنستے ہوئے چادر دوبارہ سر پر رکھ لی.

"یہ کیا ہوا." وہ اسے دیکھے بغیر پوچھ رہا تھا. وہ سنجیدہ ہو گئی. آنکھوں میں کرب در آیا.

"تم مجھے چھوڑ کر چلے گئے." آنسو گرنے لگے. حمزہ نظریں ڈیش بورڈ پر گاڑے بیٹھا رہا.

"میں نے ثقلین کے ساتھ کام کرنے سے منع کر دیا. اسے لڑکیاں سپلائی کنے سے انکار کر دیا. تو اس نے. اس نے میرا ہی سودا کر دیا. "وہ اب حمزہ کو اذیت سے دیکھ رہی تھی.

"میں اس کو لڑکیاں دیتی تھی اور وہ مجھے بیچنے پر تل گیا. میرے انکار پر اس نے مجھ پر تشدد کیا. اپنے غنڈوں کے آگے ڈال دیا. میرے بال کاٹ دیے. میں چیخی چلائی. بہت مدد مانگی کوئی نہیں آیا. سارے یار دوست سب نے منہ موڑ لیا. میرا شوہر میرا نہیں رہا. مین اکیلی رہ گئی حمزہ. دولت ہے مگر عزت نہیں ہے. دولت ہے پر سکون نہیں ہے.

"وہ اب روئے جا رہی تھی. حمزہ اس کے لیے برا محسوس کر رہا تھا. اس نے ہمیشہ اسے شوخ سا دیکھا تھا. اب وہ بھیانک لگ رہی تھی. حسن کو زوال آ گیا تھا. حمزہ کا دل چاہا وہ ابھی گاڑی سے نکل جائے مگر شاید اس کے چند الفاظ اس لڑکی کو دوبارہ جینے کے حوصلہ دے دیں. تو وہ بیٹھا رہا.

" مگر آج میں نے اپنا بدلہ لے لیا. "اس نے گردن تان کر پیچھے تھانے کے کالے گیٹ کو دیکھا. حمزہ کی گتھی بھی سلجھ گئی. جس لڑکی کا ذکر انسیہ کے والد نے کیا تھا وہ ارمینہ تھی.

پھر وہ اپنی داستان سناتی رہی. وہ سنتا رہا یہاں تک کہ الفاظ ختم ہو گئے آنسو تھم گئے پھر اس نے سر اٹھایا.

"ارمینہ! آگے بڑھ جاؤ. "ارمینہ نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا.

" صحیح کہہ رہا ہوں. زندگی کا یہ باب یہیں بند کر دو. اور ایک نئی زندگی کا آغاز کرو, نئے اور اچھے لوگوں کے ساتھ. مگر اس کے لیے تمہیں پہلے خود اچھا بننا ہو گا. ارمینہ جو لوگ غلط کام کر لیتے ہیں نا ان میں اسپارک ہوتا ہے. اگر اس انرجی کو وہ صحیح جگہ لگائیں تو ایک دنیا ان کے پیچھے کھڑی ہو گی. تم میں انرجی ہے مگر تم اسے غلط جگہ لگا رہی ہو. اب اس انرجی کو مثبت جگہ لگانے لگ جاؤ. اپنی تکلیف کو اپنی طاقت بنا لو. خود کے لیے خود کو معاف کر کے. ان لوگوں کو معاف کر کے آگے بڑھ جاؤ. اللہ تمہیں ہمت دے. "کہہ کر اس نے ٹک سے دروازہ کھولا اور لمبے ڈگ بھرتا گاڑی

سے دور چلا گیا. وہ اسٹیئرنگ پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہی. اس کے لفظوں پر غور کرتی رہی, پھر حمزہ کے الفاظ دہرائے.

"ارمینہ! آگے بڑھ جاؤ." چابی اگنیشن میں گھمائی اور گاڑی کے ساتھ وہ خود بھی آگے بڑھ گئی.

اور آگے وہ ہی بڑھ پاتا ہے جو بڑھنا چاہتا ہو, پھر لوگوں کے کہے الفاظ اور دلاسے تو محض بہانہ بن جاتے ہیں!

****

یہ ایک بہت بڑا ہال تھا. تاحد نگاہ لوگ بیٹھے تھے. یہ لوگ عام لوگ نہیں تھے. یہ سب اپنی فیلڈ میں کام کرنے والے دنیا کے ہر کونے سے آئے کامیاب لوگ تھے. ہال روشن سا روشن تھا. تقریب شروع ہوئے ایک گھنٹہ گزر چکا تھا. کئی لوگوں کو اپنی اپنی فیلڈ میں بہترین کام کرنے کا ایوارڈ مل چکا تھا. اور اب ایک لڑکی روسٹرم کے دوسری طرف کھڑی حاضرین کی تالیاں تھمنے کا انتظار کر رہی تھی. اس کے سینے پر بائیں طرف چھوٹا سا سبز, سفید جھنڈا لگا تھا. وہ سیاہ شلوار قمیص پر سرخ دوپٹہ گلے سے لگائے کھڑی پانچویں قطار کی پہلی نشست پر بیٹھے اپنے شوہر کو دیکھ رہی تھی. جو اسی کی طرح سیاہ شلوار قمیص میں ملبوس تھا اور اس کی گود میں اس کا بیٹا باپ کی طرح ہی ڈریسنگ کیے بیٹھا تھا. دونوں ہاتھ اٹھا اٹھا کر تالیاں بجا رہے تھے. تالیوں کو شور تھما. لڑکی نے مائیک منہ کے آگے سیٹ کیا. یوں لگا جیسے وہ پہلی بار اسٹیج پر کھڑی ہو کر بول رہی ہے. یہ عام لوگ نہیں تھے. یہ کامیاب ترین لوگ تھے ان کے رشتے دار تھے. چائینیز تھے, جاپانی تھی, امریکی, انڈین, انگلش, روسی سب تھے. اس نے دل میں 'رب یسر لی' پڑھی اور مائیک دوبارہ سیٹ کیا. اور جب بولی تو ہال میں سناٹا چھا گیا.

"میں کوئی سائیکالوجسٹ نہیں تھی. نہ ہوں. اور نہ ہی کوئی مقرر یا رائٹر تھی. میں عام لڑکی تھی. ہر لڑکی کی طرح عام." پھر رکی اور مسکرائی. "اور ہر لڑکے کی طرح عام" .

"زندگی کو نئی راہ ایک حادثے نے دکھائی." پھر اس نے پانچویں قطار کی پہلی نشست پر بیٹھے حادثے کو دیکھا. اس نے مسکرا کر سر کو خم دیا. ارہاب نے ہاتھ ہلایا. اور وہ دوبارہ حاضرین کی طرف متوجہ ہو گئی.

"اور آج میں اپنا سیکھا پانچ منٹ میں ان لوگوں تک پہنچانا چاہتی ہوں جو کسی بھی وجہ سے زندگی میں رک گئے ہیں. ہم سب کی زندگی مین ایسے حادثے ہوتے ہیں کہ وہ ہمیں گرا دیتے ہیں, توڑ دیتے ہیں, وہ تکلیف ایسی ہوتی ہے کہ کسی نے سینے میں چھرا گھونپ دیا ہو, وہ تکلیف ایسی ہوتی ہے کہ آسمان گر گیا ہو. وہ تکلیف ایسی ہوتی ہے کہ کسی نے دل مٹھی میں بھینچ کر ٹکڑے کر دیا ہو." وہ انگریزی میں بولے جا رہی تھی.

"لگتا ہے زندگی ختم ہو گئی ہے. ہم ختم ہو گئے ہیں. پھر خود کو دی جانے والی جسمانی اذیتیں بھی تکلیف نہیں دیتیں ے بھی ان اذیتوں سے گزرے لوگوں کا بس جب کسی چیز پر نہیں چلتا, حالات پر نہیں چلتا تو وہ اس اذیت میں تڑپتے ہوئے خود کو مارتے ہیں. بال نوچتے ہیں. چھری سے جسم کاٹتے ہیں کہ اند سینے مین موجود دل کے کٹنے کی تکلیف بے پناہ ہوتی ہے." ہال میں سنسنی پھیل گئی.

"میں ان تکلیفوں سے گزری ہوں. میرا شوہر ہر اذیت سے گزرا ہے." شوہر کو دیکھا تو وہ دم سادھے اسے سن رہا تھا. مگر آج پچھلے زخم ہرے نہیں ہوئے تھے.

"ہمیں لگتا ہے. ہم برے ہیں, ہم بد قسمت ہیں, تبھی ہم خود سے نفرت کرنے لگ جاتے ہیں. لوگوں سے نفرت کرنے لگ جاتے ہیں. خود کو اپنے کمرے میں, گھر میں, خود میں قید کر لیتے ہیں. ڈپریشن میں چلے جاتے ہیں. زندگی جہنم ہو جاتی ہے. موت کی طلب بڑھ جاتی ہے." وہ کہے جا رہی تھی.

"مگر آج میں ہر ٹوٹے دل, ہر کھوئے ہوئے, ہارے ہوئے, تھکے ہوئے سے مخاطب ہوں. سیلف کے یہ کچھ پوائنٹ مین رکھ رہی ہوں. انکو اٹھا لو اور خود کو سنوار لو" .

"سب سے پہلا ہے identify yourself. خود کو پہچانو. جانو تم کون ہو, تمہارا مقصد کیا ہے. اللہ نے تمہیں کیوں بھیجا ہے. زمین پر موجود ایک درخت, ایک پہاڑ, ایک کیڑا بھی بوجھ نہیں ہے. تو تم بے مقصد نہیں ہو سکتے. خود کی تلاش میں نکلو. اپنے دل میں جھانکو. سجدوں میں ڈھونڈو. رات کے تیسرے پہر ہاتھ اٹھاؤ. جب تم میں خود کو جاننے کی طلب ہو گی تو اللہ تمہارے دل میں تمہارا مقصد ڈال دے گا." وہ سانس لینے کو رکی پھر آگے بولی.

"بی یور سیلف" .

"جو ہو وہی رہو. خود کو لوگوں کی دیکھا دیکھی مت بدلو. ڈونٹ ٹرائی ٹو بی سم ون ایلس بکز ایوری باڈی ایلس از آل ریڈی ٹیکن. (کسی اور کی طرح بننے کی کوشش مت کرو کیوں کہ وہ پہلے ہی لیا جا چکا ہے.) اگر تمہارا رنگ کالا ہے تو بھی تم خوبصورت ہو. رات کالی ہے اور خوبصورت ہے بالکل تمہاری طرح" .

"اور بی یور سیلف کا اصول ہے کہ خود کا دوسروں سے موازنہ مت کرو. اگر موٹیویشن چاہئیے تو اوپر والوں کو دیکھو اور اگر احساس کم تری ہو رہا ہے. تکلیف ہو رہی ہے تو فوراً نیچے والوں سے موازنہ کرو. تمہارے پاس گاڑی نہیں ہے تو دیکھو کسی کے پاس سائکل بھی نہیں ہے. تمہارے پاس بڑا گھر نہیں ہے کوئی فٹ پاتھ پر سو رہا ہے. تمہارے پاس کھانے کو پزا برگر نہیں ہے کوئی کچرے سے کھا رہا ہے. موازنہ کرنا ہی ہے تو ایسے کرو" .

حاضرین نے تالیاں بجائی وہ چپ ہو گئی. ارہاب اب حمزہ کی گود مین اچھل اچھل کر تالیاں بجا رہا تھا.

"ویلیو یور سیلف." وہ دوبارہ بولی.

"جب تم خود کو جان جاؤ تو اپنے آپ کو اہمیت دو. ویلیو دو. خود پر کام کرو. خود کو اپ گریڈ کرو. نئ سکلز سیکھو کہ فیوچر ڈگری کا نہیں ہنر کا ہے. میں کہتی ہوں ہر لڑکا اور لڑکی کو ایک ایسا ہنر ضرور آنا چاہئے کہ جب وہ چاہے اس سے پیسے بنا لے. خود کو بہتر سے بہتر بناؤ" .

"ویلیو دینے کا دوسرا اصول ہے کہ کسی کو بھی اجازت مت دو کہ تم پر انگلی اٹھائے. وہ تمہیں تکلیف دے, تمہیں ہرٹ کرے. تمہارا مینٹل پیس خراب کرے. اپنے گرد ہیلتھی باؤنڈری بنالو. ہر کسی کو یہ باؤنڈری پار مت کرنے دو. اور زندگی میں 'نہ' کہنا سیکھو. جب کوئی تمہیں تمہاری مرضی کے خلاف یا تمہاری مجبوری کا فائدہ اٹھا کر کوئی کام کروانا چاہتا ہو تو اسے نہ کہہ دو. لرن ٹو سے نو. بکز بائی سیئینگ نو ٹو ادھرز یو آر سئینگ یس ٹو یور سیلف. (نہ کہنا سیکھیں, کیونکہ دوسروں کو نہ کہہ کر آپ خود کو ہاں کہہ رہے ہوتے ہیں.) ہال میں پھر تالیاں گونجی.

"ایکسیپٹ یور سیلف" .

"تم جیسے ہو خود کو قبول کر. قد چھوٹا ہے, رنگ کالا ہے, بہت لمبے ہو. جو بھی ہے جیسے بھی ہے خود کو قبول کر و لوگ تب ہی تمہیں قبول کریں گے جب تم خود کو قبول نہیں کرتے تو لوگ تمہارا مزاق اڑاتے ہیں. تم خود کو آج قبول کر لو. اس حد تک قبول کر لو کہ جب کوئی تمہاری کسی کمی کا مزاق اڑائے تو اس اعماد سے سر اٹھائے بیٹھے رہو کہ اسے لگے اس نے کچھ غلط بول دیا".

"فار گو یور سیلف" کہہ کر وہ مسکرائی.

"ٹھیک ہے تم نے غلط بندہ چن لیا, ٹھیک ہے تم وقت پر صحیح لوگوں کو ٹائم نہیں دے سکے. ٹھیک ہے تم ٹیسٹ پاس نہیں کر سکے, ٹھیک ہے تم میڈیکل میں نہیں جا سکے, ٹھیک ہے تم انجینیئر نہیں بن سکے, ٹھیک ہے تم نے زندگی میں غلط فیصلے لے لیے, ٹھیک ہے تم اچھے لوگوں کو نہیں پہچان سکے. ٹھیک ہے تو نے کسی کو ہرٹ کر دیا. اب خود کو معاف کر دو پلیز. دوسروں کی معافی کے لیے ضروری ہے کہ تم خود کو معاف کر دو. ہر پچھتاوا پیچھے چھوڑ کر آگے بڑھ آؤ. کوئی تمہیں تمہاری تکلیفوں سے نکالنے نہین آئے گا مگر تم خود اپنا بازو پکڑ خود کو باہر کھینچ لاؤ. اپنا مسیحا خود بن جاؤ. "وہ سانس لینے کو رکی پھر گویا ہوئی.

"لو یور سیلف" .

"لو یور سیلف کا اصول ہے رسپیکٹ یور سیلف. کوئی تمہاری تب تک عزت نہیں کرے گا جب تک تم اپنی عزت نہیں کرو گے. وہ انسان کسی سے کیا محبت کرے گا جسے خود سے اپنی ذات سے ہی پیار نہیں ہے. ہم دوسروں سے محبت کے بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں خود کو اس کے آگے رول دیتے ہیں, گرا دیتے ہیں. تماشہ بنا دیتے ہیں. پیارے لوگو! خود سے محبت کرو. دوسروں کے سامنے گرنا نہیں کھڑا ہونا ہے. ڈونٹ لیٹ اپنی باڈی ڈس رسپیکٹ یو.
"

"اور جب تم خود کو عزت دینا, ویلیو دینا سیکھ جاؤ گے تو تم دوسروں کو بھی یہ سب دے سکو گے. اور پھر جب تم زند گی میں کسی مقام پر پہنچ جاؤ تو اپنے سے نیچے والوں کا ہاتھ تھام کر اوپر کھینچ لینا".

"مجھے عہد چاہیئے کہ ہم ہار نہیں مانیں گے. اپنے لیے لڑیں گے. اپنی پہچان بنائیں. میں ان لوگوں سے امپوز نہیں ہوتی جو اپنے والد کا پیسہ شو آف کرتے ہیں. اگر تم کچھ ہو تو اپنا کمایا دکھاؤ. مجھے بتاؤ تمہارا کیا ہے. ہم وکٹم نہیں ہیں ہم فاتر ہیں, ہم لڑیں گے. اپنی تکلیفوں سے. اپنے غموں سے".

"پیارے لوگو! وی آل ول رائز. لیکن ضروری ہے کہ خود کو پہچان لو. ہم عام نہیں ہیں. کوئی بھی عام نہیں ہے. سب اپنی اپنی پسند کی فیلڈ میں آگے بڑھ آؤ, کچھ کر جاؤ. تمہاری پہچان تمہارا خاندان, تمہارے ماں باپ, بہن بھائی نہیں ہیں. اپنی پہچان تم خود ہو. میں نہیں جانتی تم کس کے بیٹےِ ہو, کس کی بیٹیٔ ہو مجھے بتاؤ تم کون ہو. فائنڈ یور سیلف. فائنڈ دی پرپز آف یور لائف".

"آخر میں اپنے بارے میں کہوں گی میں نے اللہ سے مدد مانگی اس نے مجھے رستہ دکھایا. میں نے خود کو پہچانا. میں آج یہاں کھڑی ہوں. میں حیا نہیں ہوں. میں حمزہ کی بیوی نہیں ہوں, میں ارہاب کی ماں نہیں ہوں. کہ یہ تو میرا نام, میرا شوہر اور میرے بیٹے سے رشتہ ہے. میں ایک کوشش ہوں. جو نکلی ہے لوگوں کی زندگیاں سہل کرنے ان کو خود سے ملوانے مگر یہ تب ہی ممکن ہے جب آپ لوگ بھی اپنے لیے قدم بڑھائیں گے مین رستہ دکھا سکتی ہوں

منزل کا تعین کر کے قدم آپ کو خود بڑھانا ہے۔" پھر اس نے گردن تانی۔ نظر نے ایک لمحے میں پہلی کرسی سے آخری کرسی تک مسافے طے کی اور ہال نے اسے کہتے سنا۔

"میں پرفیکٹ نہیں ہوں"۔

میں اچھی ہوں میں بری ہوں۔

میں ولی ہوں، میں گناہگار ہوں۔

میں ہاری ہوئی ہوں، میں جیتی ہوئی ہوں۔

میں، میں ہوں، اور میں خود پر شرمندہ نہیں ہوں۔

ہاں میں، میں ہوں۔

میں میں ہوں۔

وہ مائیک سے ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔ بول بول کر چہرہ سرخ پڑ گیا تھا اور پھر تالیاں بجی۔ ہاتھ اٹھا اٹھا کر اور پھر اس نے دیکھا حمزہ ارہاب کو گود میں لیے اکھڑا ہوا۔ وہ تالیاں بجا رہا تھا۔، ارہاب تالیاں بجا رہا تھا۔ لوگ اب اپنی کرسیوں سے اٹھ کر تالیاں بجا رہے تھے۔ وہ ہانپ رہی تھی۔ دل دھڑک رہا تھا۔ کئی لمحے تالیاں بجتی رہیں۔ وہ دم بہ خود کھڑی رہی۔

"مسز حیا آپکی باتیں سن کر ہم ٹرانس میں چلے گئے۔ ہمیں پتا ہی نہیں چلا کتنا وقت گزر گیا۔" میزبان دوسرے کونے سے کہہ رہا تھا وہ چونکی۔ پھر مسکرائی۔ اور باوقار سی قدم بڑھاتی ان کی طرف گئی۔ اسے اپنا ایوارڈ رسیو کرنا تھا۔ وہاں پہنچ کر کھڑی ہوئی تو دوبارہ آواز گونجی۔

"مسٹر حمزہ آپکی بیوی آپکو اس لمحے اپنے ساتھ دیکھنا چاہتی ہیں. پلیز جوائن اس ایٹ دی اسٹیج." مائیک خاموش ہوا اور حمزہ ارہاب کو گود میں لیے اسٹیج کی سیڑھیاں چڑھتا اوپر آیا. ارہاب کو نیچے اتارتے ایک ہاتھ حیا کی کمر میں ڈالے وہ اس کے ساتھ کھڑا ہو گیا. کیمروں کا فوکس یہ کپل تھا.

یہاں سے دور ٹی وی اسکرین کے سامنے ہارون, ردابہ, شیری, سمایا, انیقہ اسکا شوہر اور ایک ڈیڑھ سال کا بچہ بیٹھے آنکھوں میں چمک خوشی اور فخر لیے حمزہ اور حیا کو دیکھ رہے تھے. تبھی شیری نے فون نکال کے ایک میسج حمزہ کے لیے چھوڑا.

"آج اس خوشی کے ساتھ آپکا یہ بھائی ابا اور آپ تایا ابو بننے جا رہے ہیں." مسکراتا وہ دوبارہ اسکرین کی طرف مڑ گیا. ہاتھ بڑھا کر سمایا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرائی اور نظریں دوبارہ ٹی وی پر کھڑے حیا حمزہ کی طرف مڑ گئی. وہ ایوارڈ رسیو کر چکی تھی اب حمزہ کے ہاتھ میں مائیک تھا.

"آپ لوگ یقین نہیں کریں گے میں نے آج پہلی بار اپنی بیوی کو یوں بولتے دیکھا ہے. میں نے اسے کبھی سیشن دیتے نہیں دیکھا مگر آج مجھے لگا میں دوبارہ پیدا ہوا ہوں. مجھے دوبارہ خود کو پہچاننا ہے. دوبارہ جینا ہے." گرفت حیا پر مضبوط ہوتی گئی. ارہاب دونوں کے آگے کھڑا اتنے لوگوں کو دیکھ رہا تھا.

"میں کبھی ڈھنگ سے کہہ نہیں پایا مگر آج کہنا چاہتا ہوں. حیا تم وہ چراغ ہو جو کئی بجھے چراغوں کو روشنی دینے جا رہی ہو. کئی زندہ لاشوں میں زندگی کی رمق بھرنے جا رہی ہو. اور حیا میں کہنا چاہتا ہوں." اس نے گردن موڑ کر حیا کو دیکھا جس کا چہرہ اتنی نظروں کی تپش سے سرخ پڑ رہا تھا. وہ کچھ سیکنڈ اسے دیکھتا رہا جھک کر ارہاب کو گود میں اٹھایا.

"تھینک یو فار گونگ می جونئیر حمزہ. تھینک یو فار بینگ ان مائی لائف." پھر رخ حاضرین کی طرف موڑا.

"حیا از مائی لائف, حیا از مائی لو, حیا از مائی ایوری تھنگ." وہ رکا پھر حیا کو دیکھا.

"حیا آئی لو یو۔" حیا کا سرخ چہرہ اور دہکنے لگا۔ اس نے یوں کہنے کو تو نہیں کہا تھا کچھ دیر وہ کھڑی رہی پھر اپنا مائیک سامنے کیا۔ "استغفر اللہ" ۔

ہال میں بیٹھے مسلمانوں نے قہقہہ لگایا۔ اور باقی ان کا منہ دیکھنے لگے۔ تبھی ارہاب باپ کہ مائک پر جھکا۔

"استغفر اللہ" ٹی وی کے سامنے سب نے قہقہے لگائے۔ ہال میں ارہاب کے لیے تالیاں بجیں اور وہ شرمندہ سا باپ کے سینے میں گھس گیا۔

اب تم 'حیا' کو یہیں چھوڑ کر جاؤ اپنی زندگی میں اور دیکھو کیا رکھا ہے کرنے کو اللہ نے تمہارے لیے!

****

The End